منزل ما دور نیست
طلبائے برج کورس کی خودنوشت تحریریں

الحمد لله رب العالمين
الرحمن الرحيم
مالك يوم الدين
إياك نعبد وإياك نستعين
اهدنا الصراط المستقيم
صراط الذين أنعمت عليهم
غير المغضوب عليهم ولا الضالين

منزل ما دور نیست

طلبائے برج کورس کی خودنوشت تحریریں

مرکز برائے فروغ تعلیم وثقافت مسلمانانِ ہند
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

سال اشاعت ۲۰۱۷ء

نام کتاب

منزل ما دور نیست

مصنفین

طلبائے برج کورس

نگراں

ڈاکٹر کوثر فاطمہ

kausarshaz@gmail.com

ڈیزائنر

سید دلشاد حسن

dilshadhasan@gmail.com

مطبع

گلوریس آفسیٹ، نئی دہلی۔ ۲

ناشر

مرکز برائے فروغ تعلیم و ثقافت مسلمانانِ ہند

Centre for Promotion of Educational and
Cultural Advancement of Muslims of India (CEPECAMI)

Opposite University Post Office, Morrison Road
Aligarh Muslim University
Phone: +91-571 2700920 Extn:1352, 3634
Fax: +91-571 2701145
email: director.cepecami@amu.ac.in

ایک نئی ابتدا بالکل ہی نئے انقلابی اقدامات کی طالب ہے۔ غور و فکر کے پرانے سانچے جب تک نہیں ٹوٹتے ایک نئے شاکلے کی تشکیل نہیں ہو سکتی۔ نئے اقدامات کے لیے کم سے کم شرط ایک نئے دماغ کی تیاری ہے جو یقیناً پرانی کتابوں کے وِرد سے تیار نہیں ہو سکتا۔ یہ نیا دماغ تشریح و تعبیر کے گھسے پٹے طریقوں کے بجائے قرآن مجید کو ایک نشانِ ہدایت کے طور پر کچھ اس طرح برتنے کا اہل ہوگا کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کی شاہراہ وحی کی تجلّیوں سے جگمگا اٹھے۔ آیاتِ احکام کے ساتھ ساتھ آیاتِ اکتشاف بھی اس کی توجہ کا محور ہوں گی، گویا پوری کتابِ ہدایت کو ایک وحدت رسالہ کے طور پر برتنے کی طرح ڈالی جائے گی اور اس طرح جعلوا القرآن عضين کی موجودہ صورت حال کا خاتمہ ہو سکے گا۔

(کتاب العروج از راشد شاز سے ایک اقتباس)

فہرست

ملحقات

پیش لفظ
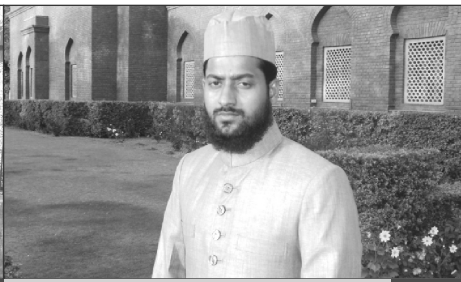
گذشتہ چار سالوں سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بیدار مغز اور خدا ترس علماء کی ایک ایسی نسل تیار کر رہی ہے جو انگریزی زبان پر قدرت کاملہ کے ساتھ ہی عہدِ جدید کے مسائل سے پوری طرح آگاہ ہوں۔ برج کورس میں اپنے قیام کے دوران طلباء کو انگریزی زبان، انفارمیشن ٹیکنالوجی، مختلف سماجی وعمرانی علوم کی تعلیم کے ساتھ ہی نقد و نظر کے طریقے اور غور و فکر کے نئے انداز سکھائے جاتے ہیں۔ برج کورس کی تکمیل پر کامیاب طلباء کو سینئر سیکنڈری اسکول (مدرسہ اسٹریم) کی سرٹیفیکٹ دی جاتی ہے تاکہ وہ ملک کی کسی بھی یونیورسٹی میں داخلہ لے سکیں۔ طلبائے مدارس اسلامیہ کے لیے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا یہ برج کورس ایک انقلابی قدم ہے۔ اس کورس میں طلبہ کو جہاں علوم جدیدہ سے آشنا ہوتے ہیں وہیں ان کو مادی مقاصد سے اوپر اٹھ کر زندگی کے اوراعلی اہداف کی رہنمائی بھی کی جاتی ہے۔ ان کو وحدت ملی کا درس دیا جاتا ہے اور اس بات کے لیے تیار کیا جاتا ہے کہ فی زمانہ امت مسلمہ میں پائے جانے والے مختلف جاہلی تعصّبات اور فرقہ وارانہ تحزبات سے ان کا مقام کہیں زیادہ بلند ہے۔ کچھ اس طرح کا ماحول اور ذہنی غذا ان کو فراہم کی جاتی ہے کہ ان کے قلوب واذہان میں خود بخود یہ فکر راسخ ہو جاتی ہے کہ آگے چل کر ان کو اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی کا نقیب بننا ہے اور امت مسلمہ کو پھر سے امت واحدہ بنانے کے لیے کوشاں ہونا ہے۔

اس وقت برج کورس کا چوتھا بیچ اپنے کورس کے اختتام کو پہنچا چاہتا ہے۔ برج کورس کے طلبہ وطالبات نے اس کورس سے کیا استفادہ کیا، ان کی زندگیوں میں کیا تغیر آیا، فکر وخیالات میں کیا انقلابی تبدیلی رونما ہوئی اور جو فکر ان کے اندر پیدا کرنا مقصود تھا اس کو انہوں نے کس حد تک جذب کیا اس بات کا جائزہ لینے کے لیے وقتاً فوقتاً طلبہ سے ان کے تاثرات لکھوانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں ''برج کورس میں میرا علمی سفر'' کے عنوان سے طلبہ کا ایک تحریری انعامی مقابلہ 2016 میں منعقد کیا گیا تھا جس میں تقریبا 50 طلبا وطالبات نے حصہ لیا جن میں سے بیس مضامین آخری مرحلہ میں مقابلہ کے لیے منتخب ہوئے۔ ان شرکاء میں برج کورس کے پہلے بیچ سے لیکر تیسرے بیچ تک کے طلبہ شامل تھے۔ ان میں اول، دوم، سوم پوزیشن لانے والوں کے علاوہ دوسرے شرکاء کو تشجیعی انعامات سے نوازا گیا۔ طلبہ کے ان تاثراتی مضامین میں انہوں نے برج کورس تک پہنچنے کے مرحلۂ زندگی اور پھر یہاں اپنے قیام کے دوران کے تعلیمی تجربہ پر روشنی ڈالی ہے اور اس روداد کو بڑے

ولولہ اور انہماک سے بیان کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی داستان الگ ہے مگر سب میں ایک چیز مشترک ہے: امت مسلمہ کے تابناک ماضی کی یاد، فکر و تعلیم میں اس کے موجودہ ناگفتہ بہ تنزل اور اس کے اسباب کا شعور اور ایک روشن مستقبل کی تڑپ اور چاہت۔

مختلف اصحاب فکر کے مشورہ کے مطابق برج کورس اب طلبہ کے مضامین کے اس مجموعہ کو شائع کر رہا ہے تا کہ ملت اسلامیہ ہند کے سامنے خود اِن طلبہ کی زبانی برج کورس کی افادیت، اس کی یافت اور اس کے امکانات کی ایک جھلک حقیقی پس منظر کے ساتھ آجائے اور برج کورس کے بارے میں جو معاندانہ پروپیگنڈا کیا گیا ہے جس کے باعث کچھ حلقے اس کے بارے میں تشویشِ بے جا کا شکار ہو گئے ہیں۔ مدارس اور علما کے حلقوں میں جو بے جا ذہنی تحفظات پائے جاتے ہیں ان کا ازالہ ہو سکے اور ان کی غلط فہمیاں اور خدشات دور ہو جائیں۔ طلبہ کی ان تحریروں میں جو بے ساختی اور برجستگی ہے وہ پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اس لیے ایڈیٹنگ میں بھی اصل متن کو علی حالہ برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور محض لسانی اغلاط کی تصحیح پر اکتفا کیا گیا ہے۔ زبان و بیان اور اسلوبِ تعبیر میں جہاں بھی ضرورت محسوس ہوئی خفیف سا تغیر ہی کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ طلبہ کے خیالات حتی الامکان ان کی اپنی زبان میں قاری تک پہنچیں۔

برج کورس کے موجودہ (چوتھے بیچ) کے بعض طلبہ نے بھی اسی موضوع پر مختصر تاثراتی مضامین لکھے۔ ادارہ نے مناسب جانا کہ ضروری لسانی اصلاح کے بعد ان کے تاثرات کو بھی اس مجموعہ مضامین میں جگہ دی جائے۔ یوں اب اس مجموعہ میں برج کورس کی ابتدا سے اب تک کے تمام بیچوں کی شرکت ہو گئی ہے۔ قاری ان تاثرات کو پڑھ کر بآسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ برج کورس کیا کام کر رہا ہے اور مستقبل میں اس کے فارغین کس طرح امت مسلمہ کا قیمتی اثاثہ بنیں گے اس کتاب کی تیاری میں ڈاکٹر محمد احمد، فوزان احمد، محمد احمد خان اور رئیس احمد صاحبان کا مکمل تعاون رہا ان تمام حضرات کا بہت بہت شکریہ۔

ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی
مرکز برائے فروغ تعلیم و ثقافت مسلمانان ہند
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY, ALIGARH
Heritage Building for
The Bridge Course
(For Graduates of Deeni Madaris)
is a living tribute to Sir Syed Ahmed Khan
opened by
H.E. Dr. Abdulaziz Othman Al-Twaijri
Director General of the Islamic Educational, Scientific, and Cultural Organization (ISESCO)
On 17th October 2014
in presence of
Lt Gen (Retd) Zameer Uddin Shah
Vice Chancellor
Aligarh Muslim University Aligarh

محمد تمیم

زندگی صرف ایک بار ملتی ہے۔ اب یہ آدمی کی ذات پر منحصر ہے کہ وہ اپنی زندگی کو کامیاب بناتا ہے یا ناکام۔ وہ اس پہلے اور آخری موقع کو استعمال کرتا ہے یا پھر اسے کھو دیتا ہے۔ زندگی کو با مقصد بنانے کے لیے تعلیم سب سے اہم کردار ادا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جس چیز پر زور دیا وہ تھا علم یعنی اقرأ۔ علم ہی وہ گوہر نایاب ہے جو آدمی کے سوچ و فکر، تہذیب و تمدن، گفتار و کردار ہر ایک پر گہرے اور انمٹ نقوش چھوڑ جاتا ہے۔ نیز علم پر نہ تو کسی کی اجارہ داری ہوتی ہے اور نہ ہی علم کسی سے چھپایا جا سکتا ہے اور یہ دنیا میں پیدا ہونے والے ہر بچے کا بنیادی حق ہوتا ہے۔ ذیل میں میری زندگی، با مقصد زندگی اور تعلیمی زندگی کے اب تک کے سفر کی روداد پیش خدمت ہے۔

حفظ خانے تک

میری پیدائش دربھنگہ بہار کے ''دوگھرا'' نامی بستی میں آج سے تقریباً ۱۸ر سال پہلے ہوئی، جس خاندان میں میری پیدائش ہوئی وہ تمام علم دوست تو تھا مگر معاشی حالت اس قدر بہتر نہ تھی کہ میں کسی اچھے اسکول کا رخ کر پاتا۔ تاہم آج جب میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو یوں محسوس کرتا ہوں کہ وہی غربت میرے لیے سوغات ثابت ہوئی ہے۔ ہر والدین کی طرح میرے ماں باپ کا بھی شوق اور جذبہ یہی تھا کہ ہمارا بیٹا پڑھ، لکھ کر اسلام اور

مسلمانوں کی کھوئی شان وشوکت کی بازیافت کے لیے، ایک مرد مجاہد بن کر بامقصد زندگی گزارے۔

میرے گاؤں کی مسجد میں تراویح پڑھانے والے حافظ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس حافظ کے والدین کو بھی غیر معمولی فخر کا حق ہوتا۔ چنانچہ میرے والدین نے بھی دنیاوی فخر اور آخرت میں سورج سے زیادہ چمکتا، دمکتا تاج حاصل کرنے کے شوق میں (جو اکثر ختم تراویح پر بیان کیا جاتا تھا) مجھے حافظ بنانے کے لیے ایک قاری صاحب کے ساتھ لگادیا۔ اب یہاں سے میں نے باضابطہ مکتب سے نکل کر، زندگی کو ایک نہج پر گزارنا شروع کیا اور الحمداللہ ۳ رسال میں اپنے والدین کے خواب کی تکمیل کی۔

عالم بننے کا خواب

اس کے بعد بلا کسی تامل کے اہلِ خانہ نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اب یہ حافظ بن چکا ہے اور اب اگر یہ دینی تعلیم میں نہ رہا تو مبادا قرآن بھول نہ جائے اور انھوں نے مجھے عالم بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں اس وقت بہت کم سن تھا۔ اسی لیے میں بھی فرماں بردار اور اطاعت شعار بیٹے کی طرح، ماں باپ کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے ایک لمبے سفر پر نکل پڑا۔

عالمیت کا سفر

۹ رسال پر محیط اس لمبے سفر کی ابتداء بہت کم سنی سے ہوئی۔ چنانچہ امارتِ شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کی زیرنگرانی چلنے والے مدرسہ ''دارالعلوم الاسلامیہ پھلواری شریف پٹنہ'' میں اعدادیہ اور عربی اوّل تک تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی دنوں سے ہی علماء، صلحاء، اتقیاء اور صوفیاء کے واقعات سن کر ایک ماہرفن وتقوی شعار عالم بننے کے لیے جدوجہد شروع کردی۔ محنت، لگن، جدوجہد، شوقِ مطالعہ ان تمام چیزوں کی وجہ سے پورے مدرسے میں ''ٹاپ

''کرتا رہا، اسی دوران دارالعلوم دیوبند کی عظمت وشہرت سن کر، اسی وقت سے وہاں کی زیارت اور پڑھنے کی تمنا دل میں پنپنے لگی اور بالآخر وہ دن آگیا کہ میں ایشیاء کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ امتحان دینے کے لیے عید کے دوسرے دن نکل پڑا مگر یہاں مقابلہ اس قدر سخت تھا کہ میں دومرتبہ امتحانِ داخلہ میں ناکام رہا۔ کیونکہ یہاں سب امیدوار طلبہ اپنے مدارس کے ٹاپر ہی ہوا کرتے تھے اور صرف ۱۵؍نشستوں کے لیے ۶۰؍امیدوار استحقاق کا دعویٰ کررہے تھے۔

خیر مدرسوں کے شہر دیوبند میں کس مدرسہ میں داخلہ لوں یہ ایک نیا معمہ سامنے آیا بالآخر دارالعلوم دیوبند سے متصل ایک ادارہ ''جامعۃ الشیخ حسین احمد المدنی'' کی شہرت سن کر وہاں امتحانِ داخلہ دیا۔ اور پھر دوسال تک وہیں تعلیم حاصل کی اسی دوران دارالعلوم میں دومرتبہ امتحان داخلہ میں ناکام رہا۔ پھر بھی ہمت نہیں ہاری اور تیسری مرتبہ ۱۵؍رمضان کے بعد عید کو قربان کر کے دارالعلوم دیوبند کی چوکھٹ پر آپہنچا اور بالآخر عربی چہارم میں داخلہ لے ہی لیا۔

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کی آغوش میں

دارالعلوم دیوبند میں چہارم عربی سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک پانچ سال کی طویل مدت تک تعلیم حاصل کرتا رہا جس میں کئی انقلابات وتغیرات اور ہنگامہ خیزی بھی دیکھی مثلاً ''جمعیتِ علماء ہند کی تقسیم''، ''دارالعلوم میں مولانا وستانوی صاحب کا مسئلۂ اہتمام'' یہ سب چیزیں دیکھتا اور خاموش طریقے سے یہ سب میرے ذہن کے لاشعور میں سوالیہ نشان بن کر محفوظ ہوتا جاتا۔ تاہم تعلیمی صورتِ حال بڑی اچھی رہی اور اس عظیم درسگاہ میں مختلف قسم کے ماہر اساتذہ سے پڑھنے کا تجربہ بڑا ہی خوشگوار رہا اور اب یاد کرتا

ہوں تو وہ پانچ سال کا زمانہ، ایک پل کا لمحہ معلوم ہوتا اور ذہن کی اسکرین پر وہ سارے واقعات خواب بن کر ظاہر ہونے لگتے ہیں کہ ابھی تعلیمی سال کا آغاز ہوا، ادھر کوئی استاد فقہ اور اصولِ فقہ کی گتھیوں کو سلجھانے میں لگا ہوا ہے تو کوئی علم حدیث کا شناور تطبیق وتوجیہ بیان کر رہا ہے، تو کوئی استاذ تفسیر کے اوپر محققانہ کلام کر رہا ہے، تو کوئی یونانی فلسفہ اور متکلمین اسلام کا نظریہ بیان کر رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ششماہی امتحان کی تیاری شروع ہوگئی، ابھی طلبہ اتنے پُر جوش نہیں تھے کیونکہ ششماہی کے رزلٹ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ ابھی ششماہی امتحان ختم ہوا اور سانس بھی نہیں لی کہ سالانہ امتحان کا بگل بج گیا اب سب اساتذہ نصاب پورا کرنے کے چکر میں رات دن لگ گئے۔ طلبہ پر بھی ایک خاص رنگ نظر آ رہا ہے ہر کوئی امتحانِ سالانہ کی تیاری کو لے کر فکر مند ہے۔ کوئی مسجد کے ایک کونے میں، تو کوئی مسجد کے صحن میں، تو کسی نے کمرے کو ہی اپنی مسجد، مکتب اور درسگاہ بنالیا ہے، ہر ایک پر اچھا نمبر لانے کی دُھن سوار ہے۔

کوئی ھیولی، صورتِ جسمیہ، اور جزء لایتجزی کے الجھے ہوئے مسائل کو سلجھانے کی کوشش کر رہا ہے تو کوئی طالب علم اختلاف ائمہ کو مٹانے کے لیے تطبیق اور وجوہِ ترجیح قائم کر رہا ہے۔ تو کوئی طالب علم فقہ اور اصول فقہ کے بحث ومباحثہ اور مذاکرہ میں اپنی ذہانت وفطانت اور ساری توانائی صرف کر رہا ہے۔ تو کوئی طالب علم تفسیر کے اوپر سلف وخلف سب کے اقول کو بیان کرنے اور پھر اپنے خیالات کا اظہار کر کے سمجھنے سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ تھی دارالعلوم دیوبند میں بیتے ہوئے ماہ سال اور مادرِ علمی کے خوبصورت اور خوشگوار لمحوں کی ہلکی سی جھلک۔

دورۂ حدیث شریف کا سال اور مستقبل کے سفر کی فکر

جب میں فضیلت کی آخری منزل پر تھا تو اس وقت تمام لڑکوں کی طرح مجھے بھی فکر لاحق ہوئی کہ اب آگے کا سفر کسی رخ پر کرنا ہے، کیونکہ یہ میری زندگی کا ایک Turning point تھا اور اب میں اپنے لیے ہر صحیح اور غلط فیصلہ لینے کا اہل تھا۔ یہ جاننے کا تجسس اور شوق دارالعلوم دیوبند جیسے بڑے ادارے میں قدم رکھتے ہی

ہو گیا تھا کہ آخر عصری علوم کیا ہیں جن کے بغیر ہم اپنے آپ کو زمانے سے ہم آہنگ نہیں سمجھتے اور ایک الگ دنیا کی مخلوق تصور کرتے ہیں۔ ششماہی امتحان کے بعد اسی شش و پنج میں تھا کہ ''مستقبل کے سفر کا ستارہ برج کورس کی شکل میں ظاہر ہوا جو ایک نئے انداز، نئے خیال، نئے خوابوں کے ساتھ نئے رخ پر چلنے کا اشارہ دے رہا تھا''۔

برج کورس کے بارے میں میری معلومات اخباروں کی حد تک ہی تھی۔ تاہم میں نے بلا کسی تردد کے اس نعمتِ غیر مترقبہ سے فائدہ اٹھانے کے لیے فارم بھر دیا مگر اب تک امتحانات کے بارے میں زیادہ معلومات نہ تھی مگر میں بھی تو دار العلوم دیوبند کا فاضل تھا چنانچہ بلا کسی پیشگی تیاری کے امتحانِ داخلہ میں بیٹھا اور دار العلوم کی طرح یہاں بھی اس بات کا خاص خیال رکھا کہ کوئی سوال ایسا نہ رہے جسے میں ٹچ نہ کروں۔ خواہ اس حوالے سے معلومات صحیح ہوں یا غلط۔ چنانچہ تحریری امتحان کے رزلٹ میں نام آنے کے بعد انٹرویو کے لیے تحریری امتحان کے تناظر میں کچھ سوالی خاکہ اپنے ذہن میں بیٹھا کر اور اس کا اچھا سا جواب بنا کر انٹرویو دیا اور نتیجتاً کچھ ہی دنوں کے بعد فائنل لسٹ میں میرا نام آ گیا اور پھر Admission Process سے گزرنے کے بعد باضابطہ دنیا کی عظیم دینی درسگاہ سے دنیا کی عظیم یونیورسٹی میں میری تعلیمی زندگی نئے فکری و نظری انقلاب کے ساتھ شروع ہوئی۔

برج کورس کے ابتدائی ایام

برج کورس میں جب تعلیمی سال کا آغاز ہوا تو کلاس میں پہلے ہی دن تعارف کے بعد پتہ چلا کہ یہاں ہر مکتب فکر کے طلبہ ہیں چنانچہ شروع میں اپنی دس سالہ تعلیم کی وجہ سے یہ ارادہ کر لیا کہ کسی سے لڑائی، جھگڑا اور بحث و مباحثہ نہیں کرنا ہے، اسی لیے میں کلاس میں سب سے پچھلی صف میں بیٹھا رہتا اور جب تک کوئی استاد براہِ راست مجھ سے مخاطب نہ ہوتے، اپنی زبان کو کبھی جنبش نہ

دیتا جب کہ دیگر طلبہ سوال و جواب میں حصہ لیا کرتے تھے۔ کیونکہ میں جس تعلیمی نظام سے نکل کر آیا تھا، وہاں اسے گستاخی سمجھا جاتا تھا، جس کی وجہ سے اوّل سوچنے سمجھنے اور کسی سوال کے ذہن میں آنے کا دروازہ بند ہو چکا تھا اور اگر کوئی سوال ذہن کے کسی خانے میں ابھرتا بھی تو وہیں دب کر رہ جاتا، سوال پوچھنے کا خیال تک نہ آتا تھا چنانچہ یہی طلسم کئی ہفتوں تک قائم رہا۔

اسمارٹ کلاس روم اور جدید سہولیات سے آراستہ لائبریری

برج کورس میں آنے کے بعد برج کورس کی عمارت اور تعلیمی نظام الاوقات کی بابت پتہ ہی نہیں چلا کہ کسی نئی جگہ پڑھنے آیا ہوں کیوں برج کورس کی پرشکوہ عمارت اور پورا سرسید اور آفتاب ہال دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث اور دارجدید کی طرح عظمتِ رفتہ کی یادیں تازہ کر رہے تھے تو دوسری طرف برج کورس میں بھی مدرسے کی طرح صبح ۸ر بجے سے شام ۵ر بجے تک مسلسل کلاسیں چلتی رہتی ہیں ۔مگر یہاں کی کلاسیں اور ہوسٹل جدید سہولیات سے آراستہ ملے مثلاً کلاس میں پروجیکٹر، عمدہ قسم کی کرسیاں، صاف وشفاف بورڈ اور اسپیشل لیکچر کے لیے مائک، ڈائز اور خوبصورت وآرام دہ لائٹ سب مہیا ملے اور ہوسٹل بھی سرد وگرم دونوں موسم کے لحاظ سے بالکل ہم آہنگ مثلاً نئے بیڈ، نئی الماریاں گیزر، واٹر کولر کے ساتھ ساتھ Wi-Fi کی سہولیات بھی میسر تھیں۔

برج کورس میں لائبریری کا نظم بڑا پرتکلف ملا۔ جہاں ایک طرف گرمیوں سے بچنے کے لیے .A.C کا نظم ہے تو دوسری طرف ٹھنڈ سے لڑنے کے لیے ہیٹر کا نظم کیا گیا ہے جہاں طلبہ بالکل پرسکون فضاء میں مطالعے میں مشغول رہتے ہیں اور کسی قسم کا کوئی خلل نہیں پڑتا، برج کورس میں تعلیم پر اس قدر توجہ دی جاتی ہے کہ اگر کسی نے پڑھنے کی ٹھان لی تو اس کے قدموں میں ساری

سہولیات مہیا کردی جاتی ہے، مجھے تو اس پر کشش انتظام وانصرام کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر کسی پڑھنے اور محنت کرنے سے جی چرانے والے طالب علم کو بھی برج کورس میں لاکر داخلہ کروایا جائے تو پھر سے وہ پڑھنا شروع کردیگا۔ کاش! کہ یہ ماحول پہلے ملا ہوتا تو ہمارے ذہن ودماغ کی جولان گاہ کسی قدر مطالعے کے ذریعے وسیع ہوگئی ہوتی۔

انگریزی زبان وادب پر حیرت انگیز گرفت

یہاں آنے سے پہلے میں انگریزی زبان وادب کے ابتدائی قواعد سے ہلکی پھلکی شد بد رکھتا تھا جس سے برج کورس کے امتحانِ داخلہ میں کافی مدد ملی۔ مگر اب جب کہ برج کورس میں میں نے تقریباً ۵/ ماہ گزارلیا ہے انگریزی زبان وادب پر اس قدر قدرت ہوگئی ہے کہ میں جس کی توقع انگریزی زبان وادب پر دوسال صرف کرنے کے بعد بھی نہیں کرسکتا۔ اب میں بلا جھجک انگریزی میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کرسکتا ہوں اور زندگی کے ہر پہلو پر برجستہ انگلش میں بہت کچھ بولنے کی لیاقت ہوگئی ہے۔ خاص طور پر تلفظ (Pronunciation) انگریزی زبان میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے جس میں مدارس کے طلبہ کو اکثر یہ پریشانی ہوتی ہے کہ لکھا کچھ رہتا ہے اور پڑھا اور بولا کچھ جاتا ہے۔ یہ اس زبان کی اپنی خصوصیت ہے جس پر گرفت کافی مشکل ہوتی ہے نیز Native Speakers کو سن کر سمجھنا بھی ایک الگ معمہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر برج کورس میں اس چیز پر کنٹرول پانے کے لیے اس قدر مشق کروائی گئی اور ساتھ ہی ساتھ English Speakers کو اتنی بار سنایا گیا کہ اب ہماری یہ فطرتِ ثانیہ بن گئی ہے کہ ہر لفظ کے تلفظ کو بالکل انگریز کی طرح نکالنے کی کوشش کرتے ہیں نیز انگلش ویڈیو Clips سن سن کر ہمارے ذہن Native Speakers کے لب ولہجے اور Accent سے اس قدر آشنا ہوگئے کہ اب ہمیں Foreigner سے بات کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اس میں ہمارے انگلش کے ٹیچر کا بہت بڑا کردار ہے جو خاص طور پر مفید انگلش ویڈیو چن چن کر لاتے او پھر پروجیکٹر پر سنوا کر پریکٹس کرواتے ہیں تاکہ ہمارے حواس

بالکل مانوس ہوجائیں۔اس میں بہت بڑا حصہ ہمارے حفظ کے استاذِ محترم کا بھی ہے کہ انھوں نے بچپنے میں نورانی قاعدہ میں اس قدر تلفظ پر مشق کروائی کہ ہماری زبانیں بالکل ٹوٹ گئیں اب ہم اس قابل ہیں کہ برج کورس میں Phonetic Sounds کو اتنی آسانی اور جلدی سے سیکھ لیں کیونکہ تلفظ کی غلطی اس قدر تلخ ہوتی ہے کہ زبان وادب کی چاشنی ہی ختم ہوکررہ جاتی ہے اور بات گو کہ بہت قیمتی اور عمدہ ہومگر سامعین پر اچھا اثر نہیں پڑتا۔

مدرسے کے طالب علم ہونے کے لحاظ سے ہمارے پاس وقت بہت کم ہوتا ہے جب کہ کام بہت زیادہ، اس لیے ہمہ جہت تعلیمی ترقی کے لیے نہ صرف محنت درکار ہوتی ہے بلکہ قابل اساتذہ اور عمدہ نصاب تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ برج کورس انتظامیہ نے مدرسے کے طلبہ کے ذہنی ارتقاء کے لحاظ سے نہایت موزوں، مناسب اور ہمارے All Round Development کا خاص لحاظ رکھتے ہوئے پرکشش نصابِ تعلیم تیار کیا ہے میرے خیال سے اگر اہلِ مدارس اپنے مدارس میں اس کا تجربہ کریں تو یقیناً وہاں بھی اس کے حیرت انگیز نتائج برآمد ہوں گے کیوں کہ اب ہماری گرفت، انگریزی زبان وادب پر صرف بولنے کی حد تک نہیں ہے بلکہ ہم اب Reading اور Writing میں بھی نمایاں ترقی محسوس کرتے ہیں ۔خاص طور پر Writing Skill اتنی اچھی ہے کہ اب ہم کسی بھی جدید عنوان پر برجستہ لکھ لیتے ہیں اور اس میں Grammar اور Word Temperature کی غلطی خال خال ہی نظر آتی ہے،البتہ اکثر Spelling میں غلطی ہوجاتی ہے جس پر وقت گزرنے کے ساتھ کنٹرول ہوتا جارہا ہے اور Writing Activity کے لیے برج کورس میں جو سلسلہ چل رہا ہے وہ نہایت اچھوتا اور نرالا ہے کیوں کہ ایک طرف ہم روزانہ کتابوں کے ذریعہ ہوم ورک کرتے ہیں تو دوسری طرف روزانہ Assignment کی شکل میں ایک صفحہ پر کسی نئے ابھرتے ہوئے عنوان پر تقریباً 100 Words میں لکھ کرلے جاتے ہیں۔ابتداء میں یہ عمل کافی گراں گزرتا تھا جب ہمارے پاس الفاظ کم ہوتے تھے اور جملے کی صحیح ساخت میں بھی بڑی دقت ہوتی تھی۔مگر اب یہ عمل اس قدر دلچسپ ہوگیا ہے کہ اب ہمارا امتحان بھی اسی انداز میں لیا

جاتا ہے، اس طرح برجستہ Writing اور Creative Writing کی ایک نئی طرح ہمارے اندر پیدا ہوگئی ہے جو کہیں نہ کہیں مستقبل میں یونیورسٹی کے دیگر طلبہ پر ہماری سبقت کا باعث ضرور بنے گی۔

مزید یہ کہ Reading, Listening and Understanding میں بھی ہم اپنے اندر ایک غیر معمولی اچھال محسوس کرتے ہیں۔ پہلے کسی انگریزی عبارت کو دیکھ کر بڑی دقت محسوس ہوتی تھی مگر اب ہم Newspaper بآسانی پڑھ لیتے ہیں اور بڑی سرعت سے سمجھ بھی لیتے ہیں اور اب کسی کی انگریزی سننے میں ایک قسم کا لطف آتا ہے اور اس ترقی میں برج کورس کے Expert Teachers کا بڑا کردار ہے کیونکہ یہ اساتذہ یونیورسٹی کے دیگر اساتذہ کی طرح صرف پڑھاتے ہی نہیں بلکہ ہماری ہر طرح کی Activities میں ایک دوست کی طرح ہمارا ساتھ دیتے ہیں اگر ہم میں سے کوئی کلاس میں نہیں آتا تو اس کی باز پرس ہوتی ہے۔ اگر بیمار ہو تو تیمارداری کرتے ہیں ورنہ ایک دوست کی طرح کلاس میں آنے کی نصیحت کرتے ہیں اور پھر یہ اساتذہ انگریزی زبان وادب کے Expert ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری نفسیات کے مطابق ہمیں تعلیمی غذا فراہم کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ سلسلۂ تعلیم وتعلم صرف کلاس تک محدود نہیں رہتا بلکہ عام گفتگو اور کھیلوں کے دوران بھی بہت کچھ سکھاتے ہیں۔

برج کورس میں اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ مستقبل میں ہم کہیں اپنے ہم عصروں سے کسی بھی Subject میں پیچھے نہ رہ جائیں۔ اس بات پر کافی زور دیا گیا ہے کہ ہم ہر طرح کے Subject کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

ہم مدارس کے طلبہ ہیں اس لیے ہمارے اندر بہت سی قابلیت اور Potential چھپا ہوا ہے اور بس ہمیں ایک مضبوط سہارا اور Guidelines کی ضرورت ہوتی ہے جس پر ہم چلنے کے قابل بن سکیں اور کہیں راستہ نہ بھٹکیں۔ مگر اس کے بعد اس سفر کے لیے کتنی رفتار سے چلتے ہیں یہ تو ہماری محنت اور جذبہ پر موقوف ہے جس کے حوالے سے ہم پہلے ہی سے Well-trained ہوتے ہیں مگر یہاں برج کورس میں آنے کے بعد اس خوابیدہ صلاحیت کو بروقت صحیح رخ دیا جاتا ہے اور اس پر اس طرح صیقل کیا جاتا ہے کہ ذہن ودماغ کے سب گوشے، گوشے سب روشن ہوجاتے

ہیں۔ میں مدرسہ سے نکلنے کے بعد صرف انگریزی زبان وادب کو ہی Modern Education کا ماحصل سمجھتا تھا چونکہ میرے خام خیال میں تھا کہ تمام کتابیں انگریزی میں ہوتی ہیں اس لیے صرف انگریزی پڑھنا ہی تمام Subjects کے لیے کافی ہے مگر یہاں سائنس کے دوسرے شعبہ جات کا تعارف ہوا تب سمجھ میں آیا کہ علم وفنون کی یہ دنیا کس قدر وسیع ہے۔ چنانچہ برج کورس میں Maths, Reasoning , Computer, Geography, Sociology, Political Science, Economics, History, Science اور اس طرح کے دیگر Subjects کے لیے یونیورسٹی کے ماہر پروفیسروں کی خدمات لی جاتی ہے اور ان سب علوم کو پڑھنے کے بعد اپنے آپ کو ایک الگ دنیا کا باشندہ پاتا ہوں اور سوچ وفکر کی جولان گاہ اس قدر وسیع سے وسیع تر ہوجاتی ہے جسے صرف ایک طالب علم ہی محسوس کرسکتا ہے۔

برج کورس ایک مثالی تربیت گاہ

برج کورس صرف ایک علمی درسگاہ ہی نہیں بلکہ مثالی تربیت گاہ بھی ہے۔ برج کورس ابتدائی دنوں سے ہی اپنے طلبہ کی اس طرح تربیت کرتا ہے جس سے ان کی ذہنی سطح اور فکر وعمل کا دائرہ وسیع تر اور پرواز بلند ہوتی جائے۔ برج کورس میں ہمیں ایک صحت منداور خوشگوار ماحول ملا۔ برج کورس انتظامیہ اپنے طلبہ کی تعلیم وتربیت اور مستقبل کو لے کر کافی متفکر اور متحرک وفعال نظر آتی ہے۔ہم سب چونکہ طلبۂ مدارس ہیں اسی لیے تعلیمی نظام الاوقات کو نماز کے نظام الاوقات سے بالکل ہم آہنگ رکھا جاتا ہے نیز ڈائریکٹر صاحب اور ٹیچرس کے علاوہ پوری انتظامیہ طلبہ کی اخلاقی حالت، کھیل کود حتیٰ کہ صحت وتندرستی اور غذا پر بھی نگاہ رکھتے ہیں جو کہ ایک یونیورسٹی کے ماحول میں ایک انوکھی چیز معلوم ہوتی

ہے۔اور اساتذہ کرام دوستانہ انداز، عمدہ اخلاق کے ذریعے ہماری تربیت کرتے ہیں نیز دینی حالات کو سنوارنے اور برقرار رکھنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں نیز اسی تربیت کی خاطر بسا اوقات مہمانوں کی آمد ہوتی ہے جو خصوصاً عالم اسلام اور مسلمانوں کے مسائل سمجھاتے اور پھر ہماری حوصلہ افزائی فرماتے ہیں اور ہمیں قیمتی نصائح سے نوازتے ہیں جس سے ہمارے دین و دنیا دونوں سنور جائیں اور ہمارے دلوں میں ایک نیا جذبہ اور شوق پیدا کردیتے ہیں۔

برج کورس میں فکر و نظر کے ارتقاء کا طریقہ

یوں تو پہلے بھی میرے ذہن میں سوالات اٹھتے تھے مگر وہ لاشعور کے خانے میں جا کر گم ہو جاتے تھے کیوں کہ ان کے اظہار کا موقع ہی نہیں ملتا تھا اور دھیرے دھیرے ذہن نے اپنے فکری عمل کو سست کر دیا تھا۔مگر یہاں برج کورس میں ایک مردِ دانا سے ملاقات ہوئی جس نے پہلے ہی دن سے سوچنے، سوال کرنے، تنقیدی نگاہ سے دیکھنے، تنقیدی تجزیہ کرنے، نیا طرزِ فکر اور نظری انقلاب بپا کرنے کی طرح ڈالنا شروع کی۔اس بندۂ دوربیں کا ماننا تھا کہ ٹوپی کے اندر جو دماغ ہے پہلے بھی ایسے کارنامے انجام دے چکا ہے جس پر موجودہ سائنس اور ٹکنالوجی کی عمارت کھڑی ہے۔اور جو اس بات کا قائل تھا کہ اسکارف، اور حجاب کے اندر چھپے ہوئے دماغ کو اگر استعمال میں لایا جائے تو یہ بھی حضرتِ ام سلمیٰؓ اور حضرت عائشہؓ کی طرح موجودہ سماج کے نظریے کا رخ بدل سکتا ہے۔اس دوررس انسان نے ہر لمحہ ہر پل مختلف طریقے اور انداز اپنا کر تنقیدی مزاج، فکری انقلاب، اظہار رائے وخیال کی آزادی، سوال پیدا کرنے اور جرح کرنے کا حق اور ایک نئے طرزِ فکر کی بنیاد ہر ایک ذہن میں ڈالنے کی کوشش کی۔

یہ مرد دانا کبھی مسلمانوں کے انتشار واختلاف کے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے سات طلبہ کا گروہ بنا کر اس متنازع مسئلے پر متفقہ نظریہ اور حل پیش کرنے کے لیے کہتا۔تو کبھی تاریخی حوادث کی میز پر لا کر اپنا تنقیدی نقطۂ نظر بیان کرنے کے لیے کہتا او ردیکھتے ہی دیکھتے ان سب چیزوں کی اس قدر عادت پڑی کہ ذہن ودماغ نے اپنا خوابیدہ اور پوشیدہ تنقیدی وفکری عمل کرنا شروع کر دیا۔اور ہر ایک زاویے سے ذہن ودماغ کے تمام زنگ آلود اور Unused دروازے کھلنے شروع ہو گئے۔سوالات کرنے کی مشق اور اس کی حوصلہ افزائی اس انداز میں ہوئی کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذہن ودماغ جو برسوں سے مچھلی پکڑنے والے کے جال میں پھنس کر زخمی تھا، یک لخت آزاد ہو گیا اور پھر سے اس نے اپنا فطری عمل شروع کر دیا۔تاہم جب ان پر خود تنقیدی سوالات کی بوچھار ہوتی خواہ کتنی ہی تلخ اور جھنجھلا دینے والی کیوں نہ ہو اس مردِ مومن کی پیشانی پر ذرہ برابر بھی شکن، زبان پر شکایت اور کلام میں تلخی نہیں آتی تھی۔بلکہ جب ان کے بتلائے ہوئے اصول کو فوراً انہیں کی شخصیت پر اپلائی کیا جاتا تو وہ شخص پرسکون، خوشگوار اور اعتماد کے ساتھ جواب دینے کی کوشش کرتا، اس کے بعد بھی اگر سائل مطمئن نہ ہوتا اور Disagree کرتا تب بھی کسی ناراضگی اور خفگی کا ذرہ برابر اثر ان میں نہیں دکھائی دیتا۔وہ شخص جلوت اور خلوت دونوں جگہ یکساں نظر آتا، ان کا یہ عمل صرف دکھانے کے لیے نہیں بلکہ وہ دل سے بھی اپنے خلاف اٹھنے والے تبصرے اور غیر شائستہ سوالات کو جھیل لیتا مگر پیشانی کی سلوٹوں پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی گفتگو میں کسی درشتی کا اظہار ہوتا۔کلاس کے بعد بھی یہ سلسلہ چلتا مگر وہ بندہ اسی نرم اور ٹھنڈے مزاج کے ساتھ اپنے خلاف اٹھنے والے اعتراضات کو بغور سنتا اور مطمئن کرنے کی کوشش کرتا یہی اس کا بڑا پن، سادگی اور اخلاص تھا

جس نے مجھے متاثر کیا کہ پہلے میں اتنا کسی سے متاثر نہیں تھا، اس کی خاموش محنت نے میرے طرزِ عمل اور فکر ونظر میں انقلاب برپا کردیا اور مستقبل کے لائحہ عمل اور سوچ وفکر کو ایک نئی جہت دینے پر مجبور کیا کہ ''مسلمانوں کے بندھن نے اسلام کو بھی اقوامِ عالم سے بند کر کے صرف چند حصار اور قلعوں میں بند کردیا''۔ انہیں کوششوں کے نتیجے میں، میں نے اپنے سامنے دنیا کو ایک الگ نگاہ سے دیکھنے اور ہر چیز کو اپنے علم وتحقیق کے پیمانے پر پرکھنے کا طریقہ سیکھا اور میں اپنے دماغ میں فکر وعمل کی ایک نئی راہ دریافت کر چکا ہوں۔

دوسری طرف وہ شخص طلباء سے بے انتہا محبت وشفقت رکھتا اور ساتھ ہی ساتھ طلبہ کے مستقبل اور ان کی سہولت اور تعلیمی حالات کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا۔ انہیں کی ایماء پر یونیورسٹی کے ماہر پروفیسر حضرات کو چن چن کر یہاں لایا جاتا تھا جن سے بیک وقت استفادہ کا موقع میری زندگی کا سب سے قیمتی اور انمول سرمایہ تھا جس کے سہارے اب میں اپنی پوری زندگی کو ''مسلمانوں کے تابناک ماضی کی بازیافت'' کے لیے جینے والا ہوں۔ مذکورہ بالا حقیقت پر مبنی صفات کا حامل انسان اور کوئی نہیں بلکہ CEPECAMI/Bridge Course کے ڈائریکٹر پروفیسر راشد شاز صاحب ہیں اور یہ تھی اس انسان ساز شخصیت کی پہچان۔

برج کورس مسلمانوں کی شیرازہ بندی کا متحدہ پلیٹ فارم

برج کورس ایک علمی درسگاہ، مثالی تربیت اور فکری دانش گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے درمیان ایک نئے اسلامی تہذیب وثقافت اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کا ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جہاں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے نوجوان باکمال فضلاء جمع ہوتے ہیں اور اس پلیٹ فارم پر آنے کے بعد تمام اختلافات کو مذاکرات کی میز پر رکھ کر عقلی پیمانے پر پرکھنے کا عمل سکھایا جاتا ہے تاکہ تمام مکاتب فکر کے طلبہ کی، اتحاد کی شکل میں ایک علمی اور عملی نمونہ، انتشار وافتراق کی شکار امتِ مسلمہ کے سامنے آئے۔ چنانچہ کچھ ہی دنوں میں ہم طلبہ کے درمیان ایک ایسی ہمدردی اور غمگساری کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے جس کے بارے میں کبھی ذہن ودماغ نے سوچا بھی نہ ہوگا۔ تمام طلبہ اختلافات اور ذاتی مفاد سے بالاتر ہوکر،

باہم اس طرح شیر وشکر ہو کر رہتے ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ آخر اس سے پہلے ہمارے ذہنوں نے کسی قسم کے پروپیگنڈے اور مسموم مفروضے قائم کر رکھے تھے کہ ہم ایک دوسرے سے باہم دست وگریباں تھے۔ لیکن اب ہم سب ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہیں، ایک ہی کلاس میں بیٹھتے ہیں، ایک دوسرے کے بازو میں سوتے ہیں اور ایک ساتھ بحث ومباحثہ اور مزاحیہ گفتگو بھی کرتے ہیں تاہم کسی کے خلاف نفرت وعداوت کی کوئی بات دل سے نہیں گزرتی۔ تو آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارے اکابر آپس میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار نظر آتے ہیں۔

برج کورس میں تمام مکاتبِ فکر کے طلبہ کے درمیان اتحاد کی عملی تشکیل کے بعد برج کورس کا سفر یہیں نہیں رکتا بلکہ امت کی شیرازہ بندی کرنے کے لیے اور اقوامِ عالم کو اسلام سے قریب لانے کے لیے ایک اسپیشل کلاس Inter-faith and Intra-faith کے نام سے چلتی ہے۔ جس میں مکمل اظہار رائے کی آزادی کے ساتھ ہر ایک کو اپنی بات کہنے اور اعتراض کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اور پھر مسلمانوں کے انتشار کی بنیادی وجوہات جاننے کے بعد اس کے تدارک کے لیے ایک نیا سنگِ میل دریافت کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کی ہمہ جہت پسماندگی کو ختم کرنے کے لیے، برج کورس جہاں مسلمانوں کے علمی اور مادی علوم وفنون کی بازیافت کے لیے کوشش کرتا ہے۔ وہیں اس بکھرتی اور ٹوٹتی پھوٹتی امت کی تشکیلِ نو کے لیے، کانفرنس اور باہمی مباحثے کا انعقاد کرتا رہتا ہے، جس کا اثر بآسانی دیکھا جا سکتا ہے کہ اب لوگوں نے اختلاف وانتشار کے اس ناسور پر غور وفکر کرنا شروع کر دیا ہے اور اب تمام مکاتب فکر کے اہلِ نظر اس ایمرجنسی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے جی چرا کر بھاگتے نہیں بلکہ حل تلاش کرنے کی کوشش شروع کرتے ہیں جو خود میں ایک بہت بڑی کامیابی ہے اور ساتھ ہی ساتھ تمام مکاتب فکر کے ابھرتے ہوئے نوجوان فضلاء کی ذہنی وفکری تربیت بھی ہوتی ہے، جن کے کندھے پر قیادت وسیادت کا بارگراں آنے والا ہے۔

اگر میں برج کورس میں نہ پڑھتا اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے ساتھ ساتھ انسانیت کو کرب وبے چینی سے نکال کر، اسلامی تہذیب وثقافت کے جلو میں لانے کی اس انوکھی کوشش کو نہ دیکھتا تو مجھے بڑا قلق وافسوس رہتا کیوں کہ زندگی بھر اپنی ساری توانائی کو جس نہج پر صرف کرنے کا میں نے دل میں عزم کر رکھا تھا اس نئی ابتداء نے میرے فکری ونظری منصوبے کی پوری جہت تبدیل کر دی اور اب زندگی کے سفر کا پورا رخ اور ڈائرکشن ہی یک لخت بدل گیا ہے۔

برج کورس ایک فکری دانش گاہ

برج کورس عام اداروں کی طرح صرف ایک علمی درسگاہ نہیں ہے، جہاں علم کو صرف حصولِ معاش اور مادی وسائل کے لیے پڑھایا جاتا ہو اور اخلاقیات کے باب سے کوئی واسطہ نہ ہو جیسا کہ جدید دنیا میں تعلیم گاہیں Knowledge Industry بن گئی ہیں جہاں سے انسان Economical Animal بن کر نکلتا

ہے بلکہ یہ ایک مثالی تربیت گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فکری دانش گاہ بھی ہے جہاں قوم کے نونہالوں کو قوم کی قیادت اور امتِ مسلمہ کی عظمتِ رفتہ کی بازیافت کے لیے سوچ وفکر کے نئے زاویے سے روشناس کرایا جاتا ہے اور نیا طرزِ فکر سکھایا جاتا ہے۔ جس سوچ وفکر کی وجہ سے یہاں کے تربیت یافتہ علماء کا یہ گروہ مستقبل قریب میں مسلمانوں کے Scientist Ulema کی اس تابناک تاریخ کو پھر سے دہرائے گا جہاں بیک وقت ایک شخص مادی علوم وفنون کا ماہر ہوا کرتا تھا تو دوسری طرف قرآنی وآسمانی علوم کا شناور ہوتا تھا، جس اسلامی تہذیب میں ایک شخص علم طب وجراحی کا موجد ہوتا تھا تو دوسری طرف عربی زبان وادب کا شاعر اور ادیب بھی ہوتا تھا، جس دور میں بیک وقت ایک ہی شخص حدیث وفقہ کا امام ہوتا تھا تو دوسری طرف جیوگرافی کا ماہر اور ہسٹری نویس ہوتا تھا۔ مسلمانوں کی اُس عظمتِ رفتہ کو دہرانے اور اسلامی سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی بالادستی کو پھر سے قائم کرنے کے لیے برج کورس کی ابتداء ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ برج کورس محض ایک Institution نہیں ہے بلکہ ایک تحریک Movement ہے جس کی ابتداء مسلمانوں کی عظیم دانش گاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہوچکی ہے اور اب صبحِ نو کے ظہور سے پہلے کا، تاریک ترین اندھیرا چھٹنے ہی والا ہے اور ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کی سائنسی اور علمی طاقت ابھر کر سامنے آنے ہی والی ہے۔

برج کورس میں مسلمانوں کے اکتشافی علوم کے بازیافت کی نئی پہل

طلبۂ برج کورس کے سامنے تمام سائنسی علوم , Physics Biology , Chemistry اور Social Science کے تمام Subjects خصوصاً Economic , Political Science اور Geography کو یونیورسٹی کے ماہر پروفیسران کے ذریعے لکچر کی شکل میں لایا جاتا ہے، جن علوم کا حصول ہی نہیں بلکہ ایجادات بھی ہمارا شیوہ تھا اور جب تک ان علوم میں ہم نے اپنا لوہا منوائے رکھا، دنیا ہماری زیرِ نگیں تھی۔ مگر جب سے ہم نے علوم کو دو خانوں

HIGH PROFILE
national Conference

s of the Muslim Ummah:
Traditional Solutions
015 | Kennedy Auditorium

FIRST
Intellectual
Rethinking
6-7 April

میں تقسیم کر دیا، ہماری عقلوں کو زنگ سا لگ گیا، ہم نے اسلام اور اس کی آفاقی تعلیمات کو چند قلعوں اور گھاٹوں میں سمیٹ کر رکھ دیا اور آج جب ہمیں ان علوم کی ماضی سے کہیں زیادہ ضرورت ہے تب بھی ہم دینی اور دنیوی علوم کا نعرہ لگاتے پھر رہے ہیں۔ نتیجتاً ہم میں سے جو مسلمان ان علوم وفنون کا ماہر ہے وہ بھی اپنے آپ کو ایک الگ قسم کے علوم کا حامل سمجھتا ہے اور ان کا خیال ہوتا ہے کہ یہ تعلیمات، اسلام میں نہیں ہیں بلکہ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ مادی علوم وفنون، اسلامی تعلیمات کے عین مخالف ہیں۔ ہائے افسوس اس تقسیم پر۔

پروفیسر حضرات کے لکچر اور دینی رجحانات کا قلب ونظر پر اثر اور ان سے اظہارِ عقیدت

اب برج کورس میں یہ تمام علوم جب اچھے ماہر اساتذہ کے ذریعے سامنے آتے ہیں تو میری خوشی کی انتہا نہیں رہتی، کیونکہ اس سے جہاں ایک طرف بہت کچھ کھو دینے کا قلق ہوتا ہے، وہیں دوسری طرف اس کی بازیافت کی کرنیں بھی دیکھائی دیتی ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ان پروفیسر حضرات کی بات سن کر میرا سر شرم سے نیچے جھک جاتا ہے جب وہ ڈرتے ہوئے اور اپنی برأت کا اظہار کرتے ہوئے ان علوم کا اسلامیات سے باہمی رشتہ بیان کرتے ہیں اور انتہائی کم علمی کے احساس اور اپنی غلطی کے امکان کے ساتھ کسی حدیث یا آیت کا Scientific انداز میں مطلب بیان کرتے ہیں۔ ان حضرات کے اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے اتنے اچھے اور اخلاص پر مبنی خیالات ہوتے ہیں کہ جسے میں اپنے اندر ہی نہیں بلکہ ملی رہنماؤں کے اندر بھی وہ جذبات نہیں پاتا ہوں۔

آج صرف کسی جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اس کے دل کی دنیا کے بارے میں کلی حکم لگا دینا کہ یہ تو فاسق و فاجر ہیں انہیں اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، یہ تو مغرب زدہ ہیں، یہ تو ہر چیز کو یورپ اور امریکہ کی عینک سے دیکھتے ہیں۔ یقیناً بہت بڑا ظلم اور بڑی ناانصافی ہوگی۔ لہٰذا سرِ دست ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء اور جدید طبقہ کے درمیان کی خود ساختہ دیواریں منہدم کی جائے اور اس مسموم فضاء کو باہمی رابطہ سے معطر کیا جائے۔ جس کا آغاز برج کورس کی شکل میں ہو چکا ہے۔ میں بھی ان حضرات کے بارے میں کچھ اچھے خیالات نہیں رکھتا تھا کہ بس ان کا مقصد تو دنیاوی مال و زر کا حصول اور اپنی زندگی کو ایک معیاری زندگی بنانا ہوتا ہے۔ انہیں اسلام اور مسلمانوں کے مسائل سے کیا واسطہ۔ لیکن جب میں نے ان حضرات کے لکچر میں اسلامی تعلیمات کا تذکرہ اتنے پرجوش اور پرکشش انداز میں سنا تو میرے سارے خود ساختہ، جھوٹ وفریب اور پروپیگنڈے پر مبنی مفروضے ٹوٹ کر بکھر گئے۔

بخدا! مجھے تو ان حضرات سے اس قدر عقیدت اور تعلق ہو گیا ہے کہ اب میری تمنا ہے کہ مسلمانوں کی امامت کی ذمہ داری انہیں کے سپرد کی جائے کیوں کہ ان حضرات کے اندر جو جذبۂ اخلاص پایا وہ اب عنقاء ہوتا جا رہا ہے۔ مختصراً یہ کہ جب Political Science کے پروفیسر International Politics پر لکچر دیتے ہیں اور بیچ بیچ میں اسلامی سیاست کا اس طرح تذکرہ کرتے ہیں کہ جس سے Western Political Thought کی پوری عمارت نظریاتی طور پر ڈھ جاتی ہے۔ Geography کے پروفیسر نے Population کو اسلامی

تعلیمات کے عین مطابق اس طرح ثابت کیا کہ ہم اپنے دانتوں تلے انگلی دبائے رہ گئے۔ History کے ٹیچر مسلمانوں کی تابناک تاریخ کو اتنے اچھے انداز میں بیان کرتے ہیں کہ سامع جھوم اٹھتا ہے نیز جب جہاد اور اسلامی نظام برپا کرنے کی بات ہوتی ہے تو اس قدر پرجوش نظر آتے ہیں کہ میں سوچتا ہوں کہ انہیں وقت کا سپہ سالارِ اعظم منتخب کیا جانا چاہیے۔ Economics کے پروفیسر موجودہ معیشت کو ظلم وستم، استحصال اور لوٹ مار پر مبنی نظامِ معیشت ثابت کرکے اسلام کے معاشی نظام کی افایت کو برتر ثابت کردیتے ہیں۔

Physics, Chemistry, Biology, Sociology کے اساتذہ کائنات کے اسرار ورموز کو بیان کرتے ہیں، کن کن چیزوں کا تذکرہ کروں۔ مگر ان سب ماہرینِ فن کے اندر، ایک انجانا سا خوف محسوس کیا جو بار بار اس طرف اشارہ کررہا تھا کہ گو ہم اس فن کے شہسوار ہیں مگر اسلامی تعلیمات کی تشریح وتعبیر کا حق ہمیں نہیں اور یہ تمام حضرات بھی اسلامی تعلیمات، قرآن وحدیث کے بارے میں اپنی ذہانت وفطانت کو اور دماغ کو کلی طور پر بند کرکے کسی مولانا کی بات پر عینِ وحی کا سا اعتماد رکھتے ہیں۔

اسلام، مسلمان، مسجد، مدرسہ اور علما سے اس قدر تعلق خاطر ہونے کے باوجود ''یہ دوریاں، یہ خلیج اور یہ خود ساختہ دیواریں''۔ ارے یہ تو ہمارے اپنے ہیں اگر ان بہترین دماغوں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات جو اپنے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے درد، کسک اور بے چینی محسوس کررہے ہیں اگر اب بھی ان کی ظاہری ہیئت کی وجہ سے دل وجذبات پر نظر ڈالنا بند کردیا گیا اور انہیں اب بھی گلے سے نہ لگایا گیا اور سب کے سب ایک میز پر حل تلاش کرنے کے لیے نہیں بیٹھتے تو جان لیجیے یہ بہت بڑی ستم گری ہوگی۔ کسی کی ظاہری ہیئت کو دیکھ کر فسق وفجور کے فیصلہ کرنے کا حق ہمیں کیسے ہوسکتا ہے اور کسی کی ظاہری شکل وشباہت دیکھ کر اسے پارسائیت کا سرٹیفیکٹ دینے کا جواز ہمیں کیسے مل گیا؟

ان حضرات کے دینی استحصال پر، اپنے آپ سے، علماء سے اور اہل مدارس سے شکوہ

ان باکمال اساتذہ سے پڑھنے اور ان کے خیالات سننے کے بعد اگر مدرسے کے ماہرینِ فن سے ان کا تقابل ہو تو یہ بات بخوبی واضح ہوجائے گی کہ یہ حضرات اپنے مخصوص فن میں کس قدر ماہر ہیں، جب بھی کسی موضوع پر کلام کرتے تو اس کے مالہٗ وماعلیہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ دل ودماغ جھوم اٹھتا ہے پھر اس کے بعد کوئی بھی سوال خواہ موضوع سے ہم آہنگ ہو یا نہ ہو۔ اس کا جواب اس طرح اچھوتے اور نرالے انداز میں دیتے ہیں کہ جس سے ان کی علمی دسترس اور گہرے مطالعہ کا سکہ دلوں پر جم جاتا ہے۔ جب کہ مدارس کے علوم اس سے زیادہ توجہ طلب اور اہمیت کے حامل ہیں۔ تاہم اہلِ مدارس اپنے ان علوم میں اس قدر محنت اور دلچسپی نہیں دکھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ان علوم میں اس قدر مہارت نہیں ہوتی جتنا کہ یہ حضرات عصری علوم میں رکھتے ہیں۔

یہ بہترین اور اعلیٰ قسم کے دماغ جو موجودہ دور کے تمام جدید علمی ہتھیاروں سے لیس اور اسلامی جذبات سے سرشار، اپنی صلاحیت اسلام اور مسلمانوں کی ترقی وخوشحالی کے لیے قربان کرنے کے لیے تیار کھڑے ہیں مگر یہ سب کے سب ہمارے تقدس اور دینی ودنیوی علوم کی تفریق کی وجہ سے اپنے آپ کو ایک الگ دنیا کا باشندہ سمجھتے ہیں اور اپنے انداز، لب ولہجے، تہذیب

وتمدن اور لائف اسٹائل ہر چیز میں اگر ہم سے الگ کھڑے نظر آتے ہیں تو آخر اس کا ذمہ دار کون ہے؟؟ یہ حضرات ہمیں اس قدر تقدس کا حامل سمجھتے ہیں، پر کیا ہم نے انہیں کبھی گلے لگانے اور مدرسے میں آنے کی دعوت دی؟؟؟

اب معاملہ روز بروز، بدتر ہوتا جا رہا ہے، ہم لاکھ اسلام کے غلبے کی دعا کرتے رہیں مگر اپنے عمل سے بالکل اس کا الٹا کرتے ہیں، کہیں بھی دور، دور تک کوئی ایسی تحریک نظر نہیں آتی جس سے اسلامی نظام کے برپا ہونے کی امید کی جا سکے اور طرفہ تماشا تو یہ ہے کہ اوپر سے اہلِ مدارس اسلام کے تحفظ کے نام پر، اسلام کے گرد، گھیرا اور تنگ کرتے جا رہے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کو یہ حضرات اس قدر مزہ لے کر بیان کرتے ہیں کہ سننے میں ایسا لگتا ہے کہ پہلی بار یہ بات کان سے گزر رہی ہو۔ میرا تو بار بار ایسے موقع پر دل چاہتا ہے کہ ان کے قدموں کو چوم لوں اور پیشانیوں کو بوسہ دوں۔ مگر اب مجھے علماء اور اہلِ مدارس سے شکوہ ہے کہ آخر ان حضرات کا قصور کیا ہے؟؟؟ کہ ہم نے انہیں پرے ہٹا دیا۔ اور ان کے علوم وفنون کو اپنے خود ساختہ علوم کے دائرے سے باہر نکال کرا نہیں دنیادار، روشن خیال اور نہ جانے کیا کیا القاب دے ڈالے کہ انھوں نے بھی مایوس ہو کر، اپنے آپ کو اسلامی طرزِ فکر سے ہٹ کر، ایک الگ دنیا کا باشندہ سمجھ لیا۔

اسلام کی سیاسی، تہذیبی، علمی اور معاشی بالادستی قائم کرنے کے لیے، ہمیں اپنی دینی درسگاہوں کو سائنسی اور اکتشافی طرزِ فکر کا حامل بنانا ہوگا

تقریباً ۲۰۰ رسو سال سے چھائی ہوئی مایوسی کو اب تبدیل کرنے کا وقت شروع ہو چکا ہے، برج کورس کے نصاب اور اس کے فکری ونظری منصوبے کو ہر ایک جگہ عمل میں لانے کا وقت آ چکا ہے کیونکہ جب تک ہم اپنی پرانی روش اور فرسودہ نظریات سے باہر نہیں آئیں گے دنیا ہمیشہ ہمارے لیے تاریک معلوم ہوگی لہٰذا اہلِ مدارس کو اب اپنی آنکھوں سے پٹی ہٹا کر ان جدید مادی علوم وفنون کی طرف اسی طرح التفات کرنا ہوگا جتنا کہ ماضی میں تھا۔

آپ عیسائی چرچ اور پادریوں کی تاریخ اٹھائیں گے تو آپ Dark age کا تذکرہ پائیں گے جس میں State پر چرچ کا تسلط اور اجارہ داری قائم تھی، جس کی وجہ سے عیسائی دنیا اور پورا یورپ ایک کرب و بے چینی میں مبتلا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چرچ ہر چیز کو عمل سے جوڑتا، بائبل کی غلط تشریح کرتا اور خدا کا ترجمان بن کر لوگوں کے ذہن و دماغ کو سوچنے اور سمجھنے کے عمل سے روکتا تھا، جس کی وجہ سے چرچ نے ہزاروں مادی علوم کے ماہرین کو تہہ تیغ کرڈالا۔ جب کہ وہ Scientists ان پادریوں کو Fundamentalist کہا کرتے تھے تو یہ اصطلاح خود مغربی مفکرین نے اپنے مذہبی رہنماؤں اور پیشواؤں کے لیے وضع کی تھی۔ تاہم یہ اصطلاح آج اہلِ مدارس اور اس طرح کے حامل افراد کے لیے ہے جب کہ متفقہ طور پر علماء اس بنیاد پرستی اور Fundamentalism کے نظریہ کے مخالف ہیں اور بھلا اسلام میں اس کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے۔ مگر کیا واقعی عملی طور پر اہلِ مدارس اس کا جواب دے رہے ہیں۔ تمام مکاتب فکر کے مدارس میں اسلامی علوم پر صرف چند مخصوص زاویوں سے توجہ دی جاتی ہے مگر قرآن کریم کے اکتشافی علوم سے یکسر صرف نظر کیا جاتا ہے۔ جب تک ہم قرآن کریم کے اکتشافی طرزِ فکر کے حامل رہے دنیا ہماری زیر نگیں تھی اور اگر آج حالات ہمارے مخالف ہیں تو کیوں؟؟؟ یہی مادی علوم کبھی ہمارے نصاب کا اٹوٹ حصہ تھے۔ تو کیا واقعی ایسا نہیں ہے کہ زبان سے تو چرچ والی تہذیب کی مخالفت کرتے ہیں مگر عملی طور پر کچھ اسی طرح کی فضاء قائم کر رکھی ہے جو کہیں نہ کہیں ہمیں Fundamentalism کے نظریے کا حامی ضرور بنادیتی ہے۔

علامہ شامیؒ نے فرمایا ہے کہ من جهل بأهل زمانه فهو جاهل۔ آج دنیا کس قدر تبدیل ہوچکی ہے تو کیا واقعی ہم اس سے واقف ہیں؟ نہیں بالکل نہیں۔ اسلام کے آفاقی پیغام کو عام اور

سیاسی انقلاب کو برپا کرنے کے لیے، اسلامی احکام کے نفاذ کے لیے، ہمیں آج کی موجودہ تہذیب کو سمجھنے، علوم وفنون کی نئی درسگاہوں سے واقفیت اوران کے عروج کے اسباب کو جاننا ہوگا تب جا کرہم اسے چیلنج کرسکتے ہیں۔ اسلام تو نام ہی ہے انقلاب تغیراور کرب وبے چینی اورناانصافی پرمبنی نظام کو چیلنج کرنے کا۔تو کیا اسلام کے نام لیواؤں کے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ اسلامی تہذیب کو برپا کرنے کے لیے ماضی کی طرح ان علوم کو پھر سے اپنائیں جو کبھی ہماری درسگاہوں کا اٹوٹ حصہ تھے۔مگراب ہم نے خود اس پر مغربی علوم، جدید علوم، عصری علوم، دنیوی علوم اورنہ جانے اورکیا کیا لیبل لگا کراپنی علمی وفکری دانش گاہ سے نکال دیا۔نتیجتاً دنیاپراسلامی سیاسی،فکری اورنظری تسلط سے ہم دستبردار کردئے گئے اور اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پھر سے دوبارہ اس کھوئے ہوئے علمی ورثہ کو اپنے دینی مدارس کا حصہ بنائیں جس کی ابتداء علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہوچکی ہے اور یہ برج کورس ہے۔

برج کورس کی ابتداء سے اہلِ مدارس کو ہوش کے ناخن لینے کا وقت آیا ہے

آج اگر کچھ ناعاقبت شناسوں کی طرف سے یہ الزام آرہا ہے کہ مسلمان تاریخ کے جس بدترین اور ایمرجنسی صورتِ حال سے گزررہا ہے، یہ مسلمانوں کے لیے Dark Age ہے اوراس کے ذمہ دار(نعوذ باللہ)اہلِ مدارس اورعلماء ہیں۔جب کہ حقیقت حال بالکل برعکس ہے۔ان کی طرف سے یہ الزام واتہام ہوتا ہے کہ علماء نے انگریزی اور مادی علوم وفنون کوحرام قرار دے کر، مسلمان اوراسلام دونوں کوتنزلی کے قعرِ مذلت میں پہنچا دیا اوراس تنزلی کا گراف روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔ جب کہ حقیقت حال ایسی نہیں ہے کہ کیونکہ میں بھی تو عالمی دانش گاہ کا فاضل ہوں میں نے فقہ وفتاویٰ کی تمام کتابیں اس حرمت کی جستجو میں چھان ڈالیں مگر ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے ان علوم کی حرمت یا سیکھنے، سکھانے پر شرعی پابندی ہو۔لہٰذا یہ الزام اتہام علماء اوراہلِ مدارس پر جھوٹ، بہتان اور پر پیگنڈہ ہے۔

تاہم ہمارا شکوہ یہ ہے کہ علماء اور اہلِ مدارس قول سے تو مذکورہ بالا الزمات کی تردید کرتے ہیں مگر عملاً کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاتے جس سے یہ باور کرایا جاسکے یہ علوم بھی ہماری گم گشتہ متاع ہیں آخر قیادت تو علماء کے سر جاتی ہے تو پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علماء یقیناً اس Dark age کے ذمہ دار نہیں ہے۔مگرعملی طور پر اس ناگفتہ بہ صورتِ حال سے نکلنے کی کوئی کوشش اورتحریک بھی نہیں شروع کررہے ہیں۔ معاملہ اسلام کے ماننے والوں کے لیے صرف یہ نہیں ہے کہ اپنے تحفظ اور بچاؤ کا مادی سامان مہیا کریں بلکہ یہاں معاملہ تو دنیاوی وسائل، پاور، موروڈن ٹکنالوجی اور مادی علوم میں ان سے آگے بڑھنے کا ہے، تب جا کرہم دفاعی پوزیشن میں آسکیں گے۔آج جب یاس کو آس میں بدلنے کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک نئی صبح کی ابتداء ہوچکی ہے نیز اختلافات سے بالاتر ہوکرایک نئے برج کا قیام عمل میں آچکا ہے تو اب اہلِ مدارس اورعلماء کو وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے قبول کرنا چاہیے۔

موجودہ مدارس کے نظامِ تعلیم کو بغداد، ترکی اوراندلس کے طرز پر مادی علوم وفنون کا گہوارہ بھی بنانا ہوگا

تنزلی اورپسماندگی کے اسباب وعوامل کی تلاش کے بعد اب اس کے حل کی طرف توجہ دینا ہوگا شوروواویلا مچا کراوراسلام کے غلبے کا نعرہ لگانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔آج ہم ایک ایسے نظام

سے گزر رہے ہیں جہاں علمی اور اقتصادی طاقت کے بل پر قوموں کے فیصلے ہوتے ہیں مگر ہم احتجاج اور مطالبات کے پوسٹر دیواروں پر چسپاں کر کے اور قومی جذبات کو بھڑکا کر راتوں رات اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں، ایک ایسی دنیا میں ہم جی رہے ہیں جہاں زبان وبیان ،علوم وفنون اور فکر ونظر نے بالکل نیا انداز سیکھ لیا ہے جب کہ ہم اپنے روایتی کتب خانے کے بورڈ پر ''دورِ جدید'' کا لفظ لکھ کر سارا کریڈٹ اپنے سر لینا چاہتے ہیں ایک ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جہاں عالمی ذہن نے سیاست کو سیکولر بنیادوں پر قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے مگر ہم اپنی پرانی روش اور فرسودہ نظریات کو بدلے بغیر اسلامی سیاسی نظام برآمد کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ ہم ایک ایسی آبادی کے درمیان ہیں جہاں اختلاف وانتشار ہمارا طرہ اور پہنچان بن چکا ہے، ہم صرف لفظی تقریروں کے کرشمے دکھا کر حالات کو یک لخت درست کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ ایک ایسے معاشرہ میں جہاں ہم تعلیم، اقتصادیات، باہمی اتحاد ہر لحاظ سے حاشیے پر نظر آتے ہیں، علمی وفکری ہتھیار کے بجائے جلسوں، کنونشنوں اور بھاشنوں کے ذریعے اسلامی احکام کے نفاذ کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ ایک ایسا جغرافیہ جہاں ہمارے پاس اپنے تحفظ کی بھی طاقت نہیں ہے، ہم آپس میں ٹکڑا ٹکڑا کر مر رہے ہیں تو دوسری طرف حریف کو نقصان پہنچانے کے لیے فرسودہ طریقۂ کار اختیار کر کے اسلامی تہذیب لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس قسم کی تمام باتیں حقیقت کی اس دنیا میں لغو اور فضول ہیں۔

موجودہ زمانے کے ساتھ ہمیں اپنے وجود کو ثابت کرنے کے لیے، اس علمی ورثہ کو دوبارہ حاصل کرنا ہوگا جسے ہم نے دوسروں کے لیے چھوڑ رکھا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام علماء، اہلِ مدارس، یونیورسٹی کے تمام ذمہ داران، مفکرین اور دانشور ایک ساتھ

بیٹھ کر اس علمی اور سائنسی طریقۂ کار کو اپنے نصاب میں شامل کریں جس پر آج مغرب کا تسلط ہے۔ علوم پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہوتی اور پھر یہ تو ہماری اپنی گم گشتہ متاع ہے۔ جسے اہلِ مغرب نے اپنا کر اپنی تہذیبی اور سیاسی بالادستی قائم کر رکھی ہے جب کہ خود ہم نے اپنے متاع کو ان کے حوالے کر کے، اپنی ساری علمی و فکری توانائی ان کے سپرد کر دی نتیجتاً ہمارے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی اور ہم مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ امکانات کی اس دنیا میں کوئی بھی چیز ناممکن نہیں ہے بلکہ صرف عزمِ مصمم اور عملی اقدام کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ایک مرتبہ پھر دنیا میں اسلامی تہذیب اور قرآنی تہذیب کے حسین خواب کو دہرایا جاسکے اور اس سسکتی انسانیت کو وحیِ ربانی کے گھیرے میں لیا جاسکے۔ ایک مرتبہ پھر سے یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ اہلِ مدارس، علماء اور مسلم یونیورسٹی کے مفکرین اندلس، ترکی اور بغداد کے تابناک ماضی کو دوبارہ واپس لاسکتے ہیں اور یہ سب ممکن ہے بس ضرورت صرف ہوش کے ناخن لینے کی ہے، جس کی شروعات برج کورس کے نوجوان فضلاء اور قیادت کے جذبہ سے سرشار طلبا سے ہوچکی ہے بس اب صرف اس پیغام کو مسلمانوں کے تمام مکتبِ فکر کے اداروں، مسلمانوں کے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں حتیٰ کہ مسجد کے منبروں سے اس انقلابی پیغام کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

ہدیۂ تشکر و ہدیۂ سلام

عالی جناب عزت مآب لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے جس برج کورس کا آغاز اس عظیم الشان درسگاہ سے کیا تھا اب اُس کی گونج ملک کی دیگر یونیورسٹی میں بھی سنائی دے رہی ہے، چنانچہ اب جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد نے مدارس کے فضلاء کے لیے برج کورس کے آغاز کا اعلان کر دیا ہے تو اب اہلِ مدارس کو اس تحفہ کو قبول کرتے ہوئے وائس چانسلر صاحب کی اس نئی پہل کا خیر مقدم کرنا چاہیے نیز ہر طرح سے اس کی حمایت کرنی چاہیے۔ میں اپنے وائس چانسلر صاحب کو اس حسین کوشش پر انہیں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں اور ان کی اس قومی و ملی خدمت پر انہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں نیز برج کورس کے ساتھ ان کے والہانہ لگاؤ اور جذبہ پر انہیں سلام پیش کرتا ہوں کہ ان ہی کی کوشش کا ثمرہ ہے کہ آج برج کورس صرف دو سال کی قلیل مدت میں کامیابی کے عروج پر پہنچ چکا ہے۔

خدا ان کے سایے کو تادیر قائم رکھے اور ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کی خدمات کو قبول فرما کر انہیں دنیا میں مزید کارِ خیر کی توفیق بخشے اور آخرت میں اجرِ عظیم سے عطا فرمائے۔

—— آمین ——

اظہر احسن

میرا تعلق صوبۂ بہار کے پورنیہ ضلع سے ہے، ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے ایک دینی مدرسہ میں حاصل کی، ثانوی تعلیم ندوۃ العلماء کے نصاب کے مطابق لکھنؤ میں حاصل کی۔ پھر کسی خاص وجہ سے درسِ نظامی کے ایک قدیم ادارہ ''جامع مسجد امروہا'' کے اندر دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لیا اور ۲۰۱۴ء میں وہاں سے سندِ فراغت حاصل کی۔ اس پوری مدت میں میرے لیے اخیر کے تین سال بڑی اہمیت کے حامل ہیں، کیونکہ اسی مدت میں مجھے حقیقی معنی میں دینی شعور آیا، دینی اور فکری توانائی میں اضافہ ہوا، اس سے پہلے روحانی اعتبار سے ایک نارمل زندگی تھی، اس جانب پہلا شعوری قدم بڑھاتے ہوئے میں مولانا عبداللہ حسنیؒ صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے بیعت کی درخوست کی۔ طالب علم کہہ کر انھوں نے بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ میں مایوس اپنے مدرسہ لوٹ گیا، پھر عربی پنجم (سالِ مشکوٰۃ) میں ایک تفصیلی خط لکھا جس میں میں نے اپنا حالِ دل اور اگلا ارادہ بیان کیا تھا، اسے لے کر رائے بریلی حضرت مولانا سید رابع حسنی ندویؒ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، تین دن وہاں قیام رہا، اس دوران ایک نوجوان ندوی فاضل سے بات چیت ہوئی، تو انھوں نے مجھے مولانا سے ''بیعت'' کے تعلق سے بات کرنے سے منع کر دیا اور ساتھ ہی یہ نصیحت کی کہ اس عمر میں تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ پڑھائی میں خوب محنت کرو اور گناہوں سے حتی المقدور بچتے رہو، میں نے ان کے مشورے کو قبول کیا اور اس طرح میں وہاں سے بھی نامراد لوٹ آیا، آخر کار سالِ دورۂ حدیث شریف میں فقیہہ الامت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ'' کے داماد حضرت مفتی شبیر صاحب قاسمی شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے بیعت کی، انھوں نے خود اپنا تصنیف کردہ ایک کتابچہ جو اوراد و وظائف سے پُر تھا، مجھے دیا اور صبح و شام بعض خاص وظیفہ کا اہتمام کرنے کا حکم دیا، خانقاہی نظام سے جڑنے کی وجہ سے میرے اندر یہ بنیادی تبدیلی ہوئی کہ میں نے یہ طے کر لیا کہ اب مجھے مدرسہ لائن سے جڑ کر دین کی خدمت کرنی ہے، عصری اداروں کا رخ بالکل نہیں کرنا ہے۔ گو کہ یہ بات میرے گھر والوں کی چاہت کے خلاف تھی۔

میرا رول ماڈل:

میں نے اپنا رول ماڈل مولانا ارشد مدنی صاحب کو منتخب کیا تھا اس وقت کئی وجوہ سے ان کی شخصیت میرے لیے متأثر کن تھی، مولانا حسین احمد مدنیؒ کا فرزند ہونا، دارالعلوم دیوبند میں تدریس، روحانیت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونا، مقتدر سیاسی شخصیات تک رسائی، آئے دن اردو اخبارات میں ان کے بیانات۔ مسلمان متحد ہوجائیں، اعمال کی درستگی میں دین ودنیا کی فلاح مضمر، مسلم نوجوانوں کی گرفتاری، میں اس کی بھرپور مذمت کرتا ہوں، مسلمانوں کو پانچ فیصد ریزرویشن دینے کا، حکومت کا یہ اقدام قابلِ ستائش ہے، مسلمان فرقہ پرست طاقتوں کو شکست فاش دینے کے لیے سیکولر پارٹیوں کو ووٹ دیں۔ اور پھر بیرونی ممالک کے اسفار وغیرہ یہ وہ چیزیں تھیں، جن کے باعث مولانا کی شخصیت میرے لیے سب سے زیادہ متأثر کن اور قابل نمونہ تھی، میرے دل میں ان کی اس قدر عظمت تھی کہ، پچھلے لوک سبھا الیکشن کے موقع پر ملائم سنگھ یادو کے ہاتھ سے ہاتھ ملائے، اوپر اٹھا کر مولانا کی ایک تصویر اخبارات میں شائع ہوئی تھی، لوگوں نے کافی تنقید کی تھی، حتیٰ کہ خود دیوبندی مسلک کے لوگوں نے بھی تنقید کی تھی، مگر میں یوں کہہ کر دفاع کرتا رہتا کہ ہوسکتا ہے کہ مولانا کے ایسا کرنے میں کوئی مصلحت ہو، خیر میں مولانا کی طرح بننا چاہتا تھا، ان کی طرح بننے کا صرف ایک راستہ تھا، مدرسہ سے جڑے رہنا۔

برج کورس کی طرف:

میرے بڑے بھائی کو برج کورس کی جانکاری تھی، ان کی خواہش تھی کہ میں وہاں داخلہ لوں، میری عالمیت سے فراغت کے بعد انھوں نے مجھ سے اس بابت بات کی، مگر میں کسی بھی

طرح راضی نہ ہوا اور اپنا ارادہ بتا دیا کہ میں عربی ادب اور افتاء کرنا چاہتا ہوں، عصری اداروں کے تئیں میرا جو جارحانہ رویہ تھا، اس کی وجہ سے کئی مرتبہ میرے ان کے درمیان تلخی بھی ہوگئی تھی، بھائی صاحب اس سے اچھی طرح واقف تھے، اس لیے انھوں نے مزید اس بابت مجھ سے بات نہ کی، البتہ گھر کا ہر فرد مجھ سے اسی بابت بات کرتا اور مدرسہ میں مزید تعلیم حاصل کرنے سے منع کرتا۔ گھر کے تمام افراد مجھے شدت پسند سمجھتے تھے اور میں انہیں مادہ پرست، ایک عجیب کیفیت تھی، میں اپنے استاد محترم جن سے میں اپنی تعلیم کی بابت ہمیشہ مشورہ لیتا تھا، کی خدمت میں امروہا آیا اور صورتحال سے آگاہ کیا، انھوں نے پہلا سوال کیا کہ آخر تمہارے گارجین کیوں دینی تعلیم کے حصول سے روک رہے ہیں؟ میں نے جواباً اپنی والدہ کا جملہ نقل کیا کہ ''بیٹا میں نہیں چاہتی کہ تم مولویوں کی طرح رسید لے کر گلی گلی چندہ کرتے پھرو'' اس پر استادِ محترم کا جواب تھا کہ اپنے گارجین کو بتاؤ کہ دین کی خاطر چندہ کرنے میں کیا برائی ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تو چندہ کیا ہے۔ اس طرح کی باتوں میں میرے گارجین کے لیے کوئی کشش نہ بچے، حدیثِ رسولؐ کے دوسرے واقعات سے وہ ان باتوں کی کاٹ کردیتے، آخر کار میرے پاس صرف دو راستے تھے، (۱) عصری ادارے (برج کورس) کا رخ کروں، (۲) یا گھر والوں سے تعلقات منقطع کر کے مدرسہ میں اعلیٰ تعلیم جاری رکھوں، میں نے بادل ناخواستہ پہلا راستہ منتخب کیا، جو میں زہر سمجھ کر پینے جا رہا تھا۔

برج کورس میں:

ہندوستان میں موجود لاکھوں اداروں کے درمیان میرے نزدیک ''برج کورس'' کے دو بنیادی امتیاز ہیں: (۱) عربی مدارس کے فارغین کو یونیورسٹی کی Main Stream کا حصہ بننے کا موقع فراہم کرنا (۲) امتِ مسلمہ کے زوال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے ہوئے طلباء کو مختلف گوشوں پر غور و فکر کی دعوت دینا۔

کلاسز پر ایک تبصرہ:

Inter-Faith Dialogue, Political Science اور Geography کی کلاسز میں دیئے گئے بعض لکچرز مذہبی اعتبار سے اس قدر وقیع اور منطقی تھے کہ شاید داخلی اعتبار سے ہر طالب علم قرآنی تعبیر میں یوں کہنے کی پوزیشن میں ہو ''قل هذه سبيلي أدعو الى اللّه على بصيرة أنا ومن اتبعني'' ان لکچرز کا طلباء پر راست اثر یہ ہوا کہ وہ مسلکی خانوں کو توڑ کر غیر روایتی طور پر غور فکر کرنے لگے۔ برج کورس کے علمی سفر میں میں ذاتی طور پر بعض صحتمند فکری تبدیلی کا احساس کرتا ہوں، آگے ان میں سے بعض افکار کا متعدد عناوین کے تحت ذکر ہوگا، ظاہری طور پر آپ کو بعض عناوین غیر متعلق لگیں گے، لیکن یاد رہے کہ وہ صرف اس بات کو ظاہر کرنے کے لیے لکھا گیا ہوگا کہ راقم کی اس بابت پہلے روایتی سوچ تھی جو کہ اب نہیں ہے اور اس کا محرک بھی برج کورس ہے اس لیے وہ اس مضمون کا حصہ بنا۔

اسلام کا تصور (مدرسہ کی زندگی میں):

میرا پسِ منظر (Background) مدرسہ ہے، اس لیے اندازِ غور و فکر بھی وہی رہا جو عموماً مدرسہ میں ہوتا ہے، چنانچہ مدرسہ کی زندگی میں اسلام کا تصور تو نظری طور پر یہی رہا کہ اسلام ایک جامع دین ہے، رہتی دنیا تک کی انسانیت کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہے، لیکن عملی طور پر اکابر کے شب و روز دیکھنے کی وجہ سے ذہن میں یہ نقش قائم ہوگیا تھا کہ اسلام کا تعلق ارکانِ خمسہ کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سے ہے۔

اسلام کا تصور (برج کورس کی زندگی میں):

میں تو یہ دعویٰ نہیں کروں گا کہ برج کورس اسلام کا ایک اعلیٰ مرکز ہے، لیکن اس اعتراف میں ذرہ برابر بھی جھجھک نہیں کہ یہاں آکر اسلام کی آفاقیت اور جامعیت کا وہ شعوری احساس ہوا جو اب تک کی زندگی میں نہیں ہوا تھا، مثلاً نظامِ زکوٰۃ کی بابت مدرسہ میں فقہی بحثیں اور ائمہ کے اختلافات خوب پڑھے اور اس کے فوائد کے بارے میں خطیبانہ اور حسین الفاظ میں ادبی شہ پارے کشید کرنے کا موقع تو ملا، لیکن بحث کی ان جزئیات سے ناواقف رہا، جن کی وجہ سے اسلام کا نظامِ زکوٰۃ آج کے انسانوں کی ایک بڑی تعداد کے لیے ''من و سلوی'' کا کردار ادا کرسکتا ہے۔ آج بھی اسلام کا معاشی نظام نہ صرف اس پوزیشن میں ہے کہ دنیا میں رائج موجود نظامِ معیشت کو چیلنج کر سکے بلکہ نعم البدل کے طور پر ابھرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے، بس ضرورت ہے ایسے اسلام پسندوں کی جو الفاظ کی دنیا کے آدمی نہ ہوں بلکہ عالمی دنیا کے آدمی ہوں اور زمانہ شناس بھی ہوں۔

سیاست کا تصور:

ماقبل برج کورس کی زندگی میں ہم سیاست کو نظری طور پر ضرور اسلام کا ایک شعبہ سمجھتے تھے، لیکن عملی طور پر نہ جانے کیوں اسے مسلمانوں بالخصوص علماء کے لیے سمِ قاتل سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان علماء کی قدر ہمیشہ ہمارے دل میں کم رہی جو بلاواسطہ یا بالواسطہ سیاست سے جڑے رہے، مولانا آزاد کے اس طرح قدرداں کبھی بھی نہ رہے جس طرح مولانا حسین احمد مدنی کے، گو کہ انھوں نے بھی سیاست میں کچھ نہ کچھ کردار ادا کیا ہے۔ برج کورس میں سیاست کی حقیقت، اس سے دنیا پر ہونے والے اثرات سے آگاہ ہوا اور اس سے دوری کے نتیجے میں قوموں کی عالمی نقشہ میں کیا حیثیت ہوتی ہے اور کیا کیا شامتیں ان پر آتی، نہ صرف یہ کہ مادی اعتبار سے بلکہ دینی اعتبار سے کس طرح قومیں روز بروز زوال کی طرف بڑھتی ہیں، یہ سب کچھ برج کورس کی ایک مختصر سی مدت میں سننے اور سمجھنے کا موقع ملا۔

مشہور و معروف ملی محاورے:

اہلِ علم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ دنیا میں جتنے بھی انقلاب رونما ہوئے دراصل ان کے پسِ پشت کچھ خاص نعرے (Slogan) فکری جملے اور محاورے کارفرما تھے (جو کہ متعلقہ مفکرین وقائدین کے افکار ونظریات کی ترجمانی کرتے تھے)، جب کارل مارکس نے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کے خلاف آواز بلند کی، تو بڑی جدوجہد کے بعد ایک زبردست تحریک چل پڑی، جسے ہم کمیونزم کے نام سے جانتے ہیں، اس تحریک کو کامیاب بنانے میں ''کارل مارکس'' کے کچھ خاص فقرے (Quotes) کا بڑا اہم کردار ہے، مثلاً اس کا ایک زبان زد خاص وعام Quote تھا:

"Let the ruling classes tremble at a communist revolution. The proletarians have nothing to lose but their chains. They have a world to win."

اس فقرے نے مزدوروں کو جگائے رکھنے کا کام کیا''مزدوروں کو اپنے وجود کی اہمیت کا احساس ہوا تو وہ سرمایہ داروں اور حکومتی طبقہ کے استحصال کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب ذرا مسلم معاشرے میں مشہور ومعروف ''انقلاب انگیز'' ملی محاورے ''ملحوظ فرمائیے:

''دشمن کی سازش ہے'':

آپ ملی اداروں اور تنظیموں سے نکلنے والے جرائد ورسائل کا مطالعہ کریں تو مشترکہ طور پر پائیں گے کہ وہ مسلم مسائل کا

خوب رونا روتے ہیں، آپ اپنے قائدین سے پوچھیں کہ حضرت! آج مسلمان کیوں پیچھے ہیں؟ ان کا جواب ہوگا، ارے بھائی!! یہ سب تو دشمن کی سازش ہے۔

''تعصب ہے''

حضرت! ہندوستان میں ہم مسلمان اعلیٰ عہدوں پر ۳۔۲ رفیصد ہی کیوں ہیں؟ جب کہ ہماری آبادی ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۱۴رفیصد سے بھی زائد ہے۔ ''بس یہ سب کچھ تعصب کی وجہ سے ہے''۔

تبصرہ:

ان دونوں مشہور ملی محاوروں کا ہم نے اس مضمون میں صرف اس لیے ذکر کیا ہے کہ ان کے منفی اثرات خود ہم نے اپنی زندگی میں محسوس کئے ہیں، گو کہ اب بھی ہمارا ماننا ہے کہ ''دشمن کی سازش ہے''، ''تعصب ہے''، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ ماقبل برج کورس کی زندگی میں ان کا استعمال درحقیقت نفسیاتی مرض اور ذمہ داری سے فرار کا نتیجہ ہوتا تھا اور اب ان کا استعمال ''خطرات سے آگہی'' اور ''چیلنج'' کے طور پر احساسِ ذمہ داری کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس فرق کی بنیادی وجہ:

مبارک کاپڑی صاحب کے مطابق سعودی سفارت خانہ پہلے اپنی ویکنسیز نکالتا تھا تو اس بات کی وضاحت کے ساتھ کہ صرف مسلم امیدوار ہی مطلوب ہیں، لیکن جب بڑے عہدوں کے لیے مسلم درخواستیں مطلوبہ تعداد سے کم آنے لگیں تو مجبوراً متن بدلنا پڑا اور ''صرف مسلم امیدوار'' کی جگہ ''مسلم امیدوار کو ترجیح دیجائیگی'' لکھنا پڑا۔

لہذا پہلے جب ہم یہ کہتے کہ مسلمانوں کے ساتھ تعصب ہوتا ہے، اس لیے نوکری نہیں ملتی، تو احساسِ زیاں کے ساتھ منفی نفسیات میں مبتلا ہوجاتے،لیکن اب احساسِ زیاں کے ساتھ یہ عزم بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنی قوم اور انسانیت کے لیے تعلیمی میدان میں اس طور پر کام کریں گے کہ سعودی سفارت خانہ ''مسلم امیدوار کو ترجیح دیجائیگی'' کے بجائے پھر ''صرف مسلم امیدوار'' لکھنے لگے، چونکہ یہاں تو کوئی یہودی سازش، مغربی سازش یا پھر تعصب تونہیں ہے نا۔

مسلکی جمود:

قرنِ اول کے لوگ اساساتِ دین پر متوجہ رہتے تھے،مگر بعد میں یہ حالت بدل گئی،مسلمان فقہ میں جزئیات پر بحثیں کرنے لگے، ان کلامی موشگافیوں کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم معاشرہ کا شیرازہ بکھر گیا اور آج ''انتشار''،مسلم قوم کا لازمہ بن گیا ہے۔

سوءِ اتفاق جس معاشرہ میں میں پلا بڑھا، اس معاشرہ کو مسلکی گھن لگ چکا تھا،ہمارا تعلق دیوبندی مسلک سے تھا،میرا ذہن شروع سے ہی مسلکی تھا۔اختلافی کتابیں بڑے ذوق وشوق سے پڑتا تھا، ''بریلویت، ہندوپاک کا تحقیقی جائزہ'' غیر مقلدلیت۔ہندوپاک کا تحقیقی جائزہ'' بریلویت کی خانہ تلاشی''،''بریلویت کا شیش محل'' ان جیسی کتابوں کا مطالعہ ہر طالب علم کے لیےضروری سمجھتا تھا،مولانا الیاس گھمن صاحب اور مولانا طاہر گیاوی صاحب میرے محبوب ترین (Favourite) مقررین میں سے تھے، اپنے مسلک کی حقانیت اور دوسرے مسالک کے بطلان کو ثابت کرنا محبوب مشغلہ تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۲۰۱۳ء میں ہمارے گاؤں سے کوئی دوکلومیٹر دوری پر ۱۲؍ربیع الاول کو بریلوی طبقہ کا جلسہ ہورہا تھا، چند جوشیلے نوجوانوں کے ساتھ، سامعین کی نشست میں، اسٹیج سے قریب میں بھی جلسہ گاہ میں موجود تھا اور جیب میں سادہ کاغذ لیے اس انتظار میں تھا کہ مقرر صاحب دیوبندی طبقہ کے خلاف کچھ بولیں تو فوراً ناظم جلسہ کے پاس پرچی بھیجوں گا اور ضرورت پڑی تو متعلقہ مسئلہ پر مناظرہ شروع کردوں گا، عین توقع کے مطابق ایک خوش باش مقرر صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر سمجھنے والوں کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کردیا، بس پھر اور کیا!! ناظمِ جلسہ کو پرچی لکھی کہ اظہر (راقم) نامی ایک طالب علم کو حضرت کی تقریر پر اشکال ہے، لہٰذا حضرت کے فوراً بعد اسے سوال کرنے کا موقع دیا جائے، مقرر صاحب کی تقریر کے بعد ناظمِ جلسہ نے اعلان کیا کہ وقت کم ہے، اس لیے جن صاحب کا اشکال ہو وہ حضرت سے کمرے میں ملاقات کرلیں، فتویٰ جلسۂ عام میں دیا گیا تھا، اس لیے اسے قبول نہ کیا اور فوراً دوسری پرچی بھیجی کہ صرف دو منٹ کے لیے مائک پر بلا لیجئے ،اتنے میں ماحول کافی گرم ہوگیا، منتظمین کو احساس ہوا کہ اگر بات آگے بڑھی تو نوبت مارپیٹ اور خون بہانے تک پہنچ سکتی ہے، لہٰذا انھوں نے ہم سے معافی مانگ کر اور کھلا پلا کر معاملہ کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی، مگر میں نے ماننے سے صاف انکار کردیا، میرے ساتھیوں نے ماحول کافی کشیدہ ہوتے دیکھ کر مجھے معاملہ آگے بڑھانے سے منع کردیا، میں نے ان کی بات مان لی۔

تبصرہ:

اس پوری کاروائی (Process) میں جو چیز قابل غور ہے وہ یہ کہ وہ کیا محرکات تھے جن کی وجہ سے فریقین اس قدر مشتعل تھے؟ کوئی مادی طاقت یا پھر مسلکی غیرت؟ ظاہر ہے مسلکی غیرت ہی اس قدر فریقین کو مشتعل بنائے ہوئے تھی، ہر فریق کا ایک ہی مقصد، فریقِ مخالف سے اپنا مسلکی نظریہ قبول کروانا۔ اس مسلکی ذہنیت کا ذمہ دار میں خود ہوں یا ہمارا تعلیمی نہج؟ فیصلہ قارئین پر۔

مسلکی جمود پر برج کورس کی ضرب کاری:

امتِ مسلمہ کو عالمی سطح پر قائدانہ رول ادا کرنے کا اہل بنانا برج کورس کا اہم مقصد ہے اور اس مقصد کی تکمیل اسی وقت ممکن ہے جب کہ امتِ مسلمہ قرآنی تعبیر میں ''بنیان مرصوص'' کا عملی نمونہ بن جاتے، اس کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ مسلم معاشرہ اور علماء کی مسلکی ذہنیت ہے، اس منفی ذہنیت کو ختم کرنے کے لیے برج کورس انتظامیہ نے ایک مستقل شعبہ بنام Inter-faith and Intra-faith ڈائیلاگ قائم کیا۔

اس کے اثرات:

فکری عمارت کی بنیادوں کو ہلانا کوئی آسان کام نہیں ہے، انسان جب کسی مذہب یا مسلک سے فکری اور عملی طور پر وابستہ ہوجاتا ہے تو وہ اس تعلق سے بہت جذباتی اور حساس رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں اور خطوں میں فرقہ وارانہ فسادات کی خبریں ہم سنتے اور دیکھتے رہتے ہیں۔ برج کورس کے ابتدائی ایام میں پروفیسر راشد شاز صاحب کے لکچرز ہوتے تھے، جن میں ''مسلکی اختلافات اور ان کی حقیقت، مسلم معاشرے پر اس کے اثرات ونتائج، اس کے ذمہ دار، مسلم ممالک کے زوال کی وجوہات، امت کے درمیان ہونے والے مسلکی نزاعات کی وجہ سے اسلام دشمنوں کا فائدہ اور اس بابت ہمارے ملی قائدین کی شعوری یا غیر شعوری بے اعتنائی، تاریخ کے مختلف ادوار میں درآنیوالی بعض چیزیں اور پھر ان کا دینی شکل اختیار کرلینا'' وغیرہ جیسے بہت سے حساس مسائل ہوتے، ان لکچرز کا اتنا غلغلہ رہتا کہ بہت سے طلباء کلاس کے بعد بھی بحث ومباحثہ کرتے۔

راشد شاز صاحب کو ایک خاص نظریہ کے تحت دیکھنے کی وجہ سے مجھے ان کے لکچرز میں بالکل بھی دلچسپی نہیں تھی، مگر ''امتِ مسلمہ کا زوال اور اس کے اسباب'' پر پروفیسر صاحب اتنی وقیع اور جاندار گفتگو کرتے کہ ذہن میں گہرے نقوش چھوڑ جاتے، مرورِ ایام کے ساتھ اندازِ غور وفکر میں تبدیلی آتی گئی۔ ماہِ نومبر ۲۰۱۵ء میں پروفیسر راشد شاز نے ایک ہندی روزنامہ کے تراشے جو A4 Size کے تین صفحات پر مشتمل تھا تمام طلباء میں تقسیم کرائے طلباء کی کئی جماعتیں بنا کر ہدایت دی کہ ہر گروپ متعلقہ مسئلہ پر Discuss کرے اور اس کے حل کے لیے امکانی صورتیں تلاش کرے۔

مسئلہ کیا تھا؟

یوپی کے کسی علاقہ میں تبلیغی جماعت کا اجتماع ہونا تھا، بریلوی علماء کا ان پر یہ الزام تھا کہ دیوبندی اور تبلیغی لوگ اولیاء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں۔ ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں، اس سے ہمارے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے، لہٰذا یہاں اجتماع نہیں ہونے دیں گے، ان باتوں کو بنیاد بنا کر چند خوش پوشاک اور لمبی دستار والے علماء کی قیادت میں بریلوی طبقہ کے افراد (اخبار میں فوٹو بھی تھی، واضح رہے کہ ان میں سے بیشتر افراد نوجوان تھے) SDM کے دربار میں حاضری دیتے ہیں اور اجتماع کی اجازت نہ دیئے جانے کا مطالبہ کرتے ہیں، اس کے بعد دیوبندی طبقہ کے چار افراد اسی SDM کے دربار میں جاتے ہیں اور ان الزامات کی تردید کرتے ہوئے اجتماع کی اجازت دیئے جانے کی عاجزانہ درخواست کرتے ہیں۔

پروفیسر صاحب کا اس واقعہ پر تبصرہ:

تمام گروپوں نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے اپنے اپنے

نکات پیش کیئے، اس کے بعد پروفیسر صاحب نے طلباء کو اس طرف خصوصی توجہ دلائی کہ اس مسئلہ میں سب سے زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ دونوں طبقے اسلام کے ماننے والے، قرآن وسنت پر ایمان رکھنے والے تھے لیکن دونوں نے اپنا مقدمہ (جو کہ خالص مذہبی مقدمہ تھا) ایک غیر مسلم SDM کے دربار میں پیش کیا، کیا مسلم معاشرہ کے اس رویہ (Approach) سے ہم ایک مضبوط پوزیشن والی امت بن کر ابھر سکتے ہیں؟

دوسرے مسالک کے تئیں میرا نظریہ:

الحمد اللہ، اب مسلک کے تئیں حساسیت مکمل طور پر ختم ہوگئی ہے اور دوسرے مسالک کے تئیں میرا یہ ماننا ہے کہ ہم سب اسی قافلے کا حصہ ہیں جو ساتویں صدی میں مکہ المکرّمہ سے نکلا تھا، لیکن تاریخ کے مختلف ادوار میں ہم ایک دوسرے سے الگ ہوگئے، سیاسی اسباب اور رابطہ کے انقطاع (Connection gap) کے باعث ہم ایک دوسرے سے نامانوس ہوگئے۔

مغربی اور مسلم معاشرہ کا تقابلی جائزہ اور ایک غلط فہمی:

ملی اداروں سے نکلنے والے اکثر مجلّات ورسائل میں مغرب اور مسلم معاشرہ کے تقابلی جائزہ میں ایک بات مشترکہ طور پر پائیں گے کہ مسلم علماء مغربی معاشرہ کی برائیوں کا موازنہ اسلامی تعلیمات کی خوبیوں سے کرتے ہیں، اس طرح ان مجلّات کے قارئین کو یہ احساس ہوتا ہے کہ مغرب سراپا شر ہے اور ہم مسلمان سراپا خیر۔

اس بابت پہلے میری بھی یہی سوچ تھی، ایک دن Inter-faith and Intra-faith کے گھنٹے میں بات سے بات نکلی تو مغربی معاشرہ کی بات ہونے لگی۔ ایک طالب علم نے مغربی معاشرہ کی برائیوں کا موازنہ اسلامی تعلیمات کی خوبیوں سے کیا، تو

فیضان سر نے کہا کہ مسلمان اکثر یہ غلطی کر جاتے ہیں کہ مغربی معاشرہ کی برائیوں کا موازنہ اسلامی تعلیمات کی اچھائیوں سے کرتے ہیں، حالانکہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ مغربی معاشرہ کا موازنہ مسلم معاشرہ سے کریں نہ کہ اسلامی تعلیمات سے ظاہر ہے جس سوسائٹی میں آخر الذکر طرز فکر نمو پائے ، وہ کبھی بھی خوش فہمیوں میں مبتلا ہوکر زمینی حقائق سے منہ نہیں پھیرے گی۔ بلکہ اپنے معاشرہ کے Crime Graph پر نظر رکھے گی، امتِ دعوۃ کا کردار ادا کرے گی نہ کہ امتِ فخر کا۔

Conceptual Writing:

طلبائے برج کورس میں فکری اور تخلیقی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ایک مستقل مضمون بنام Conceptual Writing کا گھنٹہ رکھا گیا ہے، تا کہ علماء کی ایسی کھیپ تیار ہو سکے جو بھرپور استدلال کے ساتھ علمی انداز میں اسلامی تعلیمات کو پیش کر سکے اور سلمان رشدی جیسے لوگوں کے خلاف سڑکوں میں اتر کر خود فریقِ ثانی (سلمان رشدی جیسے لوگوں) کے موقف کو مضبوطی فراہم کرنے کا موقع نہ دے بلکہ علمی انداز میں اس کا جواب دے اور فریق ثالث (قارئین وغیرہ) کو معلوم ہو جائے کہ ’’Satanic Verses‘‘ کی باتیں محض اسلام سے عدمِ واقفیت کا نتیجہ ہیں نہ کہ معلوم واقعہ۔

موجودہ اسلامک لٹریچر:

قرنِ اول سے آج تک کے دور کو ہم موٹے طور پر دونوں خانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ (۱) ماقبل سترہویں صدی کا دور (۲) مابعد سترہوں صدی کا دور۔

ماقبل سترہویں صدی میں مذہبی افکار کا غلبہ تھا، اس لیے اس دور میں لکھی جانیوالی کتابیں اس دور کے تقاضے کو پورا کرتی تھیں، مگر سترہویں صدی کے بعد سائنٹفک طرز فکر کا غلبہ ہوا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اس دور کی کتابیں نئی نسل کے ذہن کو متاثر نہ کر سکیں، اب علمائے امت کی ذمہ داری تھی کہ اسلامیات پر ایسی کتابیں تیار کریں جو نئے ذہن کو مطمئن کر سکے، افسوس! کہ ایسا نہیں ہوا، بات یہ نہیں کہ کتابیں نہیں لکھی گئیں ، لاکھوں بلکہ کروڑوں کتابیں منصۂ شہود پر آئیں۔ مگر وہ نئے ذہن کو اپیل نہیں کر سکیں، آج بھی ہمارے مسلم علماء اسی پرانے روایتی اسلوب پر قائم ہیں۔

کچھ منجھے ہوئے اہل قلم اور دانشوران اس طرف رخ کرتے ہیں۔ لیکن طبقہ علماء انہیں قابل قبول نہیں سمجھتا، اسلام کو ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے پیش کرنے میں ان سے (عصری اسلوب میں اسلام کو ترجمانی کرنیوالوں سے) غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں، طبقۂ علماء ان کی ایسی جارحانہ گرفت کرتا ہے کہ الا مان والحفیظ ! علامہ شبلی نعمانی اور موجودہ دور میں ڈاکٹر ذاکر نائک جیسی شخصیتوں کو مثالاً پیش کیا جا سکتا ہے، بعض اہل علم نے ڈاکٹر ذاکر نائک کی علمی انداز میں گرفت کی ہے، ہم اس طرح کی مہذب تنقید کی قدر کرتے ہیں، لیکن جو لوگ تنقید کرنے میں جارحانہ رخ اختیار کرتے ہیں اور کفر کے فتوے لگاتے ہیں ایسے لوگوں کی کسی بھی طرح ہمت افزائی نہیں کی جا سکتی۔

’’جلسہ اصلاح معاشرہ‘‘ منعقد کرنیوالوں کو پتہ ہونا چاہیے کہ نئی نسل کی دین سے دوری یا بیزاری کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ موجودہ اسلامک لٹریچر ان کے سوالات کے جواب نہیں دیتا، جس کے باعث مذہب میں انہیں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی۔

Face Value کی عادت:

برج کورس میں ایک بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ Face Value کی عادت ختم ہوگئی۔ مسئلہ کو اس کی تہہ تک سمجھنے کی کوشش کرنے کا شعور پیدا، مثلاً مسلم معاشرہ بالخصوص پاکستان میں یہ نعرہ بہت مقبول ہے کہ ''قرآنی حکومت لاؤ''، ''نظامِ مصطفیٰ قائم کرو'' اس طرح کے نعروں کی بنیاد پر Face Value والے لوگ علماء کی قیادت میں پاکستان کی ذوالفقار علی بھٹو حکومت کے خلاف احتجاج ومظاہرہ کرنے لگے، وہاں کے مختلف مسالک کی جماعتیں متحد ہوکر حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئیں ۔ پھر ان اسلام پسند جماعتوں میں زبردست اختلاف ہوگیا، چونکہ ہر مسلک کی جماعت کابینہ میں اپنی مضبوط نمائندگی چاہتی تھی، کوئی اپنے مسلک کی قربانی دینے کو تیار نہ تھا، آخرکار ''اسلامی حکومت'' کی قربانی دینی پڑی۔ اگر Face Value کی عادت ختم ہوجائے تو مسلم علماء لاؤڈ اسپیکر میں پرکشش نعرہ بلند کرنے کی بجائے افراد پر محنت کریں گے، تاکہ ایک صالح اور انسانیت کے لیے نفع بخش سماج کی تشکیل ہوسکے اور پھر اسلام کے نام پر بننے والی حکومت اختلاف کا شکار نہ ہوجائے۔

خدمتِ دین کے سلسلے میں برج کورس کا امکانی کردار:

۱۹۸۵ء میں سپریم کورٹ نے شاہ بانو کیس میں یہ فیصلہ دیا کہ محمد احمد (شاہ بانو کا شوہر) اپنی مطلقہ بیوی کو ۱۵۰/روپے ماہانہ بطور نفقہ ادا کرے، مذہبی طبقہ نے ''مداخلت فی الدین'' کے نام پر ہنگامہ خیز تحریک شروع کردی، پوری دنیا میں اسلام کا نکاح وطلاق کا قانون موضوعِ بحث بن گیا، اخبارات ورسائل میں طرح طرح کے تبصرے ہونے لگے، ایک طرف مذہبی طبقہ کا اصرار تھا

کہ قرآن وسنت کے مطابق مطلقہ عورت کو نفقہ نہیں دیا جاسکتا، دوسری طرف مسلمانوں کا جدید طبقہ اور غیر مسلم حضرات تھے جو اسلامی قانون کو عورتوں کے ساتھ ناانصافی پر مبنی قانون مانتے تھے۔

بلاشبہ اسلام کا قانون ہی مفید اور درست ہے، مگر علماء کی ذمہ داری تھی کہ اسلامی قانون کی معقولیت کو جدید دلائل کے ساتھ ثابت کرتے، عقلی معیار پر شرعی قانون کو مدلل کرتے نہ کہ مداخلت فی الدین کے نام پر ہنگامہ خیزی۔ پارلیمنٹ نے ''مسلم مطلقہ خواتین ایکٹ'' تو پاس کر دیا، لیکن لوگوں کا ذہن مطمئن نہیں ہوا اور اسلام کی حیثیت ایک دقیانوسی مذہب کی ہوگئی۔ بی جے پی حکومت کے آنے کے بعد اب مسلم خواتین خود اس پر آواز اٹھا رہی ہیں، اخباری بیان کے مطابق مسلم خواتین کی ایک تنظیم نے وزیر اعظم مسٹر نریندر مودی کو خط لکھ کر ''مسلم مطلقہ خواتین ایکٹ'' کو ختم کر کے پہلے سے ہی موجود قانون کے مطابق اپنے حقوق کا مطالبہ کیا ہے، اس نئے فتنہ کو سر اٹھانے کا موقع کیوں ملا؟ قارئین خود غور کریں۔

تبصرہ:

برج کورس جس نہج پر طلبائے مدارس کی تربیت کر رہا ہے، ہمیں امید ہی نہیں یقین کامل ہے کہ اگر ملی قائدین برج کورس سے دوستانہ تعلقات قائم رکھیں اور برج کورس منتظمین مزید کچھ اصلاحی اور اقدامی قدم اٹھائیں تو برج کورس کے فارغین اس خلاء کو پر کر سکیں گے جو ۸۶-۱۹۸۵ء میں شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا۔ یعنی پوری مضبوطی کے ساتھ شرعی قوانین کو عقلی معیار پر مدلل کر کے نئے ذہن کو مطمئن کر سکیں گے، نہ کہ ''تحفظ شریعت کانفرنس'' میں اپنی قیادت کا جھنڈا بلند کریں گے۔

اختتام:

کسی بھی ادارے کا اپنے طلباء کے فکری ڈھانچہ کو بدل دینا ایک ایسا عمل ہے جو وہاں کے تعلیمی اور تربیتی نظام کو بتلاتا ہے' اس لیے گذشتہ صفحات میں اس زاویہ کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے، اخیر میں ایک خاکہ درج کیا جارہا ہے جو دراصل ''مدرسہ اور برج کورس میں میری سوچ'' کی جھلک ہے۔

مدرسہ میں سوچنے کا انداز	برج کورس میں سوچنے کا انداز	تبصرہ
دیوبندیت کے علاوہ تمام مسالک راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں۔	مسالک کی نسبت ہی درست نہیں ہے	
مسجد یا مدرسہ سے جڑ کر ہی دین کی حقیقی خدمت ہوسکتی ہے۔	DM, CM, PM ۔۔۔بن کر بھی دین کی خدمت ہوسکتی ہے۔	
دینی علوم کے ادارے کھولنے میں ہی ثواب ہے۔	سائنسی ادارے کھول کر بھی سامانِ آخرت تیار کیا جاسکتا ہے	تا کہ اسلامی ممالک کو اپنی سرحد کی حفاظت کے لیے امریکہ سے ہتھیار خریدنا نہ پڑے۔
مسلکی اختلافات پر قرآن وسنت کی تشریح اپنے مسلک کے مطابق کرتا تھا۔	اختلافی مسائل کی جانچ و پرکھ خالی الذہن ہو کر قرآن وسنت کے مطابق کرنی چاہیے	
یہ حضرت کی تشریح/فہم ہے، اس پر سوال نہیں اٹھانا چاہیے (یہ عملی طور پر ہوتا ہے نہ کہ نظری طور پر)۔	حضرت کی تشریح بھی قابلِ تنقید ہوسکتی ہے/حضرت کے فہم کو چیلنج کیا جاسکتا ہے۔	
فلاں کو حضرت سے اس مسئلہ میں اختلاف ہے، اسے اکابر کی قدر نہیں ہے۔	اسے ہمارے حضرت سے اختلاف کا پورا حق ہے، یہ تو اس کا علم ہے، نہ کہ کوئی جرم۔	علامہ شبلی نعمانیؒ "اقدامی جہاد" کے قائل نہیں ہیں، جب کہ اکابر دیوبند اس کے قائل ہیں، اس کی وجہ سے مجھے مدرسہ میں علامہ شبلی کے تئیں اچھی Feeling نہیں تھی۔ (نعوذ باللہ منہ)

مغرب مسلمانوں کا دشمن ہے	مغرب کی حیثیت مسلمانوں کے لیے ''مدعوقوم'' کی ہے۔	خواہ مخواہ مسلمانوں نے مغرب سے نفرت کر کے ایک مفروضہ دشمن کا اضافہ کرلیا ہے، حالانکہ ان کے علماء اپنے followers کو مغربی سازش سے چوکنا کرتے وقت بھی مغرب کی AC اور بلب کا استعمال کر رہے ہوتے ہیں۔
لڑکیوں کو اسکول میں کسی بھی حال میں نہیں پڑھانا چاہیے۔	لڑکیوں کو بھی اسکول میں صحت مند ماحول کے اندر ضرور پڑھانا چاہیے۔	تاکہ ملت کی ماؤں اور بیٹیوں کا علاج خواتین ڈاکٹر کریں۔
کوٹ، پتلون اور ٹائی لگانے والا داعی نہیں ہوسکتا۔	داعی بننے کے لیے کرتا اور پائجامہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔	لہٰذا ڈاکٹر ذاکر نائک میرے نزدیک داعی ہیں نہ کہ مغرب زدہ فلسفی۔
دنیا میں رہنا ہی کتنے دن ہے، تھوڑے پر قناعت کر کے، اللہ کو یاد کرتے ہوئے زندگی گذارنی ہے۔	ایمانداری اور امانت داری کے ساتھ خوب پیسے کمانا ہے، تاکہ روہنگیا کے مسلمانوں کو یورپ سے مدد کی ضرورت نہ پڑے۔	
سلمان رشدی نے اسلام کے خلاف کتاب لکھی ہے، اس کے خلاف زبردست احتجاج کرنا ہے۔	سلمان رشدی کی کتاب کا علمی انداز میں ترکی بہ ترکی جواب لکھنا ہے۔	
مولانا ارشد مدنی صاحب کی طرح بننا ہے تاکہ اگر کہیں خدانخواستہ مظفر نگر کی طرح فساد ہو تو اکھلیش کو فون کر کے فوراً پولیس منگوالیں تاکہ مسلمان محفوظ رہیں۔	اکھلیش یادو (C.M.) بننا ہے، تاکہ مظفر نگر جیسا فساد ہی نہ ہو۔	

محمد اسمٰعیل

میں ایسے گاؤں سے تعلق رکھتا ہوں جو تعلیم کے لحاظ سے سب سے نچلے طبقے میں ہے۔ میرا گاؤں اتنا چھوٹا ہے کہ آپ کو اس کا نام مولانا Google بھی نہیں بتا سکتے چہ جائے کہ عوام۔ میری پیدائش ایسے گھرانے میں ہوئی جہاں علم کی روشنی تو پہنچی تھی لیکن راستہ دکھانے کے قابل نہیں تھی اس لیے میری والدہ ماجدہ نے چاہا کہ گھر میں علم کی جھلک ہی نہ دکھائی دے بلکہ پورا گھر روشن ہوجائے اور اس کا بار میرے ننھے سے کندھوں پر ڈال کر میرے ماموں کے ساتھ قریب ہی کے گاؤں میں ایک مدرسے میں بھیج دیا۔ گاؤں میں ہوتا یہ ہے کہ اگر کوئی کام ایک آدمی کر رہا ہے تو دوسرے لوگ اسی راہ پر ہو لیتے ہیں جس کو دیہات میں ایک کہاوت سے تعبیر کرتے ہیں، ''دیکھا پن دیکھی دیکھا پاپ''۔

چنانچہ میرا مدرسہ جانا تھا کہ دوسرے دن جیسے میرے گاؤں کے بچوں کا پورا قافلہ مدرسے میں آ گیا ہو۔۔ اس وقت ہر ایک کے زبان پر یہی صدا تھی کہ ''کمیاں'' گاؤں میں ہر چیز کی کمی ہے لیکن علم کی کمی نہیں رہے گی لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ ہوا یوں کہ ہم لوگ نئے کپڑے اور ۲۰ روپئے ہفتے میں ملنے کے لالچ سے مدرسہ تو چلے گئے لیکن چونکہ اس سے پہلے دارالعلوم دیکھا نہیں تھا۔ اس سے پہلے مکتب میں دن میں پڑھتے تھے اور رات میں ماں کی گود میں آ کر سو جاتے تھے اور دارالعلوم کا ماحول یہ تھا کہ وہیں کھانا تھا وہیں پینا تھا وہیں سب کچھ کرنا تھا۔ اس سے پہلے ہمارے کانو ں میں یہ بات ڈالی نہیں گئی تھی کہ تمہیں ہی سب کچھ کرنا پڑے گا اس لیے ایک ہفتے میں وہی ہوا کہ ''باندھے بنیاں بازار ناہی لاگت ہے'' چنانچہ ایک ہفتے میں سب رفو چکر ہو گئے، بے چارا میں ہی ایک ایسا غریب تھا جو ابھی تک میدان میں قدم جمائے ہوئے تھا اور وہ اس وجہ سے کہ بھلے ہی چھوٹا تھا لیکن اپنی ماں کی آنکھوں میں جو نور دیکھا تھا اسے غائب نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

خیر دو تین ہفتے تو مشکل سے گزرے لیکن اس کے بعد زندگی اپنے معمول پر آ گئی اور جیسے تیسے دو سال بیت گئے اور ان دو سالوں میں جہاں میں نے فَعَلَ فَعلًا اور ضَرَبَ سیکھا وہیں یہ بات بھی میرے ذہن میں آنے لگی کہ یہی دو سال اگر میں کسی بڑے مدرسے میں خرچ کرتا تو مجھے اور بھی بہت کچھ سیکھنے کو ملتا چنانچہ میں نے اپنے والدین سے بڑے مدرسہ میں جانے کی خواہش ظاہر کی لیکن انھوں نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ تم ابھی چھوٹے ہو۔۔۔ ہاں اتنی خواہش ضرور پوری کر دی کہ اس مدرسے سے نکال کر دوسرے مدرسے میں داخلہ دلوا دیا جو کہ تعلیم کے لحاظ سے اس سے تھوڑا مشہو رتھا۔ وہاں پر میں نے تین سال تک پڑھائی کی۔ امام صاحب

کے خطبہ کو کوئی سمجھ نہیں رہا تھا مگر لوگ سن رہے تھے اس چیز نے مجھے خیالات کے بھنور میں گرادیا اور ایک بات میرے ذہن میں گردش کرنے لگی وہ یہ تھی کہ آج کل جو علماءتقریر کرتے ہیں ان میں عوام کی کوئی دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ عوام صرف اس وجہ سے تقریر سنتے ہیں ہے کہ ان کو لگتا ہے کہ تقریر سننا ثواب ہے۔اور اسی طرح آج لوگ قرآن کو بھی صرف ثواب حاصل کرنے کی غرض سے پڑھتے ہیں اُس میں غور کرنے کا خیال بھی ان کے ذہن سے نہیں گزرتا بلکہ میں اپنے طور پر یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوں کہ لوگ آج پورے اسلام کے قوانین کو صرف اس وجہ سے مانتے ہیں کہ اس کے کرنے یا نہ کرنے کی وجہ سے ان کو جنت یا دوزخ ملے گی۔ اسلام کے قوانین کو کوئی بھی اس طور پر Follow نہیں کرتا کہ آخر اس میں حکمت کیا ہے؟ کیوں اللہ نے کسی چیز کو کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہے؟ ابھی میں انھیں خیالات میں الجھا ہوا تھا کہ اذان ثانی نے میرے کانوں میں سرگوشی کی اور لوگ صف بندی کے لیے تیار ہونے لگے۔

کچھ ہی دیر بعد لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایسے کھڑے ہوگئے گویا وہ ایک دوسرے کے بھائی ہوں اور اگر کوئی طاقت انھیں ایک دوسرے سے جدا کرنا چاہے تو وہ لوگ اپنی جان دے دیں گے لیکن ایک دوسرے سے جدا ہونے کے لیے راضی نہیں ہونگے مجھے وہ بات یاد آنے لگی جو میں نے ایک ناول کی ورق گردانی کرتے ہوئے پڑھی تھی کہ کچھ صحابہ تجارت کرنے کے لیے کافروں کے علاقے میں گئے جب ان کے نماز پڑھنے کا وقت ہوا تو وہ لوگ صف بندی کر کے کھڑے ہوگئے اور امام کی اتباع میں رکوع وسجود کرنے لگے اس منظر کو دیکھ کر وہاں کے کافر ایمان لے آئے کہ جس قوم میں اتنا اتحاد ہو وہ قوم جھوٹی یا غلط ہو ہی نہیں سکتی آخر انھیں یادوں میں میری نماز ختم ہوگئی اور مجھے پتہ بھی نہیں چلا۔

جو بات میرے لیے سب سے زیادہ بے چینی کا باعث بنی ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ میں کس مذہب یا قوم میں پیدا ہوا ہوں کہ جب لوگ مسجد میں رہتے ہیں تو بھائی کی طرح رہتے ہیں اور جیسے ہی باہر نکلتے ہیں ایک دوسرے کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے مجھے اس وقت یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ یہ لوگ خود کو دھوکا دے رہے ہیں یا اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں؟ خیر میں اس وقت چھوٹا تھا اور میرے عقل کی نشوونما کا زمانہ تھا اس وجہ سے میں نے سوچا حالات کو اپنے معمول پر چھوڑ دو ہوسکتا ہے کہ میں بھی بڑا ہو کر اس فلسفے کو سمجھ جاؤں۔

دلی خواہش

اس دور میں سائنسی علوم اور انگریزی کی تعلیم حاصل کرنا ہر شخص اپنی زندگی کی معراج سمجھتا ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ دنیاوی علوم کو حاصل کرنا۔ کیونکہ سائنس ہی ایسا علم ہے جو انسان کو بہت ساری سہولیات فراہم کرتا ہے ساتھ ہی ساتھ انسان کو دنیا والوں کی نظر میں محبوب بنا دیتا ہے۔ سائنس کے ذریعے ایسی ایسی ایجادات ہوئی ہیں کہ چودھویں صدی کا انسان اگر زندہ ہو جائے تو وہ دنیا کو پہچان ہی نہیں سکے گا اس نے اپنے زمانے میں بیل گاڑیاں دیکھی تھیں اب ہوائی جہاز ایجاد ہو چکے ہیں پہلے وہ چقماق کے ذریعے آگ جلاتا تھا آج بٹن دبانے سے آگ جل جاتی ہے خیر ایسی بہت ساری چیزیں ہیں جو ہمیں سائنس نے دیں اور اسی طرح انگریزی زبان کا بھی حال ہے آج ہر چیز انگریزی زبان میں تیار کی جاتی ہے کمپیوٹر انگریزی زبان جانتا ہے پوری دنیا کے لوگ انگریزی بولتے ہیں۔ اس لیے ہر انسان چاہتا ہے کہ یہ دونوں علوم مجھے حاصل ہو جائیں چونکہ میں بھی اسی دور کا ایک فرد ہوں اس لیے میری بھی خواہش ہوئی کہ ان دونوں علوم کو سیکھوں چونکہ میں مدرسے میں پڑھتا تھا اور وہاں دنیاوی علوم پڑھائے نہیں جاتے تو مجھے لگا شاید یہ علوم مسلمانوں کے لیے نہیں ہیں کیونکہ جب میں یہ حدیث طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة ' پڑھتا تھا تو اس کا ترجمہ کر دیا جاتا تھا '' علمِ دین کا سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے '' چونکہ یہ دونوں علمِ دین سے نہیں بلکہ دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے مجھے لگا یہ شاید ہمارے لیے نہیں ہیں، لیکن چونکہ دلی خواہش تھی اس لیے سوچا اچھا دیکھتا ہوں

اسلام میں دنیاوی تعلیم سے بچنے کے لیے کہا گیا ہے یا نہیں تو میرے سامنے سے ایک حدیث گزری جس میں لکھا ہوا تھا کہ جب جنگ بدر واقع ہوئی تو اس میں کچھ کافر قیدی بنے جن میں سے اکثر فدیہ دے کر چھوٹ گئے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے پاس پیسے نہیں تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ دس دس بچوں کو اپنی تعلیم دو اور آزاد ہو جاؤ چنانچہ انھوں نے اپنی تعلیم بچوں کو دی اور آزاد ہو گئے۔ اور ظاہر سی بات ہے کافروں نے دینی علم تو سکھایا نہیں ہوگا علم ریاضی، فلسفہ، وغیرہ وغیرہ یہی سکھایا ہوگا۔ اس حدیث کو پڑھنا تھا کہ ایک دوسرا سوال میرے ذہن میں گردش کرنے لگا اور وہ یہ تھا کہ پھر مسلمانوں نے علم کو دو حصوں میں کیوں بانٹ دیا حالانکہ اسلام خود لوگوں کو سائنس کی دعوت دیتا ہے اور قرآن میں اللہ تعالیٰ جگہ جگہ ارشاد فرماتا ہے کہ اپنے اجسام، دنیا اور اس کتاب میں غور و فکر کرو اور غور کرنے سے مراد سائنس ہی ہے۔ یہ موضوع ایسا تھا کہ اس پر کوئی کتاب بھی نہیں مل رہی تھی کیونکہ مسلمانوں کے یہاں یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ علم کے دو حصے ہیں ایک دینی علوم ایک دنیاوی علوم خیر جب بندہ کوئی چیز تلاش کرتا ہے تو اللہ اسے ہدایت دے ہی دیتا ہے۔ میرے ہاتھ ایک کتاب لگی جس میں صاف صاف لکھا تھا کہ اسلام میں علم کی کوئی تفریق نہیں بلکہ یہ کوئی سازش تھی جب انھوں نے غرناطہ میں مسلمانوں کی لائبریری دیکھی اور ان کی کتابوں کو برباد کر دیا تو انھوں نے یہ سازش کی کہ مسلمانوں میں یہ بات عام کر دو کہ تمہارے لیے صرف دینی علوم سیکھنا فرض ہے دنیاوی علوم تو صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں دلچسپی رکھتے ہوں اور جن کا آخرت پر ایمان چاہتا نہ ہو اور اس بات کو مسلمانوں نے قبول بھی کر لیا اور علم کو دو حصوں میں بانٹ دیا اور اس کے درمیان اتنا خلاء پیدا کر دیا گویا بیچ میں ندی ہو ایک کنارے

دنیاوی علوم اور دوسرے کنارے دینی علوم ۔ اگر کوئی انسان کہ ان دونوں علوم کو حاصل کرے تو اسے اس ندی کو پار کرنا پڑتا جو کہ ایک مشکل کام تھا۔

خیر جب میں اتنا قریب آ ہی گیا تو سوچا لگے ہاتھ یہ بھی دیکھ لوں کہ کیا اس ندی کو پار کرنے کے لیے مسلمانوں نے کوئی پل بنایا ہے یا نہیں۔ جب میری نظر اس پل کو تلاش کرنے لگی اور پورے ہندوستان میں گردش کرنے لگی تو مایوس ہو کر اپنے ٹھکانے پر آ گئی اور اسے کوئی ایسا پل نظر نہیں آیا جو ان دونوں علوم کو ملا سکے سوائے یہ کہ اگر تمہیں دنیاوی علوم سیکھنا ہے تو دینی علوم کو خیر آباد کہنا پڑے گا ۔اس وقت میں مدرسے کی زندگی جی رہا تھا اور عالمیت کا آخری سال تھا ایک دن میں نے اخبار میں دیکھا کہ ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان یہ تھا ''AMU میں برج کورس شروع ہونے کا امکان'' ابتداء میں مجھے لگا یہ بھی کوئی Professional Course ہوگا لیکن جب میں نے اس مضمون کو پڑھا تو پتہ چلا کہ میں جس پل کو پورے ہندوستان میں تلاش کر رہا تھا یہ تو وہی پل ہے بس نام تبدیل کر کے Bridge Course رکھ دیا گیا ہے جو کہ انگریزی زبان کا لفظ ہے اس مضمون کو پڑھ کر انتہائی خوشی محسوس ہوئی۔

برج کورس کی طرف رغبت

اس مضمون کو پڑھ کر میرے دل میں امید کی شمع روشن ہوگئی خیر میں ابھی مدرسے میں تھا اس لیے اس خواہش کو اپنے دل ہی میں رکھا اسی دوران ایک اور واقعہ پیش آیا جس نے دنیاوی تعلیم حاصل کرنے پر میرا ارادہ پختہ کر دیا۔ اس دن میرے چچازاد بھائی کی شادی تھی لوگ شادی میں شریک ہونے کے لیے دور دور سے آئے ہوئے تھے۔ گھر کے باہر چند کرسیاں پڑیں ہوئی تھیں جن پر لوگ بڑے سلیقے سے بیٹھے ہوئے تھے دیکھنے ہی سے معلوم ہوتا تھا کہ سارے لوگ پڑھے لکھے ہیں، چونکہ میری بچپن سے عادت رہی ہے کہ جہاں پڑھائی کی بات ہوتی وہاں میں ضرور بیٹھتا تھا لہٰذا میں نے بھی اپنی کرسی کو جنبش دی اور ان کے قریب ہولیا۔ وہ لوگ

آپس میں کسی موضوع پر بات کر رہے تھے اور درمیان میں انگریزی کے الفاظ بھی استعمال کر رہے تھے اس وجہ سے مجھے پوری بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی خیر میں اس وجہ سے ہاں میں ہاں ملاتا جارہا تھا تا کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ میں انگریزی نہیں جانتا ہوں ویسے تو عوام میں یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ مولوی انگریزی نہیں جانتے ہیں۔ آخر ایک صاحب نے Where are you from? کہہ کر میری پول کھولنے کی کوشش کر ہی ڈالی لیکن میں کہاں پیچھے ہٹنے والا تھا آخر مولوی طبقے سے تعلق رکھتا تھا!!!! چچی کے بلانے کا بہانہ کیا اور وہاں سے کھسک لیا اس دن تو میری عزت کسی طرح بچ گئی لیکن جو صدمہ میرے دل پر لگا وہ بہت گہرا تھا اور میں نے اسی دن سے پختہ ارادہ بنالیا کہ میں دنیاوی تعلیم ضرور حاصل کروں گا۔ رواں سال کے آخر میں کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ اگر تمہیں انگریزی سیکھنی ہے تو جمد اشاہی میں داخلہ لے لو وہاں انگریزی کی پڑھائی اچھی ہوتی ہے وہاں چھوٹی کلاسز میں انگریزی پڑھائی جاتی ہے اور عالمیت تک انگریزی کا سلسلہ بند کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا میں وہاں بہت کچھ سیکھا۔ اور عالمیت کے آخری سال میں میرے کچھ ساتھیوں نے برج کورس میں داخلہ لینے کا فیصلہ کیا کیونکہ برج کورس اسی سال شروع ہوا تھا اس وجہ سے داخلہ ہو جانے کی امید زیادہ تھی۔ میں بھی فارم ڈالنا چاہتا تھا مگر میرے گھر والوں نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ تم فضیلت مکمل کر لو اس کے بعد جہاں پڑھنے کا دل کرے چلے جانا۔ جب میرے ساتھیوں نے برج کورس کا امتحان دیا تو ان میں سے اکثر کا داخلہ ہو گیا۔ جب میرے ساتھی برج کورس میں زیرِ تعلیم تھے تو میں ٹہلنے کی غرض سے AMU آیا اور سات دن تک یہاں رہ کر ماحول کا جائزہ لیا۔ یہاں کے ماحول کو دیکھ کر میں نے دل میں ارادہ کر لیا کہ مجھے برج کورس میں ضرور داخلہ لینا ہے۔ اور آخری سال میں فارم ڈال دیا اور ٹیسٹ کی تیاری کرنے لگا۔

برج پر چڑھنے کی کوشش

آج ٹرین ایک گھنٹہ لیٹ تھی پلیٹ فارم پر مسافروں کا میلہ لگا ہوا تھا چونکہ میں آج اکیلا ہی سفر کرنے والا تھا اس وجہ سے کچھ الجھن سی محسوس ہو رہی تھی۔ مگر اپنے آپ کو دلا سا دیتا رہا کیونکہ کل ہی برج کورس کا ٹیسٹ تھا اور مجھے ہر حال میں وہ ٹیسٹ دینا تھا ویسے تو میں نے کچھ کتابیں بیگ میں رکھ لی تھیں لیکن ویسے بھی ٹرین میں کتاب پڑھنے کا عادی نہیں تھا اوپر سے اتنی بھیڑ تھی کہ کتابوں میں ذہن لگانا میرے لیے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔ جوں توں کر کے ایک گھنٹہ گزرا اور ٹرین پلیٹ فارم پر آ کر رک گئی اور میں نے اپنی سیٹ پر جا کر آرام کی سانس لی چونکہ اس وقت رات کے دس بج چکے تھے اس وجہ سے میں کھانا کھا کر اپنی سیٹ پر لیٹ گیا صبح سویرے ٹرین علی گڑھ پہونچ چکی تھی ٹیسٹ ۲ بجکر ۳۰ منٹ پر ہونا تھا اس لیے اپنے دوست کے پاس جا کر آرام کرنے لگا۔

ٹیسٹ وقت مقررہ پر شروع ہوا اور بچے امتحان گاہ میں جا کر بیٹھ گئے میں بھی اپنی رول نمبر والی کرسی پر بیٹھ گیا اور بہت ہی احتیاط سے پرچے کو حل کرنے لگا۔ وقت پورا ہوتے ہی کاپی لے لی گئی کیونکہ میں بھی کافی حد تک لکھ چکا تھا اس لیے بہت خوش دلی سے کاپی جمع کر کے امتحان گاہ سے باہر نکل آیا۔ باہر بچوں کے درمیان پرچہ کے تعلق سے کافی چرچے ہو رہے تھے لیکن میں نے اس کے تعلق سے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ امتحان تو دے ہی چکا تھا اب بحث کرنے سے کیا فائدہ۔ کچھ دن بعد رزلٹ بھی آ گیا جس میں میرا نام سرفہرست تھا اس کے بعد انٹرویو کی ندی کو پار کرنا تھا جو کہ میرے لیے پہلا تجربہ تھا۔

انٹرویو کے منازل

اس دن میں کافی نروس تھا چونکہ انٹرویو ۸ ؍ بجے شروع ہونا تھا اس لیے میں ساڑھے سات بجے ہی اس جگہ پر آ گیا جہاں انٹرویو ہونا تھا، باہر کرسیاں لگی ہوئی تھیں جن پر بچے بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے آخر ایک ایک کر کے انٹرویو ہونا شروع ہوا، تقریباً نو بجے میری بھی باری آئی، ڈرتے ڈرتے کمرے میں داخل ہوا۔۔۔ تین لوگ کرسیوں پر بیٹھ کر آپس میں گفتگو کر رہے تھے اس وقت مجھے ایسا لگا جیسے وہ لوگ آدمی نہیں منکر نکیر ہوں۔ ایک صاحب نے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں کرسی پر بیٹھ گیا (بعد میں پتہ چلا اشارہ کرنے والے ہمارے ڈائریکٹر صاحب تھے)۔

سب سے پہلا سوال یہ تھا، آپ کا نام کیا ہے؟ بڑی مشکل سے میری زبان پر اپنے نام کے چھ حروف آئے۔ دوسرا سوال، آپ برج کورس میں داخلہ کیوں لینا چاہتے ہیں؟ میں کافی نروس ہو چکا تھا بہت زور لگانے کے بعد جو آواز میری زبان سے نکلی وہ میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ شاید انھیں بھی میری حالت پر ترس آ گیا اور اب کی بار انھوں نے بہت ہی آسان سوال کیا۔ تمہارے کتنے بھائی ہیں؟ میں نے بڑی سنجیدگی اور متانت سے جواب دیا جی وہ چھ بھائی ہیں مجھے نکال کر پانچ ہی بچتے ہیں۔ اتنے آسان سوال کے بعد میں کافی حد تک نارمل ہو گیا تھا اس کے بعد دو تین سوال اور پوچھے گئے اور ایک بسکٹ اٹھا کر باہر جانے کا اشارہ کیا گیا۔۔۔۔ کانپتے ہوئے ہاتھ سے بسکٹ اٹھایا اور دوسرے کانپتے ہوئے ہاتھ سے پہلے کانپتے ہوئے ہاتھ کو تھاما اور باہر نکل گیا۔ باہر جا کر مجھے ایسا محسوس ہوا گویا میں شیر کے پنجے سے چھوٹ کر آیا ہوں۔

خواب کی تعبیر

انٹرویو کے درمیان جو میرا حال تھا اس سے مجھے بالکل یقین ہو گیا تھا کہ میں برج کورس کے لائق نہیں ہوں لیکن پتہ نہیں انٹرویو کمیٹی نے مجھ میں کیا دیکھا جس کی وجہ سے انھوں نے مجھے سلیکٹ کر لیا، جب میں نے اپنا نام Selection List میں دیکھا تو میرا حال ویسا ہی ہوا کہ جیسے کسی کو پانی کی نا امیدی نے نڈھال کر دیا ہو اور اچانک اس کے سامنے چشمہ پھوٹ پڑے ہوں۔ خیر مجھے برج کورس میں داخلہ مل گیا۔

ہاسٹل کے جس کمرے میں جگہ ملی وہ ۸/ بچوں کے لیے الاٹ کیا گیا تھا جس میں میرے پہچان کے تین لڑکے تھے، سعید اللہ، ابوعبیدہ اور خلیل الرحمٰن ورنہ سارے کے سارے اجنبی تھے سونے سے پہلے انھوں نے کپڑے تبدیل کیے اور ایک ایک کر کے لنگی اور بنیائن پہن کر بیٹھ گئے۔ پہلے انھوں نے اپنے اپنے کیس کھولے اور ضرورت کے سامان کو نکال کر اپنی اپنی جگہ پر سیٹ کرنا شروع کر دیا اس سے فارغ ہو کر آپس میں بڑی دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ کھانا تو باہر سے سبھی کھا کر آئے تھے، بستر پر لیٹ کر اگر ایک لڑکا ڈکار لیتا تھا تو باقی سبھی اس کے مقابلہ میں زور زور سے ڈکارتے تھے، رفتہ رفتہ کمرے کی فضا میں خاموشی تحلیل ہو گئی اور سارے لوگ چادر میں منھ لپیٹ کر سو گئے۔

میری پہلی کلاس

صبح ۹ ربجے کلاس شروع ہوتی تھی اس لیے جلد ہی اٹھ کر ضروریات سے فارغ ہوگیا اس دن برج کورس میں میرا پہلا دن تھا۔ چونکہ مدرسہ میں پہلے دن مٹھائی تقسیم کر کے کتاب شروع کردی جاتی تھی ویسے ہی یہاں بھی سمجھ رہا تھا۔ لہٰذا میں پہلی صف کو چھوڑ کر دوسری صف والی کرسی پر جا کر بڑے اطمینان سے بیٹھ گیا جب استاد آئے تو سب بچے کھڑے ہو گئے انھوں نے آتے ہی سب سے پہلے اپنا تعارف کروایا اس کے بعد سب بچوں سے کہا کہ اپنا اپنا تعارف انگریزی زبان میں کروائیں۔ یہ سنتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں اتنی تیز ہوگئیں گویا مجھے اسی وقت HeartAttack آجاتا، بھلا ہو میری اس کرسی کا جو ایک صف کے پیچھے تھی جس کی وجہ سے مجھے کچھ سکون ملا، لہٰذا جوں جوں طلبہ انگریزی بولتے جاتے میں لکھ کر اسے یاد کرتا جاتا آخر مجھے انگریزی کے دو جملے تو یاد ہو ہی گئے لیکن خوف کا عالم یہ تھا کہ جب میری باری آئی تو مجھے وہ جملے یاد رہے لیکن میں اپنا نام ہی بھول گیا۔

علی گڑھ تہذیب

چونکہ ہم مدرسے سے آئے تھے اس لیے وہاں کا کلچر ہمارے لیے گویا ہمارے اعتقاد سے بڑھ کر تھا اسی کلچر میں کرتا پاجامہ شامل تھا، چونکہ برج کورس پہلے ہی بہت ساری مصیبتوں میں گھرا ہوا تھا اس لیے ڈائریکٹر صاحب نے چاہا کہ ہم جلد ہی یونیورسٹی کے ماحول میں گھل مل جائیں لیکن یہ کہاں ممکن تھا ہماری میراث بھی کچھ معنی رکھتی تھی!!! آخر کار جب ہم نے اپنی میراث کو نہیں چھوڑا تو ڈائریکٹر صاحب نے یہ فیصلہ کیا کہ اس پر ایک Debate کی جائے کہ آخر کرتا پاجامہ ہی اسلامی شعار ہے یا اس کے علاوہ ہم دوسرے لباس پہن سکتے ہیں؟ اس موضوع پر کافی بحث ہوئی اور
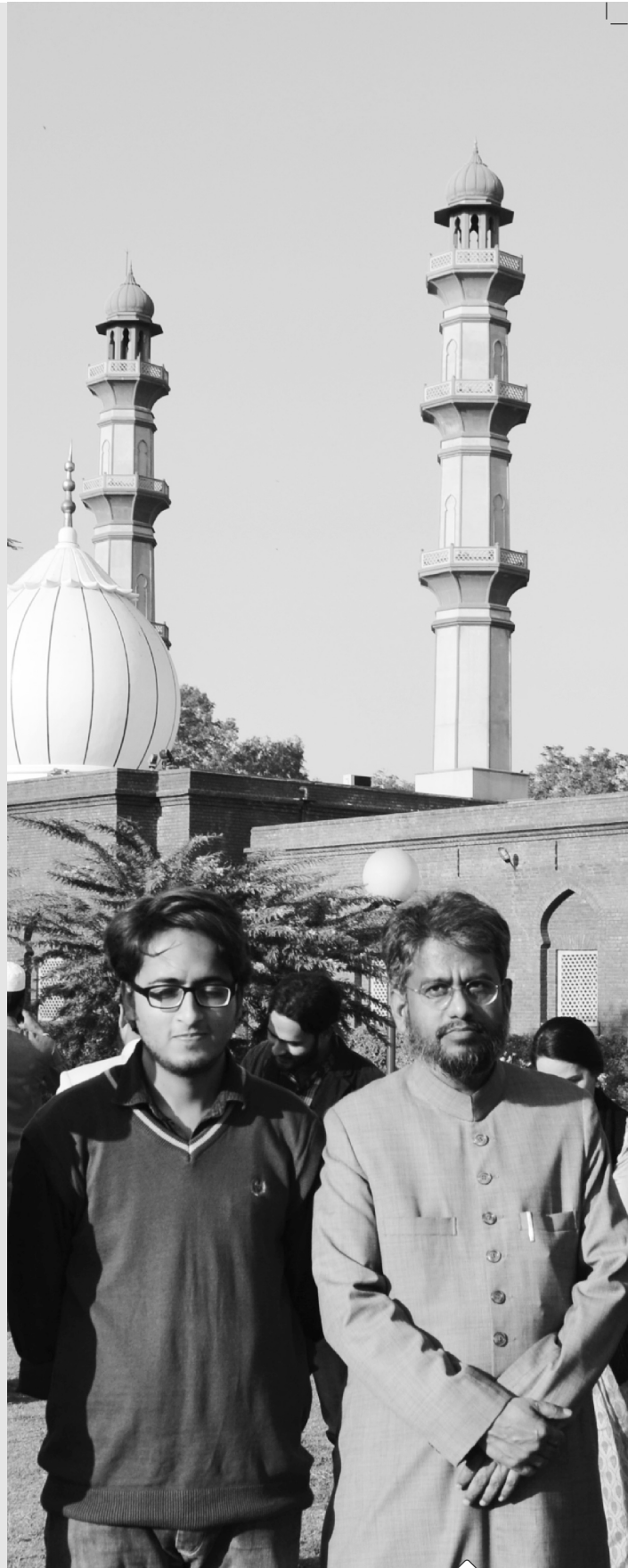
مختلف آراء سامنے آئیں جن میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو یہ کہتے تھے کہ کرتا پاجامہ کے علاوہ دوسرے لباس ہم پہن سکتے ہیں اسلام میں لباس کی کوئی پابندی نہیں۔ اس اکثریت میں بھی شامل تھا اور مجھ جیسے نامعقول کی دلیل یہ تھی کہ کیا صحابہ کرام کرتا پاجامہ پہنتے تھے؟ وہ تو چادر یا لنگی پہنتے تھے لہٰذا اگر ہمیں اسلامی لباس پر عمل کرنا ہے تو ہمیں لنگی پہننا چاہیے لیکن ہمارے مدرسوں میں بڑی سختی سے لنگی پر پابندی لگائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس سے پتہ چلا اسلام میں کوئی لباس مخصوص نہیں ہے۔

برج کورس کی کلاسیز

برج کورس میں کلاس صبح ۸ ربجے سے شام ۷ ربجے تک ہوتی تھی۔ دوپہر میں دو گھنٹے کھانے اور قیلولہ کے لیے مل جاتے تھے۔ اساتذہ بڑی محنت اور نہایت ہی اپنائیت ومحبت سے پڑھاتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ فارغین مدارس کو پڑھانا کارِثواب سمجھتے تھے۔ شروعات میں ساری کلاسز میں صرف انگریزی پڑھائی جاتی تھی کیونکہ ہمیں انگریزی بہت کم آتی تھی۔

مدرسے میں تو خیر میں کسی نہ کسی طرح اندھوں کا راجہ بن بیٹھا تھا لیکن برج کورس میں آکر ساری شیخی کرکری ہوگئی تھی۔ وہ اس وجہ سے کیونکہ میری انگریزی بہت کمزور تھی اوپر سے نہ میری Pronunciation ٹھیک تھی اور نہ زبان گھما گھما کر، ہونٹ سکیڑ سکیڑ کر، حلق توڑ مروڑ کر انگلو انڈین لہجے میں انگریزی بولنا ہی میرے بس کا روگ تھا۔ شام کی کلاس بڑے سکون سے ہو جاتی تھی کیونکہ اس میں پڑھنا نہیں صرف سننا رہتا تھا ہوتا یوں تھا کہ ہمیں انگریزی میں ویڈیو دکھائی جاتی پھر اس کے بارے میں ہمیں اپنی طرف سے کچھ لکھنا رہتا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ ہم انگریزی پڑھنے کے ساتھ ساتھ سننا اور بولنا سیکھ جائیں۔

انسان جب کوئی نئی چیز سیکھنا چاہتا ہے تو ابتداء میں وہ کام بہت مشکل نظر آتا ہے، لیکن جب وہ اس کو انجام دے لیتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے یہ کام کتنا آسان تھا۔ یہی مسئلہ انگریزی کے ساتھ تھا کہ ابتداء میں بہت مشکل لگتا تھا لیکن اب الحمدللہ اساتذہ کی شفقت اور اپنی محنت سے ہم انگریزی بولتے بھی ہیں اور لکھتے

بھی ہیں۔ یہاں کلاس میں جو بات مجھے بہت اچھی لگی وہ یہ تھی کہ سوال کرنے پر اساتذہ ناراض نہیں ہوتے تھے۔ اب چاہے وہ ذاتی سوال ہو یا پڑھائی کے تعلق سے عقل مند سوال کرے یا کند ذہن۔ اساتذہ بہت نرمی سے جواب دیتے تھے۔ اس سے پہلے جہاں میں پڑھتا تھا وہاں اگر کوئی بچہ سوال کرتا تو گستاخی ضرور ہو جاتی تھی اور اگر گستاخی نہ بھی ہو تو اتنا ضرور خیال رکھا جاتا تھا کہ پوچھنے والا کون ہے اور کیا پوچھا ہے؟ اگر پوچھنے والا کند ذہن نکلا تو جواب دینے کے بجائے اس کی تذلیل کی جاتی اور اگر جواب مل گیا تو خدا کا شکر۔

برج کورس میں ڈیبیٹ

آج کے دور میں مسلمانوں کا حال قابلِ رحم ہے جہاں بھی دیکھئے مسلمان ظلم وستم کا نشانہ بنائے جارہے ہیں۔ روزانہ ایک تہائی اخبار کے اوراق اسی موضوع پر رہتے ہیں کہ فلاں جگہ مسلمان مارے گئے فلاں جگہ مسلمانوں کو بے عزت کیا گیا فلاں جگہ مسلمانوں کے پیغمبر کے بارے میں نازیبا کلمات کہے گئے۔

افسوس تو اس وقت ہوتا ہے جب ہم اخبار میں پڑھتے ہیں کہ کسی مسلم کو ستایا گیا تو ہمارا خون ابل پڑتا ہے، لیکن جوں ہی ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی اور فرقے سے تعلق رکھتا ہے تو خون ماند پڑ جاتا ہے اور یہی سب سے بڑی وجہ ہے مسلمانوں کے پستی کی طرف جانے کی اور رسوائی سے دوچار ہونے کی لہٰذا ہمیں متحد ہو جانا چاہیے۔ ہر مسلمان یہ چاہتا ہے کہ کسی بھی حال میں کچھ ایسا حل نکالا جائے جس کی وجہ سے مسلمانوں کا حال بحال ہو سکے یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ لیکن اس ضرورت کو کیسے پورا کیا جائے یہ سب سے بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔

چونکہ ہم طلبہ برج کورس مختلف فرقوں سے آئے تھے اس کورس میں پڑھنے والے (دیو بندی) بریلوی، سلفی، ندوی مختلف نظر و فکر سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ایک عالمیت یا فضیلت کی سند اپنے ہاتھوں میں لے کر آیا تھا اس وجہ سے ہمارے ڈائریکٹر راشد شاز صاحب چونکہ پہلے سے ہی مسلمانوں کے بارے میں فکر مند تھے ان کی ہمہ وقت کوشش رہتی تھی کہ مسلمان کسی طرح متحد ہو جائیں۔ انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اس سے فائدہ

اٹھانے کی بھرپور کوشش کی اسی لیے انھوں نے فیصلہ کیا کہ ہفتے میں سنیچر کے دن طلبہ کے درمیان Debate ہوتا کہ ہمارے درمیان جوشکوک وشبہات ہیں وہ رفع ہوجائیں اوروہ مسائل جن کی بنا پر ہم ایک دوسرے کو کافر گردانتے ہیں ٹھنڈے دل سے ان مسائل پرغور کیا جائے اورایک صحت مند ڈیبیٹ ہوسکے۔

چنانچہ شروع میں ہم طلبہ کے درمیان کافی بحثا بحثی ہوئی اور حال یہ ہوجاتا تھا کہ ایک دوسرے پر ہاتھ کھینچ لیتے تھےلیکن اساتذہ کی نگرانی کی وجہ سے معاملہ رفع دفع ہوجاتا تھاوہ اس وجہ سے ہوتا تھا کہ ہم جن مدارس سے آئے تھے، وہاں دوسرے فرقے سے شدت اختیار کرنے کا ماحول تھا۔ اس شدت کا حال یہ تھا کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے سلام کرنا تو کفر جانتے تھے۔لیکن آج حالت یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے سے سلام بھی کرتے ہیں اور ہر مسئلہ کوٹھنڈے دل سے حل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ بلکہ بہت سی باتیں جو مدرسے میں ایک دوسرے کے خلاف سنتے چلے آرہے تھے ان کورفع دفع کرچکے ہیں۔

بہت افسوس کی بات ہے کہ ابھی تک مسلمان Inter-faith ڈبیٹ کرتے تھے لیکن اب حال یہ ہے کہ Intra-faith ڈبیٹ کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ جب مسلمانوں کے اندر آپس میں امن وامان نہیں ہے تو وہ دوسروں کو امن کا پیغام کیا دیں گے؟ بہر حال یہ ایسا وقت ہے جس میں مسلمانوں کو کچھ کرنا ہی ہوگا۔ کسی کو آواز اٹھانی ہی ہوگی۔ کچھ لوگ آواز اٹھانا بھی چاہتے ہیں لیکن ان کی آواز اس وجہ سے گلے میں اٹک کر رہ جاتی ہے کہ ہم کس کو متحد کریں؟ جب ایک مسلمان کہلانے والا دوسرے اللہ کے نام لیوا کو کافر کہتا ہے۔ ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر ہم ایک اللہ اور اس کے رسول کو مانتے ہوئے بھی الگ الگ گروہوں میں کیوں بٹے ہوئے ہیں؟ ظاہر سی بات ہے کچھ تو وجوہات ضرور ہونگی جن کی وجہ سے ہم گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں لہٰذا ہمیں ان وجوہات کو ظاہر کرکے جو بھی Miss Understanding ہورہی ہے اسے دور کرنا چاہیے۔ کیوں کہ جب تک غلط فہمی دور نہیں ہوگی ہم لاکھ اتحاد کی بات کریں اتحاد

ممکن نہیں اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے ہمارے درمیان سنیچر کے دن Debate ہوا کرتی تھی جس کا بہت زیادہ فائدہ ہوا اس فائدہ کو اگر کسی کو دیکھنا ہے تو برج کورس میں آ کر دیکھ سکتا ہے۔

برج کورس کی خصوصیات

برج کورس سے ہم طلبہ کو بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا جہاں ہم نے برج کورس میں انگریزی، ریاضی، سائنس سیکھی وہیں ایک اور علم سے ہمیں متعارف کروایا گیا جس کو ہم Critical Thinking کہہ سکتے ہیں یہ Thinking ہمیں ہمارے ڈائریکٹر پروفیسر راشد شاز صاحب نے دی۔ صبح کی کلاس میں ایک گھنٹی راشد شاز صاحب کی بھی تھی جس میں ہمیں وہ یہ بتاتے تھے کہ آج مسلمان کن حالات سے دوچار ہو رہے ہیں دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتاتے تھے کہ اپنے آباؤ اجداد کے ورثہ کو لے کر بیٹھ جانا ہی سب کچھ نہیں ہے اصل علم تو وہ ہے جو تم خود حاصل کرو وہ ہمیشہ سے یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح امتِ مسلمہ کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے اور مسلم آپس میں متحد ہو جائیں اسی لیے انھوں نے ایک کانفرنس بھی قائم کی جس میں طرح طرح کے آراء سامنے آئے کہ کس طرح مسلمان متحد ہو سکتے ہیں۔ برج کورس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ہم طلبہ مدارس کے لیے عصری تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایک دروازہ کھول دیا جس میں داخل ہو کر ہم سبھی عصری تعلیم حاصل کر سکتے ہیں ڈائریکٹر صاحب نے جو ہمیں Thinking دی وہ بہت ہی قابل تعریف ہے اسی کی وجہ سے آج ہم ایک دوسرے سے الفت ومحبت کرتے ہیں۔ ڈائریکٹر راشد شاز صاحب کی شخصیت خلوص، دیانت، اور امانت کا مرقع ہے۔ ان کی آنکھوں میں عقاب کی تیز نگاہی ہے اور دل میں جذبات کی طغیانی۔ اسلام پر ان کا اصل ایمان ہی نہیں بلکہ عملی زندگی میں بھی مسلمانوں کے بڑے خیر خواہ ہیں۔ اسلام کے بعد ان کا جز ایمان مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بہت قیمتی وقت ہم طلبہ کی زندگی سنوارنے میں لگا دیا جس کو ہم طلبہ برج کورس کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

Sir Syed Academy, A.M.U., Aligarh

نعیم احمد

میری پیدائش مظفر نگر ضلع کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''پیمورہ'' میں ہوئی میرا گھرانہ روایتی طور پر علم دین سے آراستہ، سبھی چھوٹے بڑے حضرات مکاتب ومدارس سے کسی نہ کسی طور پر جڑے ہوئے، اسی روایت کی پابندی مجھے بھی کرنی پڑی، میری عمر تقریباً پانچ سال رہی ہوگی کہ ایک مکتب جو ہمارے گھر کے قریب میں واقع تھا۔ مجھے وہاں حصول علم دین کی غرض سے داخلہ دلایا۔ میں نے اسی کم سنی میں جب کہ تعلیم وتعلم کے طور طریقے سے بالکل ناآشنا تھا ناظرہ کی تعلیم حاصل کی وہاں سے ناظرہ کی فراغت ہوئی تو گاؤں کے قریب ''تیوڑہ'' مدرسہ میں حفظ کی تعلیم کے لیے بھیجا گیا حفظ کی تعلیم کے مکمل ہونے کے بعد فارسی اور پھر عربی کی تعلیم تسلسل کے ساتھ جاری رہی سال ششم میں دارالعلوم دیوبند پہنچا۔ ابھی تک زندگی صرف والدین کے مقصد کے تحت گذر رہی تھی آخر دورہ حدیث شریف کے سال یہ فکر لاحق ہوئی کہ اب جب کہ عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ گذر گیا ہے لیکن معاشرتی طور پر ہو، یا پھر معاشی طور پر کوئی حیثیت حاصل نہ ہوئی اور اہل عصر کے چیلنج کے جواب کی تیاری بھی ابھی نامکمل نظر آ رہی تھی تو مجھے یہ خیال ہوا کہ کیوں نہ ابھی علم کے سمندر میں غوطہ زنی کریں اور باقی تشنگی کو بجھائیں لیکن چشم انتخاب پریشان تھی کہ آخر جدید علوم کی حصول یابی کے لیے کہاں جائیں۔ ابھی یہ خیالات ذہن وفکر کی گردش میں تھے کہ

اچانک ایک مشاورتی مجلس میں اس بات کا علم ہوا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہم طلباء کے لیے ایک برج کورس قائم کیا گیا ہے جس میں انگریزی زبان سے واقفیت کا بہتر بندوبست کیا گیا ہے اسی شش و پنج کی کیفیت میں علی گڑھ کا رخ کیا اور داخلہ کی جستجو میں کلفتوں کے بعد پہنچا۔ یہ سفر علی گڑھ کے لیے میرا نیا سفر تھا اللہ وحدہ لاشریک کے فضل سے میرا انتخاب برج کورس میں ہوگیا ۲۴، ۲۵ر اگست کو داخلہ کی کاروائی مکمل ہوئی اور ۲۷ر اگست سے درسگاہ میں پہلی حاضری کا موقع حاصل ہوا۔ درسگاہ کا ماحول بہت ہی خوش گوار اور پرسکون تھا۔ اساتذہ کی سنجیدگی، شائستگی کافی دل ربا تھی وہیں طلبہ وطالبات کی درسیات پر توجہات ایک ناقابل بیان منظر تھا ایسا محسوس ہورہا تھا کہ یہاں ہر پیاسے کو ساقی اور ساقی کو تشنہ لب میسر ہوں ہر چیز تعاون کرتی نظر آرہی تھی۔ یہ ایک نئے سفر کا آغاز تھا جو کبھی کبھی تشویش ناک بھی معلوم ہوتا تھا کہ کہیں ماضی میں حاصل کردہ علوم سے دامن خالی نہ ہو جائے یہ فکر اور یہی تشویش ہونی بھی چاہیے تھی اس لیے کہ ماضی کا سرمایہ بہت ہی قیمتی ہوتا ہے جس مستقبل کی تعمیر میں معین وممد ثابت ہوتا ہے اس کے حل کی تلاش میں ہر وقت کسی مخلص کی آمد کا انتظار بھی رہتا تھا کہ کوئی تو ہو جو اس شجر کی آبیاری کرے جس کو ہم نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان سوالات کے جوابات کی طلب بھی بڑھ رہی تھی جو چند مختلف افکار کے لوگوں کے ایک ساتھ جمع ہونے سے ذہن ودماغ میں جنم لے چکے تھے کہ جب ہم ایک ہی کشتی کے سوار ہیں تو پھر کیوں کر ہمارے درمیان اتنے فاصلے بن گئے کہ ہم اس میں ہی دست وگریباں ہوئے، آخر کیا وجوہات ہیں کہ ہم ایک نبی کو ماننے والے، ایک قرآن پر عمل کرنے والے، اور ایک اللہ کو ماننے والے، کیوں کر ٹکڑوں میں تقسیم ہوئے کہیں ہم نے بہت سی غیر اہم باتوں

کو بہت زیادہ اہمیت کا حامل تو نہیں سمجھ لیا۔ یہ سب باتیں سوالات کی شکل لے چکی تھیں اور ہر لمحہ، ہر آن مطمئن کرنے والے جوابات کی جستجو بڑھ رہی تھی۔ کہ تبھی ڈائریکٹر راشد شاز صاحب کی آمد درسگاہ میں ''بین المسالک اور بین المذاہب'' کے حوالہ سے ہوئی۔

درسِ راشد شاز ایک نظر میں

راشد شاز صاحب کا درس ہوا تو لگا کہ کچھ غلط فہمیاں ضرور ہیں جن کی وجہ سے ہم سب جو ایک نبی کے امتی ہونے کے باوجود فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں انھوں نے طلبہ کو الجھے ہوئے مسئلوں پر سوچنے کا جو انداز دیا وہ بہت ہی بہتر اور سود مند ثابت ہوا، بہت ہی انوکھا طرزِ فکر اور سوچنے کا اچھوتا انداز دیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتایا کہ اختلافات کے ازالہ کی بہتر شکل یہ ہے کہ دوریاں کم کی جائیں اور ایک دوسرے کے قریب آیا جائے، اپنے مابین گفتگو کا سلسلہ جاری رکھیں، اور ایک بہت ہی بہتر طریقہ یہ دیا کہ اپنے درمیان مفاہمت کے دوران شدت سے کام نہ لیں، بلکہ اخوت و ہمدردی کا لحاظ رکھیں، آپکا انداز مناظرانہ نہ ہو بلکہ اخوت و ہمدردی کا لحاظ رکھیں اور ساتھ ہی حقیقت تک پہنچنے کی طلب ہو اور اگر ہم میں سے کوئی بھی انسان ہونے کے ناطے اپنی کم علمی، کم فہمی یا کج فہمی کی وجہ سے کسی غلط راہ پر چل پڑے ہیں تو غیر کی راہ نمائی میں بھی اپنے قافلہ کو صحیح راہ پر ڈالنے میں گریز نہ کریں۔ کھلے ذہن کے ساتھ حق کی جستجو میں اپنے آپ کو فنا کر دینا چاہیے، یہ سب وہ انوکھے اصول ہیں جن کو اپنا کر دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود میسر ہو سکتی ہے ورنہ تو انسان بڑے خسارہ میں ہے۔

حدیث کے سلسلہ میں راشد شاز کا نقطۂ نظر

ہم مسلمانوں کو چاہیے ذخیرۂ احادیث پر نظر رکھیں۔ اقوال نبی کسی بھی فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی کتاب میں موجود ہوان اقوال نبی کو یہ ثابت ہونے کے بعد کے یہ احادیث نبوی ہیں یہ قول نبی

ہیں بہر صورت ہمیں ان احادیث کو قبول کرنا چاہیے۔ قطع نظر اس سے کہ ان احادیث کا تعلق کس مکتبۂ فکر کے لوگوں کی کتابوں سے ہے، یا کس مسلک اور فرقہ کی کتابوں میں ان کا وجود ثابت ہوا ہے، بلکہ ہماری پوری توجہ ذخیرۂ احادیث پر ہو کہ ہم انہیں حاصل کریں اور ان کی روشنی میں زندگی گذارنے کی کوشش کریں۔ یہ ایسا نقطۂ نظر ہے کہ اسے نہ تو عقلاً رد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی دینی اعتبار سے اس کی تردید مناسب معلوم ہوتی ہے۔

قرآن کریم مکمل دستور حیات

قرآن کے متعلق یہ درس بہت ہی روح افزائی کا حامل رہا ہے کہ قرآن کو صرف عقیدت سے نہ پڑھیں بلکہ وہ حکمتوں سے بھری ایک کتاب ہے جو ہر زمانہ میں بندوں کی راہ نمائی کرتی ہے۔ پہلوں نے اس سے اپنا حصہ لیا اور ہمیں چاہیے کہ ہم لوگ اس زمانہ میں ہر میدان میں قرآن کی راہ نمائی میں اپنا سفر طے کریں اور جو کچھ اکابرین نے سمجھا ہے اسکو حرف آخر نہ سمجھیں بلکہ مزید غور وخوض، تدبر و تفکر کا سلسلہ جاری رکھیں جیسا کہ قرآن خود تفکر و تدبر کی تعلیم دیتا ہے اور یہ تعلیم خاص کسی زمانہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر زمانہ کے لوگوں کو اس کی تعلیم کا مکلّف بنایا گیا، یا جبکہ قرآن زمین کے ایک خطے پر بسنے والوں، یا کسی خاص مسلک اور مذہب سے تعلق رکھنے والوں کے لیے نہیں بلکہ اس کا فیض ہر ایک کے لیے عام ہے جیسا کہ قرآن شریف نے خود اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ”ان ھو الا ذکر للعالمین“ قرآن ایسا سمندر ہے جو بھی اس میں غوطہ زنی کرے گا گوہر اسی کو ملیں گے اور ہر وقت، ہر زمانے کے لحاظ سے اس میں وہ رموز مضمر اور پوشیدہ ہیں جن کی ضرورت بندوں کو کبھی بھی اور کہیں بھی ہوسکتی ہے۔ اور جو کچھ ہمارے اکابرین نے اس سے لیا ہے انھوں نے اپنی ضروریات کے مطابق لیا ہے جب کہ ہمیں اس سے اپنا حصہ لینا چاہیے اس لیے قرآن مکمل دستورِ حیات ہے ان سب باتوں نے دماغ کے دریچوں کو کھول کر رکھ دیا اور اس نظریہ سے تمام معلومات کو مرتب کر دیا اس لیے یہ وہ حق نظریہ جس کا قرآن کریم خود درس دیتا ہے اور بار بار متنبہ کرتا ہے۔

انتظامیہ کی سب کے ساتھ مساوات

یہاں کی انتظامیہ بہت فعال، متحرک، اور محنتی ہے وہ ہر وقت ہر طالب علم کے لیے مکمل طور سے تعاون کے لیے کوشاں رہتی ہے۔ اور ہر اس ضرورت کو پورا کرتی ہے جس کو وہ محسوس کرتے ہیں۔ اور اس تعاون میں کبھی ان کے کسی بھی عمل سے کسی کے ساتھ عصبیت نظر نہ آئی۔ کہ خاص کسی مکتبہ فکر کے لوگوں کو نظر انداز کر دیا جائے یا کچھ مخصوص لوگوں سے بہت بہتری کا سلوک کیا جائے کہ جس کا حصہ دوسرے لوگوں کے لیے مناسب نہ ہو یہ سب وہ ادائیں تھیں جنہوں نے دل جیت لیا۔ اور کیوں کر نہ ہو جبکہ پوری اسلامی شریعت اسی کا درس دیتی ہے کہ ہر کسی کے ساتھ مساوات اور برابری کی جائے کسی کو کسی پر خاص فوقیت حاصل نہیں ہے الا یہ کہ متقی ہو۔ اور تقوی کا بدلہ تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے۔ بہر حال برج کورس کی پوری انتظامیہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ جن کی بے پناہ محنتوں نے اس علمی سفر میں وہ کردار ادا کیا ہے جو بہت کم لوگوں کو اس طرح کی ہم دردی کرتے دیکھا ہے۔

اساتذہ کی محنتوں اور خلوص پر ایک نظر

برج کورس کے تمام اساتذہ چاہے وہ شروع سے درس دیتے رہے ہوں یا پھر درمیان سال میں انھوں نے پڑھانا شروع کیا ہو، ان کے ہر عمل سے ایسا ظاہر ہوتا کہ گویا وہ لوگ ہمیں خاص کسی ایسے میدان کے لیے تیار کرنے میں جٹے ہیں جو میدان صرف ہمارے لیے ہی خاص ہے اور ہم سے وہ امید باندھے ہوئے ہیں جن امیدوں پر ہم مستقبل میں کھرے اتریں گے۔ ان کی شب و روز کی محنتیں قابل صد مبارک باد اس لیے کہ انھوں نے اپنی مخصوص مشغولیات کے باوجود ہم طلبہ کے لیے وہ وقت نکالا جو کہ انسان اپنے اس قیمتی وقت کو کسی قیمت پر دوسروں کے لیے کسی مادی غرض کے بغیر خرچ نہیں کرتا یہ ان کے خلوص اور ہم دردی کی بات نہیں تو کیا ہے؟ بار بار سوالات کرنے پر اور ہر طرح کے علمی تعاون لینے پر ان کے چہرے پر کبھی شکن تک نہ آئی۔ ان اساتذہ نے وہ مثال قائم کی جو دنیا کے کسی خطے کے اساتذہ نے شاید نہ کی ہو، ان کی تمام تر کاوشوں کا ہم تہ دل سے احترام کرتے ہیں اور ان کے لیے صحت و سلامتی اور لمبی عمر کی دعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اساتذہ کا ظل عاطفت ہمارے سروں پر تادیر قائم فرما اور ان کے ذریعہ برج کورس کو پروان چڑھا۔ آمین۔

گفتگو کا حاصل

گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ برج کورس یہ ایسی درس گاہ ہے جہاں ماضی قریب کی کھوئی ہوئی قیادت، سربراہی، اور نئے علوم کی ایجادات کا مزاج جو ہم تقریباً کھو چکے ہیں۔ یہ تمام چیزیں مستقبل قریب میں ہمیں واپس دلا سکتی ہے یہ درس گاہ صرف علمی درس گاہ نہیں ہے بلکہ مستقبل قریب میں ہم طلبہ کے سروں پر عزت کے وہ تاج پہنانے کی درس گاہ ہے جو ہم چند وجوہات کی بنیاد پر کھو چکے ہیں آیئے ہم سب مل کر اس عظیم درس گاہ کے لیے ہر طرح کے فکری، عملی تعاون میں حصہ لیں اور اللہ رب العزت سے دعاء کریں اس قافلہ کے لوگوں کو وہی عزت بخش دیجیے جو ہم اپنی غفلت کی وجہ سے کھو چکے تھے۔ آمین۔

شرافت حسین

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ انسان کی زندگی مختلف مراحل وتجربات سے عبارت ہوتی ہے۔زندگی میں انسان جن حالات و واقعات کا سامنا کرتا ہے ان کا کوئی نہ کوئی نقش اس کے دل ودماغ پر ضرور پڑتا ہے۔ بسااوقات یہ نقوش بہت گہرے اور مستقبل کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔لہذا یہ ذکر کرنے سے پہلے کہ میری زندگی میں برج کورس کے کیا اثرات مرتب ہوئے اور اس کے بارے میں میرے تاثرات کیا ہیں ،اپنے پورے علمی سفر کا مختصر خاکہ پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔اس امید کے ساتھ کہ:

مری ٹھوکروں نے آخر نئے راستے بنائے
یہ سواد کوئے جاناں بڑی پُر خطر تھی پہلے

مادر علمی کی دریافت

یہ شاید میرے والدین کی اچھی تربیت کا نتیجہ تھا کہ میں بچپن سے ہی علم کا شوقین اور کتابوں کا دلدادہ تھا۔میرے ہم جماعت گو کہ مجھ سے زیادہ اونچے گھرانوں سے وابستہ تھے اور انھیں تعلیمی سہولیات بھر پور ملتی تھیں مگر پھر بھی میں ان میں سب سے زیادہ فائق اور ممتاز سمجھا جاتا تھا۔میری ذہانت اور تعلیم میں میری ابتدائی کامیابی کو دیکھتے ہوئے والدین نے حفظِ قرآن کے لئے

گاؤں ہی کے ایک چھوٹے سے مدرسے میں میرا داخلہ کرادیا تھا ۔میری ابتدائی تعلیم والدین کی شفقت کے زیر سایہ مکمل ہوئی اور سن رشد کو پہنچنے سے قبل میں حافظِ قرآن ہو چکا تھا۔ابھی اہل خانہ مبارک باد اور تہنیت سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ میرے ماموں اور گھرانے کے صاحب رائے افراد میرے روشن مستقبل کے لئے فکر مند ہو گئے۔مختلف تجاویز پر تبادلۂ خیال کے بعد یہ فیصلہ طے پایا کہ مجھے کسی دینی درسگاہ میں داخل کر دیا جائے۔میں ابھی شعوری طور پر اتنا پختہ نہیں تھا کہ میں اپنی کوئی رائے قائم کر پاتا۔اگر سچ کہوں تو میرے والد صاحب کی مرضی نہیں تھی کہ میں صرف دینی تعلیم حاصل کروں۔وہ ہمیشہ سے یہی چاہتے تھے کہ میں کسی ایسے ادارے میں پڑھوں جو دین و دنیا دونوں کا جامع ہومگر دیگر اہل خانہ کے اصرار پر میرا داخلہ جامعہ سید احمد شہید کٹولی میں کرادیا گیا۔ابھی چونکہ شعور بالیدہ نہیں تھا اور مدارس کے بارے میں یہ سن رکھا تھا کہ ''یہاں کی خاک سے انساں بنائے جاتے ہیں'' یا یہاں پر قوم وملت کے رہنما تیار ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ........

جادۂ منزل کی تلاش

اسی جوش وجذبہ سے سرشار ہوکر میں نے مدرسے کے شب وروز گزارنا شروع کئے اور اسی نصب العین کو لاشعوری طور پر حرز جاں سمجھ کر اپنی منزل کی طرف گامزن ہوگیا۔اس دوران نشیب و فراز کی کئی گھاٹیاں بھی راہ میں حائل ہوئیں جنہیں یا تو کسی مشفق استاذ کی تقریر نے ہموار کر دیا یا پھر کسی فاضل اور سینئر ساتھی کے پر خلوص مشورے نے۔مگر جیسے جیسے فکر ونظر کے دریچے وا ہوئے ،خیالات ورجحانات کی پرتیں چھٹیں اور شعور کی روپہلی کرنوں سے ہم آغوش ہوئی، میرے دل ودماغ کی سطح نے بھی ایک نئی کروٹ لی اور طرح طرح کے سوالات میرے ذہن میں پیدا ہونے لگے ۔غالباً یہ وہ ایام تھے جب میرے ہم جماعت یا مجھ سے اونچی جماعت کے چند رفقاء آپس میں مل کر فکری وعلمی گفتگو کیا کرتے تھے۔اور اکثر وبیشتر ہماری بحث کسی تلخ نتیجے پر ہی جا کر ختم ہوتی تھی۔ان ایام میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی روشن خیال دانشور کی باتیں سنی اور محسوس کیا کہ یہی حقیقت ہے باقی بس فسانہ،لیکن جلد

ہی مدارس کے علماء کرام کی تقریروں نے فکر وخیال کی وادیوں سے نکل کر اپنے ہی آفاق میں گم ہونے کی دعوت دی۔اس دوطرفہ عمل کا ردعمل یہ ہوا کہ میرا نوخیز ذہن ایک عجیب الجھن کا شکار ہوگیا اور میں پہروں یہی گتھیاں سلجھاتا رہتا کہ کیا آج ہمارے مدارس اس خلاء کو پر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جس کا سامنا دور حاضر کی تغیر پذیر، ترقی یافتہ اور گلوبلائزیشن کے وسائل سے جڑی دنیا میں امت مسلمہ کر رہی ہے؟ کیا ہمارے عصری اداروں کا تعلیمی پروگرام اس لائق ہے کہ وہ امت مسلمہ کی شناخت کو باقی رکھتے ہوئے اسے اقوام عالم کے شانہ بشانہ لاکر کھڑا کرے؟

مگر افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ اس وقت دونوں جانب سے امید کی کوئی کرن نظر نہیں آئی۔ ایک طرف مدارس، جہاں للّٰہیت اور مذہبی روایات کا ایسا غلبہ تھا کہ دنیا کے دیگر علمی کارناموں کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھنا تک ایمان واعتقاد کی کمزوری، توفیق خداوندی کی کمی اور فکری گمراہی اور بے راہ روی شمار کیا جاتا اور دوسری طرف عصری ادارے جہاں صرف دنیا کی ظاہری چمک دمک اور مال ودولت کی ہوس کے عناصر تشکیل دیے جاتے، جہاں مذہبی گفتگو تک تنگ نظری کی علامت سمجھی جاتی، جہاں سورج کی شعاعوں کو پابہ زنجیر کرنے کا ہنر تو سکھایا جاتا مگر افکار کی دنیا گھٹاٹوپ تاریکی سے گھری رہتی ہے۔ وہاں کسی ایسے واضح مکمل اور صحت مند تصورِ کائنات وحیات کی پرورش وپرداخت نہیں ہوتی جو انسانیت کے چمن کی روٹھی ہوئی بہار واپس لاسکے اور انسان کو خلافتِ ارضی کا فریضہ انجام دینے کی صلاحیت عطا کرے۔

یہ تھا وہ پہلا تعمیری شعور جو میرے قلب وجگر کی انگیٹھی میں پڑا اس آگ کو سلگا رہا تھا، جو کبھی امت مسلمہ کی حالتِ زار کو دیکھ کر دہکتی تھی اور کبھی مسلم رہنماؤں کی ناعاقبت اندیشی کا مشاہدہ

اسے بھڑکتے شعلوں کی آماج گاہ بنادیتا تھا۔ میں کبھی کبھی اس سوچ میں ڈوب جاتا تھا کہ بھلا جس قوم کے قائدین کا زاویہ نگاہ اس قدر تنگ اور محدود ہو وہ کہاں دنیا کی وسیع المشرب اور وسیع النظر قوموں کے بالمقابل آسکتی ہے۔مگر ساتھ ہی ساتھ دل میں یہ امید بھی قائم تھی کہ کوئی تو اللہ کا باشعور، بالیدہ نظر اور دوراندیش بندہ ہوگا جس نے امت مسلمہ کی اس سنگلاخ زمین کو زرخیز بنانے کے خواب دیکھے ہونگے۔

دراصل میں مدرسے سے فارغ ہونے کے بعد امت مسلمہ کے ان افراد کی ٹولی میں شامل ہونا چاہتا تھا جو دین و دنیا کی جامعیت کے ساتھ قوم کے بہتر مستقبل کیلئے کوشاں ہیں۔ اس سلسلے میں مجھے کسی ایسے نصابِ تعلیم کی تلاش تھی جو دینی مدارس اور عصری تعلیم گاہوں کے درمیان کی خندق کو پاٹ سکے۔ جو مدرسے کی خالص دینی فضا میں سانس لینے والے طلبہ کو عصری علوم کی تمام شاخوں سے اس طرح جوڑے کہ تلافی مافات اور حفظ ماتقدم کی ساری روایات زندہ ہوجائیں۔

میں نے اس سلسلے میں اپنے اساتذہ سے مشورے کئے، بعض اس میں میرے ہم خیال نظر آئے اور بعض نے ایک آن میں خیالات کی تمام دنیا تہس نہس کردی اور نہ جانے کیا کیا حجتیں دے ڈالیں اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی، علامہ انور شاہ کاشمیری، مناظر احسن گیلانی، مولانا ابوالحسن ندوی اور پتہ نہیں کتنے نام گنا کر کہا یہ سب کس نصابِ تعلیم کی پیداوار ہیں؟ میں نے با ادب انداز میں اگر سوال بھی کیا کہ جن عبقری شخصیات کے نام آپ نے پیش کئے ہیں ان کی شخصیت سازی میں بہت سے دیگر عوامل بھی کارفرما رہے ہوں گے اور یہ حضرات اپنے دور کے لحاظ سے امت کے نمائندے تھے۔اب زمانہ اور اسکے تقاضے کچھ اور ہیں تو

مجھے ڈانٹ کر خاموش کر دیا گیا۔ میرے اس سوال کا تشفی بخش جواب کسی کے پاس نہ تھا۔

یہاں ان خیالات کا ذکر کرنا بھی ناگزیر سمجھتا ہوں کہ ہمارا نظامِ تعلیم فرقہ بندی اور مسلکی گروہ بندی کا شکار ہے۔ دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، جماعت اسلامی، اہل تشیع وخوارج کے سارے ادارے خالصتاً مسلکی بنیادوں پر قائم ہیں۔ ان میں سے ہر مسلک کے علیحدہ امتیازی نشانات، جداگانہ وضع لباس اور عبادات کا طریقہ ہے۔ کسی بھی درسگاہ کے فارغ التحصیل شخص کو دیکھ کر بآسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا تعلق کس گروہ سے ہے۔

برج کورس کے سفر کا آغاز اور ارتقا:

ان حقائق سے طبیعت بے حد مکدر رہتی اور ہمیشہ نگاہیں کسی ایسے پلیٹ فارم کی تلاش میں رہتی تھیں جہاں امت مسلمہ اخوت باہمی اور اتحادِ ملی کی کڑیوں سے مضبوطی کے ساتھ جڑی ہو اور عمل پیہم وجہدِ مسلسل کا جیتا جاگتا نمونہ بن گئی ہو۔ مگر تا حد نظر تاریکیوں کے ہجوم میں امید کی کوئی قندیل دکھائی نہیں دیتی، بالآخر اپنے ہم خیال چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کیا کہ فی الحال کسی عصری یونیورسٹی سے تعلیمی سلسلے کو آگے بڑھایا جائے اور وقتاً فوقتاً کسی دینی سرگرمی میں بھی حصہ لیتے رہیں تا کہ جو کچھ ان آٹھ سالوں میں حاصل کیا ہے اس کا اعادہ اور اس سے استفادہ بھی جاری رہے۔ اس غرض سے میں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بی۔اے پرائیویٹ عربک میں داخلہ لیا اور ارادہ یہ تھا کہ آئندہ سال جواہر لال یونیورسٹی میں بی۔اے عربک سال دوم میں داخلہ لوں گا۔ ابھی چند ماہ گذرے تھے کہ میرے ایک دوست نے دورانِ گفتگو برج کورس کا تذکرہ کیا جو کہ اسی سال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے مدارس کے فارغ التحصیل طلباء کیلئے شروع کیا تھا۔ اس وقت اس کے بارے میں صرف اتنی تفصیل معلوم ہوئی کہ اس کورس کے ذریعہ مدارس کے طلباء بھی عربی، اردو، فارسی اور اسلامک اسٹڈیز کے علاوہ دیگر شعبہ جاتِ تعلیم میں بھی داخلہ لے سکتے ہیں۔ میں نے اس غرض سے کہ شاید یہ کورس میرے دیرینہ خواب کو شرمندۂ تعبیر کر سکتا ہے، اس میں ایڈمیشن لینے کا عزم کیا اور الحمدللہ اس میں مجھے کامیابی بھی ملی۔

برج کورس میں داخلہ کے بعد میری الجھنوں میں کچھ کمی ضرور آئی لیکن مکمل سکون ابھی درکار تھا، کیونکہ ابھی یہاں نظامِ تعلیم

سے واقفیت نہیں ہوئی تھی، دل کے کسی کونے میں یہ کھٹکا ضرور تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں جہاں سے چلا تھا وہیں پھر پہونچ رہا ہوں، جس ماحول سے نکلنے کی کوشش کی تھی اسی ماحول کا ایک حصہ بننے جا رہا ہوں، پندرہ سولہ دن کی کلاس اور ڈائریکٹر صاحب سے کئی مرتبہ کھل کر گفتگو کرنے کے بعد مکمل انشراح نصیب ہوا، کلاس میں اساتذہ کے مشفقانہ برتاؤ اور طریقہ تعلیم نے خاصہ متأثر کیا۔ چونکہ مضامین بالکل نئے تھے، پریشانیاں تو یقینی تھیں۔ انگلش زبان کا خوف دل و دماغ میں ایسا مسلط تھا کہ ہم طلباء اس کو اپنے سے بالاتر سمجھتے تھے۔ اکنامکس، پولیٹیکل سائنس، تاریخ اور سماجیات کی کلاسز تو ہمارے لئے بالکل نئی تھیں اسلئے ان سے تو قلب و دماغ پر ہیبت سی طاری ہوتی تھی، مگر آہستہ آہستہ طبیعت بحال ہوئی اور ہمیں یقین سا ہونے لگا کہ ہم بھی اب اس معاشرہ کے جزو ہیں جس کے تئیں ہماری ذمہ داریاں قدرے مختلف ہیں۔

مجھے خود یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوتا تھا کہ چند ماہ پہلے ہم طلباء کی باہمی گفتگو زیادہ تر جن موضوعات پر ہوتی تھی وہ بدل چکے ہیں۔ اب ہم کشادہ نظری اور وسیع الخیالی سے چیزوں کا جائزہ لینے لگے تھے اور ہم میں سے بعض طلباء جو کل تک یہ سمجھتے تھے کہ وہ مدرسے سے فارغ ہونے کے بعد یا تو کسی مسجد میں امامت کا فریضہ انجام دیں گے یا پھر کسی مدرسے میں درس وتدریس کی خدمات تک محدود رہیں گے، اب ڈاکٹر، ایڈوکیٹ، سیاستداں اور ماہر معاشیات بننے کے خواب دیکھنے لگے تھے اور انہیں شرمندۂ تعبیر کرنے کیلئے رات دن محنت کر رہے تھے۔ یہ برج کورس کی ہی افادیت کا نمونہ ہے کہ جو طلبہ کل تک یونیورسٹی اور کالج کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے یا اگر بہت جرأت کرتے تو عربی، اردو، فارسی اور اسلامیات جیسے میدانوں میں رسائی حاصل کر پاتے تھے، آج دس دس پانچ پانچ سال تک عصری تعلیم یافتہ لڑکوں کے ساتھ شانہ بشانہ

اکنامکس، پولیٹیکل سائنس، انگریزی ادب، BA LLB علم نفسیات اور دیگر شعبوں میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور دیگر جامعات میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اگر میں سچ کہوں تو یہ برج کورس شیخ الہند اور سرسید کی خواب کی ایک عملی تعبیر ہے جس کو موجودہ وائس چانسلر جنرل ضمیر الدین شاہ نے پورا کیا۔ ہم طلباء کے تئیں عالی جناب وائس چانسلر کے اخلاص اور ہمدردی کا اندازہ ان کے اس تشجیعی قول سے لگایا جا سکتا ہے جو انھوں نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ ''حقیقی معنوں میں میری روح کو اس وقت سکون نصیب ہوگا جب میں ہندوستان میں اعلی مناصب پر آپ لوگوں کو قوم کی قیادت کرتے ہوئے دیکھوں گا''۔ یقیناً وائس چانسلر صاحب کے یہ الفاظ مسلم قوم کی دکھتی رگ پر انگلی رکھنے کے مترادف تھے جن کے پیچھے ہماری تاریخ کے انتہائی اہم مسائل کی داستاں چھپی ہوئی تھی۔ آج مسلم قوم جس صنم کدہ کائنات میں کھوئی ہوئی ہے اور انحطاط وانتشار کے جس قعر مذلت میں جا گری ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج احیاء امت کی ہر تدبیر باہمی رزم آرائیوں اور مسلکی وفقہی مناقشات کی مسموم فضا میں دم توڑ دیتی ہے اور باہمی گروہ بندیوں کو دین کے مستقل اور مستند قالب کے طور پر قبول کر لیا گیا ہے۔

ایسے نا گفتہ بہ حالات میں امت کی آنے والی نسلوں کو نہ صرف ان جراثیم سے بچانے کی مہم بلکہ انھیں صحتمند اور صحت بخش تصورِ حیات عطا کرنے کا فریضہ جس طرح برج کورس نے انجام دیا ہے اس کیلئے میں خصوصاً اس کورس کے ڈائریکٹر اور ان کی پوری ٹیم کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔

برج کورس نے ہم طلبہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو صیقل کرنے کے ساتھ ساتھ مسلکی رنجشوں سے دور رکھنے اور ایک وسیع ذہن کی تشکیل کے لئے ''المدرسہ'' سوسائٹی کا قیام کیا جس کے زیر اہتمام
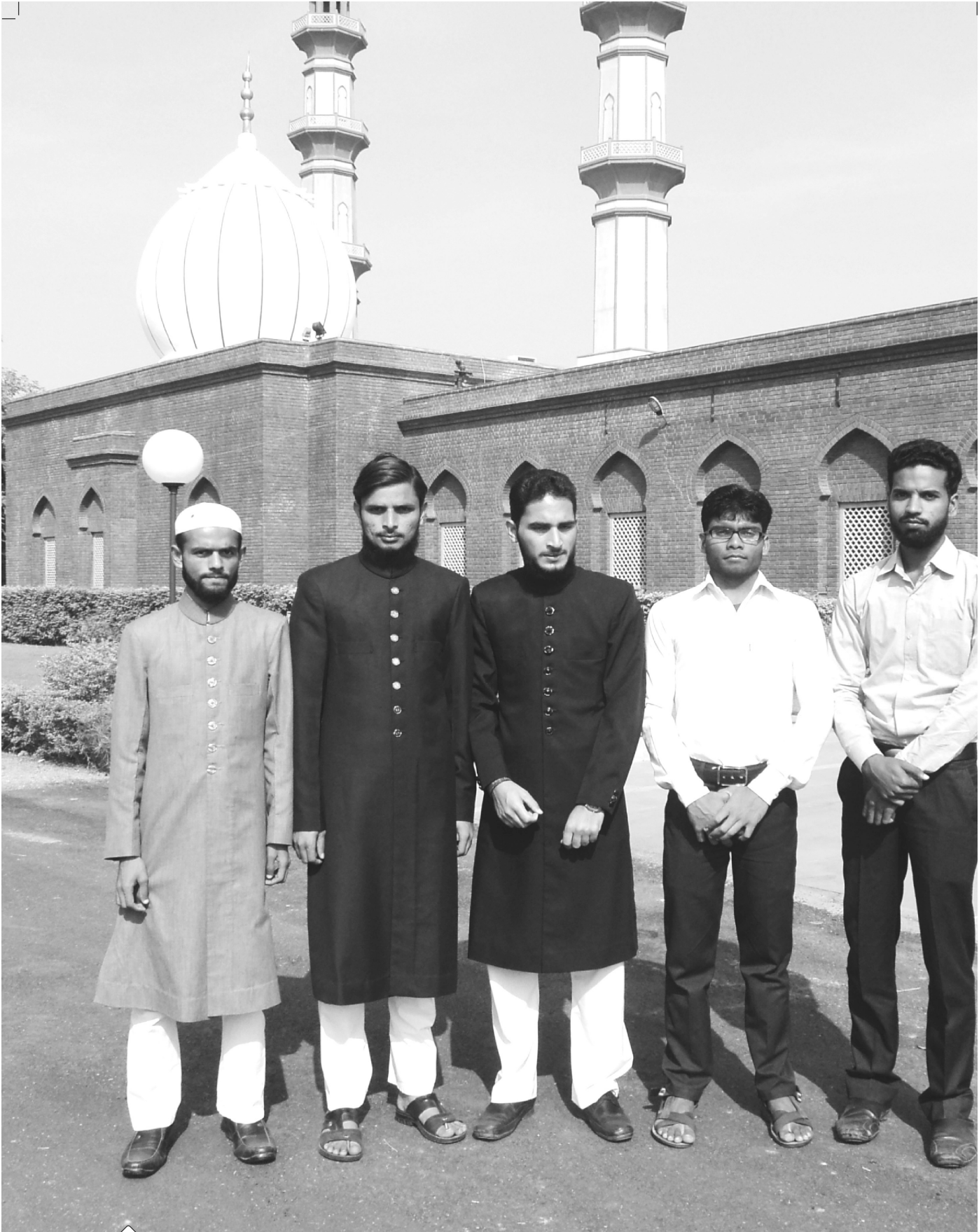
ہر ہفتہ کسی سنجیدہ موضوع پر ایک صحت مند بحث کرائی جاتی تھی ۔اس میں ہر مسلک ومشرب کے ماننے والے طلبہ مکمل آزادی کے ساتھ اپنے دلائل پیش کرتے اور انھیں امت مسلمہ کے موجودہ مسائل اور ان کا حل پر open discussion کے ذریعہ سوچنے اور مستقبل کے لئے لائحہ عمل پیش کرنے کا بھر پور موقع دیا جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے مسالک کو قریب سے جاننے اور سمجھنے کے دروازے کھلے اور آپسی اختلافات کا سد باب ہوا ۔اسی پروگرام کے تحت بین الاقوامی شخصیات سے تبادلۂ خیال کرنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ یہ تمام مواقع ہمیں اتنی آسانی سے کہیں اور میسر نہیں آسکتے تھے۔ان سے ذہن ونظر میں وسعت پیدا ہوئی اور علمی اور عملی زندگی کے رازہائے سربستہ سے واقفیت بھی حاصل ہوئی

برج کورس کے قیام کا ایک عظیم مقصد بین المذاہب و المسالک تناظرات وتصورات کی تشکیل نو بھی ہے جس کی تکمیل کے لئے مختلف پروگرام اور سیمینار منعقد کئے گئے ۔ان میں آپسی مناقشوں اور مشترکہ بحث ومباحثہ کے ذریعہ تمام مذاہب ومسالک کے افراد کو امت مسلمہ کے خارجی و داخلی بحران ،امت مسلمہ کا کرب ،بے مہار اتحاد اور بے نگاہ تقلید ،عصر حاضر میں اسلامی فلسفۂ اخلاق کا احیا اور مستقبل کے لئے اسلامی نقطۂ نظر جیسے موضوعات پر غور وفکر کی دعوت دی جاتی ۔ یہ وہ اسٹیج تھا جس نے ہم طلبہ کے سامنے قل یااھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم کا عملی خاکہ پیش کیا اور ہمیں ایک آفاقی اور عالمگیر طرز فکر کا حامل بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

برج کورس میری نظر میں:

میں اس کورس کا طالب علم رہنے کے ناطے یہ کہہ سکتا ہوں کہ ماضی میں جن خیالات وافکار نے میرے وجود میں ہلچل پیدا کر رکھی تھی اور مدارس اسلامیہ کے زوال پذیر نظامِ تربیت اور منجمد نصابِ تعلیم نے خاص طور پر مجھے جس قدر مایوس کیا تھا، اس کورس میں داخلہ لینے کے بعد ان کا ازالہ بخوبی ہو گیا۔ اس بات کا احساس مجھے اس وقت سب سے زیادہ ہوا جب برج کورس کی تکمیل کے بعد میں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی کے اہم کورس Communicative English میں ایڈمیشن لیا۔ کہاں میں اردو اور عربی کا طالب علم اور کہاں انگریزی زبان کے کسی کورس میں ایڈمیشن۔ اول اول تو ایک گھبراہٹ سی طاری ہوئی اور ایک وقت کو ایسا لگا کہ میں کہیں اپنے بارے میں جو فیصلہ لینے جا رہا ہوں وہ محض آگہی کا دھوکہ نہ ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جب کلاسیز شروع ہوئیں، اساتذہ کے لکچر سنے اور اپنے ہم جماعتوں سے گفتگو کی تو مجھ پر حیرت و تعجب کی کیفیت طاری ہو گئی، اور اس وقت برج کورس کے ایک سالہ تعلیمی پروگرام کی افادیت و اہمیت کا مشاہدہ کھلی آنکھوں سے کیا۔

آج جب میں اپنی ماضی کی طرف عبرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ ایک وہ وقت تھا جب میں قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم میں منہمک تھا اور میں نے عصری تعلیم سے منسلک ہونے کی نہ کوشش کی تھی اور نہ ان میں کوئی خاص دلچسپی تھی، بلکہ کبھی یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ آئی تھی کہ میں کسی ایسے کورس میں داخلہ لینے کا اہل بن سکتا ہوں جو میرے لئے بالکلیہ نیا ہے اور میری دسترس سے بالکل باہر ہے۔

یقین جانئے کہ جب میں نے برج کورس میں داخلہ لیا تب بھی یہ باتیں محض ایک خواب معلوم ہوتی تھیں اور کبھی کبھی ایسا لگتا تھا کہ کہیں میرا حال بھی اس تشنہ لب قافلہ کی طرح نہ ہو جو دور سے چمکتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ کر بے تحاشا اس کی طرف لپکتا ہے اور مسلسل جد و جہد اور جانفشانی کے بعد جب شدتِ پیاس سے جاں بلب ہو کر بے حس و بے حرکت ہونے لگتا ہے تو فریبِ نظر کا طلسم کھلتا ہے، مگر میں اپنے ایک ایک لفظ کو صداقت کی زبان سے ادا کرتے ہوئے لکھتا ہوں، میری یہ گھبراہٹ، میرا یہ خوف اور میرے یہ اندیشے غلط ثابت ہوئے۔ آج جب میں اپنے حال کا جائزہ لیتا ہوں تو مجھ میں خود اعتمادی کی ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی

ہے اور میرا وجود مجھ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اگر انسان کا عزم پختہ ہو، اسکی نیت خالص ہو، اسے وسائل بھی مہیا کرادئے جائیں اور وہ ان سے استفادہ بھی کرے تو وہ بآسانی دنیا کی ہر چیز حاصل کرسکتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ اصول کہاں تک درست ہیں مگر برج کورس کے میرے علمی سفر کا ایک گہرا تاثر ضرور ہے۔

میں تنہا نہیں برج کورس کے جملہ فارغین طلباء تقریباً اس احساس سے گذرے ہوں گے کہ مدارس کی محدود فضا میں اپنے زمانے کے واقعات و حالات ہمارے لئے اجنبی تھے۔ وہاں ہم سے بار بار یہ مطالبہ ضرور کیا جاتا تھا کہ ہم ساری دنیا میں ایک انقلاب رونما کریں، پوری انسانیت کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیں اور زمانے کا رخ بدل دیں لیکن زمانہ کیا ہے؟ اس کی رفتار کیا ہے؟ اس کی گفتار کیا ہے؟ ان سب باتوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ صحیح معنی میں اس وقت ہماری حالت یہ تھی کہ ''زبانِ یار من ترکی و من ترکی نمی دانم''، یعنی ہمارے پاس زمانے سے کہنے کے لیے تو بہت کچھ تھا مگر زمانے کی زبان اور اسکے مسائل اور وسائل سے ہم پوری طرح ناواقف تھے۔ بلکہ اگر مختصراً کہوں تو جذبات و احساسات کی حدود اور خواب و خیال کی وادیوں میں ہمارے گھوڑے سب سے آگے دوڑتے تھے لیکن حقیقت کی دنیا اور عملی میدان میں ہماری حیثیت کسی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے لشکر کی سی تھی۔ یہ برج کورس کے یک سالہ تعلیمی پروگرام ہی کا ثمرہ ہے کہ الحمداللہ آج زمانے کی نبض شناسی کا ہنر بھی حاصل کر رہے ہیں اور اسکی گفتار و رفتار سے بھی آشنا ہو رہے ہیں۔

برج کورس محض ایک تعلیمی پروگرام نہیں بلکہ وہ شخصیت کی تعمیر و ترقی، افراد کی ذہن سازی اور مستقبل کی تیاری کی ایک ایسی تحریک ہے جو امت مسلمہ کی رگوں میں زندگی کا خون دوڑانے کا عزم لے کر اٹھی ہے۔ یہ ایک ایسا مشن ہے جو مختلف مذاہب و مسالک کے درمیان تناظراتی ترسیل و ابلاغ کو خوشگوار بنانے کی خدمات انجام دے رہا ہے۔

میں اپنے تجربے کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ برج کورس نئے دماغ کی تیاری اور متحدہ مسلم شخصیت کی تعمیر کیلئے ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جہاں سب کچھ از سر نو دکھانے کا عزم پایا جاتا ہے۔ یہ تقلیب فکری کا ایک ایسا عمل ہے جو ماضی کو عبرت کیلئے پڑھنے، حال کو تحلیل و تجربہ کی میزان پر تولنے اور مستقبل کو بصیرت کی روشنی میں دیکھنے کی دعوت دیتا ہے۔

نئی راہیں اور روشن امکانات

ابھی تک اس کورس نے جن طلبہ کو تیار کیا ہے ان کی زندگی اور کردار میں ایک بنیادی فرق آنے کے ساتھ ساتھ ان کے فکر و خیال میں بھی وسعت پیدا ہوئی ہے۔ اگر میں صرف اپنا تاثر پیش کروں تو برج کورس میں میرا علمی سفر نہایت خوشگوار اور کامیاب رہا اور ایک سال کے قلیل عرصے میں جو کچھ اس کورس نے عطا کیا وہ لائق اعتنا بھی ہے اور قابل ستائش بھی۔ لیکن صرف ان احساسات و جذبات کو بیان کرنا جو تعریف کے حامل ہوں یا محض ان گوشوں کا ذکر کرنا جن میں برج کورس نے بڑی حد تک کامیابی حاصل کی، یہ اس کورس کے مشن کے ساتھ ناانصافی اور حق تلفی ہوگی۔ میں یہاں یہ بات بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ الحمداللہ اس کورس کے ڈائریکٹر صاحب اور جملہ اراکین کبھی بھی خود احتسابی کے عمل سے سبک دوش نہیں ہوئے بلکہ وقتاً فوقتاً انہوں نے برج کورس کے بارے میں اہل علم و فکر اور طلباء کے تأثرات جاننے کی کوشش کی اور پیش نظر تحریر بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

بہر حال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زندگی کے میدان میں کامیابی کے سفر پر وہی شخص یا ادارہ آگے بڑھ سکتا ہے جسے اپنی صلاحیتوں کا علم ہو اور وہ اپنی ناکامیوں پر بھی نظر رکھتا ہو۔ اسی ضابطے کے تحت میں برج کورس کے ان گوشوں پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں جو کہ یا تو تشنۂ عمل رہ گئے یا جن کی طرف اگر توجہ کی جائے تو اس سے زیادہ بہتر نتائج آسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں زیادہ تر باتیں وہ ہیں جو میری تمناؤں یا آرزؤں کا حصہ رہیں۔ میں اس بات کو ناگزیر سمجھتا ہوں کہ اپنے عمومی تعلیمی سفر میں جن کمزوریوں کو میں نے محسوس کیا اس کی طرف بھی اشارہ کرتا چلوں۔ ممکن ہے کہ کوئی اہم بات نوک قلم پر آجائے۔

عجب کیا ہے یہ بہکی بہکی باتیں رنگ لے آئیں
بہت با ہوش رہتا ہے میرا دیوانہ پن ساقی

برج کورس کے سلسلے میں ایک اہم تأثر یہ قائم ہوا کہ محض ایک سال کے تعلیمی پروگرام کے ذریعہ طلباء مدارس میں عصری تعلیم حاصل کرنے کا ملکہ پیدا کردینا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اگرچہ اس میدان میں برج کورس نے کافی حد تک کامیابی بھی حاصل کی مگر جو چیز اس دور کے مسلمانوں سے درکار ہے اس تک پہنچنے کیلئے ابھی بھی اس بات کی حاجت ہے کہ برج کورس کے پروگرام کو وسعت دی جائے، اس کورس کو ایک بڑے کینوس پر لایا جائے اور اس کیلئے کئی اہم اقدامات اٹھائے جائیں۔ مثلاً مدارس کے طلباء میں برج کورس کے پیغام اور مشن کو عام کیا جائے۔ جدید وسائل کی مدد سے انہیں مدارس کے اندر ہی برج کورس کی افادیت واہمیت سے پوری واقفیت حاصل کرائی جائے تو بہت ممکن ہے کہ طلباء برج کورس میں داخلہ لینے سے پہلے عصری علوم سے متعارف ہو جائیں اور مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے

ہوئے بھی ایسی کتابوں کا مطالعہ کریں جو ایک طے شدہ مستقبل میں ان کیلئے مفید و کارآمد ثابت ہوں۔

یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ جب مدارس کے طلبہ ان چیزوں سے باخبر ہوتے ہیں تب تک بہت کچھ ان کی دسترس سے باہر نکل چکا ہوتا ہے۔ کیا ہی بہتر ہو جو انھیں شروع سے ہی کسی خاص مقصد کے حصول کا احساس دلا دیا جائے۔ میں خود ان مراحل سے گزرا ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ اپنی شخصیت کی تعمیر میں جو کمی میں محسوس کر رہا ہوں وہ آنے والی نسلوں میں باقی نہ رہے۔ برج کورس ابھی بہت چھوٹے کینوس پر بڑی اعلیٰ خدمات انجام دے رہا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ سالوں میں اس کے اثر ورسوخ میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس کی افادیت کے حلقے میں بھی وسعت پیدا ہوگی۔

یہاں اس طرف بھی اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آج اگر مدارس میں انا وجدنا آبائنا کذلک یفعلون کا ورد سنائی دیتا ہے تو عصری دانش گاہوں میں تقلید غرب کی شہنائیاں گونجتی ہیں۔ ساری دنیا میں امت مسلمہ کے علمی اور فکری بحران کا یہ عالم ہے کہ ہر چیز کو دین و دنیا کی تفریق کے ساتھ جوڑا جا رہا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آج پوری امت قحط الرجال کے مسائل سے دوچار بھی ہے اور پریشان بھی۔ امت مسلمہ کے وہ تمام افراد جو کسی نہ کسی حوالے سے فلاح و بہبود کا فریضہ انجام دے سکتے تھے دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں ایک طرف وہ لوگ ہیں جو دین کا شعور رکھتے ہیں مگر زمانے کی ہر ادا سے ناواقف ہیں دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو زمانے کی رفتار و گفتار سے آشنا ہیں مگر دین سے بیزار ہیں۔ جبکہ زمانے کا تقاضہ اور وقت کی پکار یہ ہے کہ دین و دنیا کے جامع افراد

میدان عمل میں آئیں جو ایک ہی وقت میں اسلامی تعلیمات کے محافظ اور عصری علوم کے ماہر ہوں۔ آج ایسے ادارے تو قائم ہیں جو مدارس کے طلبہ کو عصری علوم سے قریب لانے کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں مگر آج کوئی ادارہ نہیں جو ایسے انجینئر، ڈاکٹر، ایڈوکیٹ اور سیاستداں تیار کرے جن میں صحیح اسلامی فکر اور تصور حیات زندہ ہو۔

آج بہت ضروری ہے کہ برج کورس جس طرح مدارس کے طلبہ کیلئے ایک نئی راہ ہموار کر رہا ہے اسی طرح وہ اسکول اور کالج کے طلباء کیلئے بھی کوئی کوشش کرے۔ یہ پل (برج کورس) صرف ایک طرف کے مسافروں کی ضرورت پوری کرنے والا نہ ہو بلکہ دو طرفہ خدمت انجام دے۔ آج جس طرح مدارس کے طلبہ کو عصری علوم سے باخبر ہونا لازمی ہے اسی طرح کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنے والے طلبہ کو بھی اپنے عظیم ماضی اور صدیوں پر محیط علمی اور سائنسی روایت سے واقف کرانے کی ضرورت ہے۔ اسکول اور کالج کے مسلم طلبہ سیکولرازم کے نام پر الحاد اور بے دینی کے شکار ہو رہے ہیں اور مادیت کے سیلِ بے اماں میں خس و خاشاک کی طرح بہتے چلے جا رہے ہیں۔ کیا وہ امت مسلمہ کا حصہ نہیں ہیں؟ کیا ان کو کسی ایسے پیغام کی حاجت نہیں جو متحدہ مسلم شخصیت کی تعمیر کیلئے کوشاں ہو؟ اس کے لئے ایک دانش گاہ کا قیام یقیناً انقلابی نتائج کا حامل ہوسکتا ہے لیکن فوری طور پر کسی ایسے کورس کا معرض وجود میں آنا نہایت ضروری ہے جو امت کے اس طبقہ کو الحاد و بے دینی کے فریب سے آزاد کرنے کی خدمات انجام دے ورنہ ڈور کا ایک سرا ہاتھ میں لے کر دوسرے سرے سے مکمل بے اعتنائی ایک خوش آئند مستقبل کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

برج کورس نے یقیناً صدیوں پر محیط دین ودنیا کی ثنویت کے علاوہ علم کی ثنویت کے خلاف بھی مورچہ آرائی کی ہے اور اسلامی تعلیمات کی ترویج واشاعت کے لئے نہایت ٹھنڈے اور کھلے دل ودماغ کے ساتھ سنجیدہ غور وفکر اور ٹھوس اقدامی عمل کی دعوت بھی دی ہے ۔ اس بات کا بخوبی اندازہ اس کورس کی تمام سرگرمیوں سے لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ دور میں ایک صحیح صحت مند اور صحت بخش فکر کی اساس مسلم طلبہ کے اندر پیدا کرنا اس کورس کا اولین مقصد ہے ۔لیکن ابھی اس سلسلے میں بہت سے مسائل ایسے ہیں جو اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں رخنہ پیدا کر رہے ہیں ۔مثلاً برج کورس سے جڑنے والے طلبہ مختلف میدانوں میں جداگانہ صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں ۔ وہ برج کورس سے منسلک ہونے کے بعد ایک خاص قسم کے نصاب تعلیم کے پابند ہوتے ہیں جبکہ ان میں ہر ایک الگ الگ منزل مقصود کی جانب گامزن ہونا چاہتا ہے اور اپنی دلچسپی کے مطابق مضامین کا انتخاب کرنا چاہتا ہے ۔ کاش ایسا کوئی نظام اس کورس کے ذمہ داران کی جانب سے بنایا جائے جس کے تحت طلبہ اپنی دلچسپی کے مطابق نہ صرف عصری تعلیم حاصل کرنے کے اہل بن سکیں بلکہ وہ اس میدان میں کالج کے طلبہ سے بھی فوقیت لے جائیں ۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ مدارس کے طلبہ کا ایک سال اسی کشمکش میں گزر جاتا ہے کہ وہ آگے کس کورس میں ایڈمیشن لیں اور کونسا راستہ اختیار کریں۔

برج کورس کے مقاصد کا بروئے کار لانا بہت آسان ہو اگر برج کورس کے فارغین طلبہ کو اپنے مشن کے ساتھ وابستہ رکھا جائے اور بالضبط ایک ایسا نظام بنایا جائے کہ برج کورس کے فارغین جہاں کہیں بھی تعلیم حاصل کریں ان میں وہ اسپرٹ باقی رہے جو برج کورس نے ان میں پیدا کی تھی کیونکہ برج کورس جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کوئی مستقل ڈگری نہیں ہے ۔ وہ دو علمی سلسلوں کو

آپس میں جوڑنے والا ایک پُل ہے یا دو تصور حیات کو باہم لین دین پر آمادہ کرنے والی ایک ٹیوب لائن ہے۔ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ مدارس ہوں یا یونیورسٹی کوئی بھی صحیح معنی میں اس لائق نہیں کہ متحدہ اسلامی شخصیت کی تعمیر کرنے میں معاون ہو۔ لہذا محض ایک سال کی محنت پر بہت جلد پانی پھر سکتا ہے۔ ہمارے عصری ادارے جس طرح مغرب کی تقلید میں ڈوبے ہوئے ہیں اس سے یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ کورس بھلے ہی ایک سال کا کیوں نہ ہو اس کا مشن تا زندگی طلبہ کے لئے مشعل راہ بنا رہے تو بہت ممکن ہے کہ امت مسلمہ کی خالی گدڑی میں کچھ لعل و یاقوت نکل آئیں۔

اختتامیہ

یہ ہیں وہ چند تجاویز جن پر غور و فکر کر کے شاید کچھ نئے اصول وضع کئے جائیں اور برج کورس پیش آمدہ طلبہ کے لئے خوب سے خوب تر مواقع فراہم کرنے میں کامیابی حاصل کر سکے۔ مجھے برج کورس سے انفرادی طور پر بڑی امید ہے اور یہاں کے فارغین سے بھی یہ توقع ہے کہ وہ مستقبل میں اسلام کی عظمت رفتہ کو بحال کریں گے، زمانے کے تمام فتنوں کا مقابلہ کریں گے بالخصوص اس زمانے کے سب سے بڑے چیلنج کا دندان شکن جواب دیں گے جس کی کوشش ہے کہ اسلام کو اس کی جداگانہ تہذیب، اس کی مخصوص معاشرت، اس کے عائلی قانون، اس کے نظام تربیت اور تصور حیات سے الگ کر دیا جائے۔

برج کورس ایک امید کی نئی روشنی بن کر امت مسلمہ کی شب تیرہ و تاریک کو سحر کرنے کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ اس کورس کی وجہ سے امکانات کے دروازوں پر کامیابی کی دستک سنائی دینے لگی ہے اور اب اقبال کا یہ شعر شاید میدان عمل کے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے کہ:

نہیں ہے ناامید اقبالؔ اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

محمد ارشد

ایک متوسط گھرانے میں میں نے پرورش پائی گھر میں سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے والدین کی شفقت، بھائی، بہنوں کا پیار کچھ زیادہ ہی میرے حصے میں آیا لیکن یہ میری خوش قسمتی رہی جو اس لاڈ پیار کا ناجائز فائدہ اٹھانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ گھر میں دینی ماحول ہونے کی وجہ سے میری والدہ ماجدہ چاہتی تھیں کہ میں حافظ بنوں، اور والد محترم مجھے عالم بنانا چاہتے تھے اور میری دلی خواہش وتمنا تھی کہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ عصری علوم میں بھی مہارت حاصل کروں۔ کیونکہ جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہے علم کو دینی وعصری دو خانوں میں تقسیم پایا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے حفظِ قرآن مع چند فقہی کتب کی تکمیل کے بعد مدرسے کو الوداع کہہ کر اپنے شہر کے اسکول کی چہار دیواری میں داخل ہونے کی ٹھان لی تھی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ عین وقت پر میرے مخلص والد محترم نے مجھ سے اپنی دلی خواہش کا اظہار ان لفظوں میں کیا ''بیٹا ہم بھی چاہتے ہیں کہ تم عصری علوم میں مہارت حاصل کرو لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ فیصلہ تم فضیلت یا عالمیت کے بعد کرتے۔ چنانچہ والدین کے دلی ارمان پورا کرنے کے لیے ہم نے رخت سفر باندھا، مشفق والد محترم و دوست واحباب رخصت کرنے شہر کے پلیٹ فارم تک آئے، محنت سے پڑھنے کی نصیحت وکامیابی کی دعا دیتے ہوئے نم آنکھوں سے سب نے رخصت کیا اور ہم نے بھی بھیگی پلکوں سے الوداع کہا۔

اپنے شہر سے دور بذریعہ ٹرین میری زندگی کا یہ پہلا سفر تھا میں اپنی سیٹ پر بیٹھا ماضی کی یادوں میں گم تھا، میری نظریں کھڑکی سے باہر کے حسین نظاروں میں کھوئی ہوئی تھی اور ٹرین ندی نالوں کو پار کرتی، وادیوں آبادیوں سے گزرتی ہوئی برق رفتاری سے جانبِ منزل رواں دواں تھی، ۲۲، گھنٹے کا طویل سفر ماضی کی یادوں اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں گزرا پھر اللہ کی مہربانی اور دوستوں کی رہبری نے مجھے اس شہر تک پہنچا دیا جہاں ایک طویل مدت گزارنا میرا مقدر تھا، اس دینی ادارے میں آٹھ سالہ طویل عرصہ کیسے گزر گیا احساس تک نہیں ہوا۔ لیکن جب مدرسے کی چہار دیواری میں الوداعی نغمے گونجنے لگے تو خیال آیا کہ رخصت کی گھڑی قریب آچکی ہے۔ وہ مدرسے کی زندگی کے آخری ایام آج بھی تصویر بن کر میری نگاہوں کے سامنے گھوم رہے ہیں جب اساتذہ نے طلباء سے اور طلباء نے ایک دوسرے سے مستقبل کے عزائم کے بارے میں جاننا چاہا تو کسی نے کہا میں کسی مدرسے میں تعلیمی خدمات انجام دینا چاہتا ہوں، کسی نے کہا جنوبی ہند میں ائمہ ومؤذنین کی تنخواہ اچھی ہوا کرتی ہے کسی مسجد ومکتب میں جگہ مل جائیگی تو اپنی گزر بسر ہو ہی جائیگی وغیرہ وغیرہ۔ میں نے بھی اپنا

عزم پیش کیا اور اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا کہ میں نے شروع میں ہی یہ فیصلہ کیا تھا کہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم بھی حاصل کروں گا جس کے لیے میں نے کسی یونیورسٹی یا کالج میں داخلہ لینے کا ارادہ کیا ہے، لیکن پریشانی یہ ہے کہ کوئی ایسا رہنما نہیں مل رہا ہے جو کسی ایسے عصری تعلیم گاہ کی طرف میری رہنمائی کرے جہاں دینی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے عصری علوم حاصل کرسکوں۔ یہ سن کر میرے کچھ دوستوں نے کہا ''یہ خواب دیکھنا چھوڑ دو مدرسے سے تم کسی یونیورسٹی میں نہیں جاسکتے بمشکل چلے بھی گئے تو اپنی دینی شناخت برقرار نہیں رکھ پاؤ گے''، اسی لیے کہا گیا ہے کہ مشیر کا انتخاب بھی سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے مشورہ کسی باشعور وحوصلہ مند انسان سے لینا چاہیے کسی بزدل سے نہیں، کیونکہ جو بھی ہمت وحوصلہ انسان کے اندر ہوتا ہے بزدل اسے بھی توڑ دیتا ہے۔ لیکن کچھ مخلص دوستوں اور مشفق استاذ محترم نے میری حوصلہ افزائی کی، مجھے ہمت دلائی، آگے بڑھنے کی لگن پیدا کی اور کچھ کرگزرنے کا جذبہ بیدار کیا، جن کا میں آج بھی ممنون ومشکور ہوں۔ ان کی حوصلہ بخش باتوں نے یہ اعتماد تو بخشا کہ میں بھی یونیورسٹی میں داخلہ لے سکتا ہوں لیکن کہاں اور کس کورس میں؟ یہ ایسا سوال تھا جس کا جواب مجھے نہیں مل رہا تھا۔

فضیلت کے آخری چند ماہ اسی کشمکش میں گزرے، اور یہ بات سوفیصد سچی ہے جو پاؤلو کوئیلو نے الکیمسٹ میں لکھی ہے کہ ''کوئی انسان جب کسی کام کے کرنے کا عزم مصمم کرلیتا ہے تو کائنات کی ہرشئی اس کی مدد کے لیے مصروف ہوجاتی ہے''، انہی دنوں میں ایک انسٹی ٹیوٹ میں انگریزی سیکھ رہا تھا ایک دن میری ٹیچر نے مجھ سے کہا ''تمہاری انگریزی بہت کمزور ہے اگر تم آگے پڑھنے اور کچھ بننے کا شوق رکھتے ہو تو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں فارغین مدارس کے لیے برج کورس نامی ایک نیا کورس کھلا ہے تم اس میں داخلہ لینے کی کوشش کرو تو پھر بے شمار راستے تمہارے لیے کھل جائیں گے''۔

مجھے ایسا لگا جیسے اپنی منزل کا پتہ مل گیا ہو برج کورس کی تفصیلات سے لاعلم ہونے کے باوجود بھی مجھے اتنی خوشی ہوئی جسے میں بیان نہیں کرسکتا۔ دوسرے ہی دن میرے چند دوست جو کہ تاج محل کی زیارت کے لیے آگرہ آئے ہوئے تھے ان کی واپسی علی گڑھ ہوتے ہوئے ہوئی ان کو جب ہم نے مذکورہ بالا خوشخبری سنائی تو ان کی طنزیہ مسکراہٹ نے مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگنے دی کہ یہ لوگ بھی برج کورس سے تھوڑا بہت واقف ہیں، پھر ان لوگوں نے میرے سامنے برج کورس کی تفصیلات بیان کی سب سے زیادہ زور انھوں نے جس جملے پر دیا اس نے مجھے حیران کردیا ان دوستوں نے کہا کہ'' برج کورس کے ڈائریکٹر راشد شاز صاحب صحیح العقیدہ شخص نہیں ہیں وہ مولویوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں'' کچھ دوستوں نے تو مجھے تاکیدی جملے میں یہاں تک کہا کہ'' اگر دین ایمان کو بچانا اور اعتقاد و یقین کو متزلزل نہیں کرنا چاہتے ہو تو برج کورس میں ہرگز داخلہ مت لینا، اس سے پہلے میں راشد شاز صاحب سے بالکل ناواقف تھا، اب میں حیران تھا کہ آخر کیا کروں ایک امید کی شمع جلی تھی وہ بھی بجھی ہوئی نظر آرہی تھی، لیکن میرا دل یہ کہہ رہا تھا کہ اگر تم سنی سنائی باتوں پر یقین کرلیتے ہو تو شاید ایک خوبصورت موقع ہاتھ سے چھوٹ جائے گا پھر جب تمہیں علم ہوگا کہ یہ سب بے پر کی کسی نے اڑائی تھی تو کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ نہ کرسکو گے پھر میں نے بھی یہ سوچا کہ آخر ایسے غیر صحیح العقیدہ شخص کو مرکزی مسلم یونیورسٹی کے اس اہم اور علماء عالمات کے لیے مخصوص شعبے کا ڈائریکٹر کیسے بنایا جاسکتا ہے ۔اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ اگر حادثات کا صحیح علم حاصل کرنا ہو تو موقع واردات پر ہی جانا چاہیے کیونکہ کبھی کبھی آنکھوں دیکھی بات بھی غلط ثابت ہوجاتی ہے۔ دوسری جانب ان دوستوں کی باتیں سن کر برج کورس میں آنے کا اور ڈائریکٹر برج کورس سے ملاقات

کا اشتیاق اور بڑھ گیا کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے جس چیز سے اسے روکا جائے وہ اسی جانب بڑھتا ہے۔''الانسان حریص فیما منع''۔

چار گھنٹے ٹرین کا سفر طے کر کے ۵/مئی ۲۰۱۵ء بروز منگل تقریباً ۹ بجے صبح میں برج کورس کے آفس میں تھا چند طلباء سے میری ملاقات ہوتی ہے وہ میرے طرز تکلم سے سمجھ جاتے ہیں کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں اور کیا جاننا چاہتا ہوں پھر وہ طلباء برج کورس جو باتیں بیان کرتے ہیں ان کی باتوں میں مجھے سچائی نظر آتی ہے میرے ذہن ودل میں بنے شکوک وشبہات کے محل مسمار ہوجاتے ہیں۔ ان طلباء نے کہا کہ ''ڈائریکٹر سر محققانہ ذہن رکھتے ہیں کسی بھی چیز کو تحقیق و تجزیے کے بعد قبول کرتے ہیں سب سے اچھی خوبی یہ ہے کہ متحمل مزاج اور غیر متعصب ہیں۔ کچھ باتیں سر کی ایسی ہیں جن سے اختلاف ممکن ہے لیکن ہمیشہ وہ یہ کہتے بھی ہیں کہ میں بھی ایک طالب علم ہوں اور خود کو ہمیشہ ایک طالب علم کی نظر سے دیکھا ہے جو میں کہہ دوں وہ حرفِ آخر نہیں ہے کسی بات پر اختلاف ہو تو آپ لوگوں کو اعتراض کا حق حاصل ہے، اس سے اچھی اور کیا بات ہوسکتی ہے؟ ایک طالب علم نے کہا کہ ''شروع میں مجھے بھی ایسا لگا کہ برج کورس کے نام پر فارغین مدارس کے ساتھ دھوکہ ہو رہا ہے ہمیں دین سے ہٹا کر گمراہ کرنے کی کوشش ہے لیکن ایسا کچھ نہیں ہے، بلکہ کچھ اپنے کچھ بیگانے غلط افواہیں پھیلا رہے ہیں وہ نہیں چاہتے ہیں کہ فارغین مدارس، مساجد و مکاتب کی چہار دیواری سے باہر نکلیں، ان کی جھوٹی باتوں کا اثر ڈائریکٹر برج کورس پر یقیناً نہیں پڑے گا لیکن برج کورس اس کی زد میں آسکتا ہے ۔ بڑی جدوجہد کے بعد جید علماء ونوجوان فضلاء کے لیے جو ترقی کا زینہ تیار کیا گیا ہے وہ منہدم ہوسکتا ہے، ان اجنبی دوستوں نے

بڑے مخلصانہ انداز میں کہا کہ ''آپ فارم ضرور بھریں اور آج ہی سے Entrance Exam کی تیاری شروع کردیں، تقریباً دو گھنٹے کی دلچسپ ملاقات کے بعد میں رخصت ہوتا ہوں۔

۲۳/ جولائی ۲۰۱۵ء کی دوپہر جب کل ہند مقابلہ جاتی امتحان سے میں فارغ ہوکر آرٹ فیکلٹی سے نکل رہا ہوتا ہوں تو مجھے پورا اعتماد ہوتا ہے کہ اگر اللہ نے چاہا تو برج کورس کے لیے ضرور میرا انتخاب ہوگا کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ ''جب کوئی انسان کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کرلیتا ہے تو بظاہر ناممکن کام بھی ممکن ہوجاتا ہے''۔ ۱۲/ اگست ۲۰۱۵ء کو صبح ۱۱/ بجے جب انٹرویو دینے کے لیے حاضر ہوتا ہوں اور پہلی مرتبہ اس شخص سے ملاقات ہوتی ہے جس کے متعلق بہت کم دنوں میں بہت کچھ سن چکا تھا اسی چندمنٹ کی ملاقات میں ان اجنبی دوستوں سے سنی ہوئی بات (سر محققانہ ذہنیت کے حامل متحمل اور غیر متعصب ہیں) کا مشاہدہ کیا اور اب تو تقریباً روزانہ مشاہدہ کررہا ہوں، الحمدللہ میں بھی ان خوش قسمت طلباء میں سے ہوں جن کو برج کورس کے باصلاحیت اساتذہ کرام سے استفادہ کرنے کا حسین موقع ملا۔

برج کورس میں پانچ مہینے، کچھ باتیں کچھ یادیں

برج کورس میں آنے سے قبل میری انگلش کافی کمزور تھی جس کا احساس مجھے انٹرویو کے دوران بھی دلایا گیا تھا لیکن الحمدللہ صرف چار پانچ مہینے کے اندر اساتذہ کرام کی سخت محنت کی وجہ سے انگلش میں کافی مضبوطی آئی اب میں پرا عتماد ہوں کہ اس دوڑتی بھاگتی دنیا میں میں بھی آگے نکل سکتا ہوں کیونکہ دور حاضر میں انگریزی کا سیکھنا تمام ضرورتوں میں سے ایک اہم ترین ضرورت بن چکا ہے، اب میں برج کورس کی افادیت کو محسوس کررہا ہوں، یہاں آنے سے پہلے مجھے بھی اپنے علاوہ دیگر مسالک کے لوگوں خصوصاً علماء وطلباء سے ملاقات کرنے میں وحشت ہوتی تھی، ملنا تو دور کی بات ان سے سلام کرنے میں بھی کراہیت محسوس ہوتی تھی۔ اس طرح نفرت دل میں گھر کرگئی تھی کہ ان کی اچھائیاں بھی برائیاں نظر آتی تھی ان کی قیمتی باتوں کو صرف اس لیے رد کردیا کرتا تھا کہ اس کا تعلق کسی دوسرے گروہ سے ہے وہ دوسرے مسلک کو ماننے والا ہے۔ لیکن افسوس! ہم اس سے بے خبر تھے وہ کلمہ گو ہماری طرح ہی مسلمان ہے ہم اس سے لاعلم تھے کہ ہمارے درمیان نفرت کی یہ دیوار غلط فہمیوں کی بنیاد پر کھڑی ہوئی ہے بلکہ میں یوں کہوں کہ کھڑی ہوئی نہیں کھڑی کی گئی ہے۔

لیکن اب ہمارے مابین یہ دیوارِ نفرت منہدم ہوگئی، پہلے جن سے نظریں ملانا گوارہ نہیں کرتے تھے اب ۲۴ گھنٹے خندہ پیشانی سے ان ہی کے ساتھ گزارتے ہیں، پہلے جن سے ہاتھ ملانا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے اب بسا اوقات ایک پلیٹ میں کھانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اس کربناک ماحول میں یہ ایک روشن مستقبل کا پیش خیمہ ہے، اس دور پرفتن میں جب کہ مسلم امہ مختلف فرقوں میں بٹی ہوئی ہے، سنیوں کے خون کی چھینٹیں شیعوں کے دامن پر ہیں تو کہیں شیعوں کے لہو سنیوں کے خنجر سے ٹپک رہے ہیں، کہیں بریلویوں کے ہاتھ ہیں اور دیوبندیوں کا گریباں، تو کہیں بریلویوں کی تلوار ہے اور دیوبندیوں کی گردن، کہیں سلفیوں کے خنجر ہیں اور مودودیوں کا سینہ تو کہیں مودودیوں کا خنجر ہے اور سلفیوں کی گردن۔ ایسے نازک مرحلے میں سارے مسالک کے اہم مدارس کے جید علماء وفضلاء کا انتخاب کرکے انہیں عصری تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ ان کے اندر غور وفکر، تحقیق وتنقید

کا مادہ پیدا کیا جانا اوران کے تعاون سے اتحاد امت کی سبیل تلاش کرنا، مختلف فرقوں کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی امت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی سعی کرنا، سسکتی ودم توڑتی ہوئی امت کی بقااوران کے روشن مستقبل کی فکر کرنا اور ایسے اسلامک اسکالرس کی کھیپ تیار کرنا جو مسلک ومشرب سے اوپر اٹھ کر کشادہ قلبی، وسعت فکری اور جرأت وبیباکی کے ساتھ امت مسلمہ کی رہنمائی ورہبری کرسکیں یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے جسے برج کورس علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پورا کرنے کی کامیاب کوشش کررہا ہے، جس کا سہرا ڈائریکٹر برج کورس پروفیسر راشد شاز صاحب اور وائس چانسلر جنرل ضمیرالدین شاہ کے سرجاتا ہے۔ صرف پانچ ماہ کے اس علمی سفر میں ہم نے یہ محسوس کیا کہ برج کورس کا قیام علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی تاریخ میں ایک نیاباب رقم کرے گا۔

شام درشام جلیں گے تیری یادوں کے چراغ
نسل در نسل تیرا درد نمایاں ہوگا

برج کورس نے ہمیں کیا دیا

یوں تو برج کورس نے بہت کچھ دیا لیکن سب سے زیادہ جس چیز نے مجھے متاثر کیا وہ یہ کہ اس نے سارے مسالک ومشارب کے فضلاء مدارس کو شیر وشکر کے مانند رہنے کا موقع فراہم کیا۔ بہت ساری مشکلات، کچھ مخالفین کی مخالفت ومعترضین کے اعتراضات باوجود فضلاء مدارس کو ان کے شایانِ شان سہولیات مہیا کیں۔

درسی کتب پڑھانے کے ساتھ ساتھ اس نے ہماری سوچ کو وسعت بخشی، تدبر وتفکر کی صلاحیت ہمارے اندر پیدا کی، تحقیق وتجزیہ کا ہنر سکھایا، تقریر وتحریر کا انوکھا طرز اور سیادت وقیادت کا نرالا فن سکھایا، اولوالعزمی وبلند حوصلگی کے زیور سے آراستہ کیا، مسلم امہ کی زبوں حالی وبربادی سے آگاہ کیا اور اپنی ذمہ داری کا احساس دلایا ہمارے ذہنوں سے احساس کمتری کے بیج کو نکال کر احساس برتری کی تخم ریزی کی۔ یہ ساری وہ بیش بہا نعمت وگرانقدر

سرمایہ ہے جس کے ذریعے ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتے ہیں اور اپنے مستقبل کو تابناک وروشن بنا سکتے ہیں۔ساتھ ساتھ اپنے دلی جذبات اور ضمیر کی آواز کو عمدہ اسلوب میں سپرد قرطاس کرسکیں اس کے لیے Conceptual Writings پر خصوصی توجہ دلائی گئی اور Critical thinking کے ذریعے سے ہمارے فکری دائرہ کو وسعت ملی، تنگ دلی وکوتاہ نظری سے نجات ملی، ایک دوسرے کی بات سنجیدگی سے سننے اور سمجھنے کی لیاقت، کسی علمی وادبی محفل میں اپنا موقف بیان کرنے کا ہنر، مخالفین کی مخالفت کا جواب محبت سے دینے کا سلیقہ Saturday Debate کے ذریعے حاصل ہوا، اگر میں یہ لکھوں تو کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہوگی کہ صرف پانچ مہینے میں برج کورس میں جتنی چیزیں پڑھادی گئی ہیں اتنا کہیں اور پڑھنے میں شاید ایک سال سے بھی زیادہ کا وقت درکار ہوتا۔

پلس ٹو کی ڈگری تو میں کسی دوسرے اسکول سے بھی حاصل کرسکتا تھا اور میرا یہ ماننا ہے کہ انگلش ، ریاضی، ہسٹری، جغرافی، وغیرہ تو کہیں سے بھی پڑھا جاسکتا ہے لیکن Inter-fath and Intra-faith, Critical Thinking, Saturday Debate کے ذریعے ذہنی وفکری نشونما شعوری ارتقاء یہ برج کورس کی خصوصیت ہے جسے شاید کہیں اور سے حاصل نہیں کیا جاسکتا، کسی نے بہت خوب کہا کہ:

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

برج کورس نے ایک حسین اور قیمتی موقع سے اور بھی نوازا تھا اگر اس کا تذکرہ نہ کروں تو شاید احسان فراموشی ہوگی وہ تھا ڈاکٹر اور انجینئر بننے کا موقع۔سائنس کی کلاسیز بھی شروع ہوئی، باصلاحیت اساتذہ کرام نے محنت سے پڑھایا بھی لیکن افسوس! اگر مدرسے کی

اس طویل زندگی میں سائنس کی بنیادی معلومات بھی حاصل کر لی ہوتی تو اس سنہری موقع سے بہت زیادہ استفادہ کر پاتا اس بات کا غم آج بھی ہے کہ سائنس اسٹریم میں جانے کے لائق نہیں بن سکے لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ آئندہ برج کورس کی زینت بننے والے خوش نصیب طلباء میڈیکل اور انجینئرنگ کے میدان میں ضرور نمایاں کردار ادا کریں گے۔ انشاء اللہ، مجھے پوری امید ہے کہ آئندہ ۳،۴ اپریل ۲۰۱۷ کو منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس میں اکابرین امت مدارس وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ضرور کچھ اہم فیصلے لیں گے اور طلباء مدارس کو دینی علوم کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم کا ماہر بننے میں ان کا تعاون اور ان کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے، عصری و دینی علوم کے مابین جو خلیج ہے اسے پاٹنے کی جانب توجہ مبذول فرمائیں گے۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے

برج کورس کے اس علمی سفر میں میں نے ۲۷/اگست ۲۰۱۵ء سے آج تک ہر زاویے سے دیکھا اور پرکھا تو یہی پایا کہ فضلاء مدارس کے لیے یہ بہت عمدہ کورس ہے، جس کے ذریعے سے ایک عظیم تبدیلی رونما ہو رہی ہے، وہ فارغین مدارس جنھیں مدارس و مساجد تک محدود سمجھا جاتا ہے اور عوام وخواص میں ان کے تئیں ایک تصور قائم کر لیا گیا ہے کہ دقیانوسیت وروایت پسندی ان کا مزاج ہے، یہ جدت سے نفرت کرتے ہیں قدامت پسندی ان کا شیوہ ہے ترقی یافتہ دنیا سے بے خبر ولاعلم ہیں سوائے اذان وامامت کے یہ کچھ کر نہیں سکتے۔ برج کورس نے انہیں ایک عظیم موقع فراہم کیا کہ وہ صرف مسجد کی امامت نہیں بلکہ امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ دنیوی سیادت وقیادت کا فریضہ بھی بخوبی انجام دے سکیں۔ انگریزی

اور دوسری غیر ملکی زبانوں میں اسلام اور قرآن کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں کا جواب ان ہی کی زبان میں مفصل و مدلل دے سکیں، دینی درسگاہوں وعصری تعلیم گاہوں کے درمیان ماضی قریب سے بڑھتی ہوئی خلیج پر برج کا کام انجام دے سکیں جس کی شدید ترین ضرورت ہے۔لوگوں کا یہ خیال کہ ''فارغین مدارس سوائے اذان وامامت کے کچھ کرنہیں سکتے کسی حد تک درست بھی ہے اور اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں آج ہم نے خود کو مساجد ومکاتب تک محدود کرلیا جس طبقے کو اس دنیا سے قدم سے قدم ملا کر ہی نہیں بلکہ دس قدم آگے چلتے ہوئے اس کی قیادت کرنی چاہیے تھی اس نے مقتدی بننے پر ہی فخر محسوس کیا۔ بدلتے حالات کے تقاضے ہمارے دروں پر دستک دیتے رہے لیکن ہم نے ان کے مطالبات کو سمجھنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔سیاسیات ومعاشیات کو ہم نے شجر ممنوعہ سمجھ لیا خود بھی باز رہے اور لوگوں کو بھی ان سے بچنے کے فضائل سناتے رہے، ورنہ کم از کم آج ہماری یہ حالت ہرگز نہیں ہوتی۔ماضی قدیم کی تاریخ پلٹ کر اگر ہم دیکھیں تو ایک شخص عالم بھی ہوتا تھا ساتھ ساتھ فلکیات ومعاشیات پر بھی اس کو عبور حاصل ہوتا تھا، سائنسی علوم کے لیے علوم عربیہ کی اصطلاح لوگ استعمال کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ مدارس میں عام مروجہ نصاب تعلیم کو بھی اہمیت دی جاتی تھی، اس وقت علوم دینیہ وعلوم عصریہ کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ برج کورس اس شاندار ماضی کے احیاء کی ایک کامیاب کوشش ہے ہمیں بھی اس کا حصہ بننا چاہیے کہ کیونکہ وہی قوم دنیا کے نقشے پر باقی رہتی ہے اور ترقی کے منازل طے کرتی ہے جو ماضی سے سبق لے کر حال کا سامنا کرتے ہوئے مستقبل کے لیے پوری طرح تیار رہتی ہے اور محدود دائرے سے نکل کر کھلے آسمان میں پرواز کرنے کا ہنر جانتی ہے۔

آگے قدم بڑھا کر ہرگز نہ پیچھے ہٹائیں گے

برج کورس میں میرا علمی سفر شروع ہونے سے قبل میں سوچا کرتا تھا کہ کسی سرکاری ملازمت کا حاصل کرلینا، کسی اسکول میں ٹیچر بن جانا کسی مدرسے میں مہتمم کے عہدے پر فائز ہوجانا ہی کافی ہے اس سے آگے تک ذہن کی رسائی بھی نہیں تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ بس دنیا یہی ہے لیکن جب اس علمی سفر پر نکلا، اساتذہ کرام کی باتیں سُنیں، مختلف جگہوں سے تشریف لائے مہمانوں سے ان کے تجربات سنے یونیورسٹی میں یہ گہما گہمی کا عالم اور لوگوں کی سرگرمیاں دیکھیں، مختلف پروگراموں میں شرکت کا موقع ملا تو پتہ چلا کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے۔اب میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں اس علمی سفر پر بہت دور تک جانا چاہتا ہوں اگر زندگی نے وفا کی تو گریجویشن کے بعد میں آئی اے ایس آفیسر بننا چاہوں گا ویسے تو یہ ایک خواب ہے لیکن ہم نے یہ خواب جاگتی آنکھوں سے دیکھے ہیں سر (پروفیسر راشد شاز صاحب) اکثر کہا کرتے ہیں ''نیند کی حالت میں جو خواب دیکھے جائیں ضروری نہیں کہ وہ پورے بھی ہوں لیکن جاگتی آنکھوں سے جو خواب دیکھے جاتے ہیں وہ ضرور شرمندۂ تعبیر ہوتے ہیں بشرطیکہ آپ کا حوصلہ بلند اور عزم جوان ہو، محنت ومجاہدے کے ہتھیار سے آپ لیس ہوں شوق وجذبہ کے زیور سے آپ آراستہ ہوں''۔ میں نے عزم مصمم کرلیا محنت ومشقت میرے ذمہ اور دعا کے لیے آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں۔

وہ دن بھی مجھے یاد ہے جب اپنے شہر کے ایک چھوٹے سے اسکول کے فنکشن میں مجھے نظامت (اناؤنسر) کی ذمہ داری دی گئی ،لیکن اس وقت مجھے سخت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا جب میں انگلش میں لکھے بچوں کے نام نہیں پڑھ سکا اور حد تو اس وقت ہوگئی جب

Traditional Solutions
6-7 April 2015 | Kennedy Auditorium

لفظ Speech تک نہیں سمجھ سکا، اس واقعے نے میرے ضمیر کو جھنجھوڑ ااور انگلش سیکھنے کا جنون مجھ پر چھا گیا پھر شاید والدین کی دعا، قبول ہوئی اور برج کورس کے خوش نصیب طلباء میں میرا بھی نام آیا، آج اگر میں اس کورس کا حصہ ہوں تو یہ تھوڑی سی محنت اور دعاؤں کا نتیجہ ہے، اور آج اگر انگلش بولنے اور سمجھنے میں آسانی ہورہی ہے، ترقی کی بہت سی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ منزل نگاہوں کے سامنے صاف جھلک رہی ہے اور بے ساختہ قدم جانبِ منزل اٹھ رہے ہیں تو یہ برج کورس کا ثمرہ وائس چانسلر اور ڈائریکٹر سر کی قربانیوں کا نتیجہ ہے، اور اساتذہ برج کورس کی سخت محنت کا صلہ ہے، جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

آغاز سے انجام تک کا سفر جانتا ہوں میں
دشوار رہگزر ہے یہ جانتا ہوں میں
اب نہ مجھے کبھی پیاس کی شدت ستائے گی
پتھر نچوڑنے کا ہنر جانتا ہوں میں

مخالفت سے شخصیت سنورتی ہے

برج کورس کے اس علمی سفر میں بہت سے انوکھے تجربات بھی حاصل ہوئے بہت پہلے سے یہ سنا کرتا تھا کہ کامیابی حاصل کرو دوستوں کے ساتھ ساتھ دشمنوں کی تعداد بھی بڑھے گی۔ اور تاریخ کے ہر دور میں ایسا ہوتا آیا ہے کہ جب کسی شخص نے انسانیت کی فلاح اور امت کی اصلاح کے لیے کوئی قدم اٹھایا ہے تو حمایت کے ساتھ ساتھ ان کی پرزور مخالفت بھی کی گئی، جب کس طبیب نے امت کے مرض کی تشخیص کر کے کوئی مؤثر نسخہ پیش کیا تو بجائے اس کے کہ اس کا شکریہ ادا کیا جاتا، ان کی حوصلہ افزائی اور ان کا تعاون کیا جاتا، ان کے مشورے کو صرف سننے کی نہیں بلکہ ذہن و دل سے تعصب کے پردے اتار کر سمجھنے کی کوشش کی جاتی اور قابل عمل باتوں کو عملی جامہ پہنایا جاتا، انہیں طعنہ و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا خود ساختہ فتوے اس پر چسپاں کئے گئے اور ان پر پابندیاں عائد کرنے کی ناکام کوشش کی گئیں، اس کی بے شمار مثالیں موجود

ہیں خود یونیورسٹی کی درودیواریں اس کی گواہ ہیں کہ سرسید علیہ الرحمہ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ چند دنوں قبل روزنامہ صحافت کا ایک سالہ قدیم تراشہ میرے ہاتھ آیا جس میں، کسی صاحب نے اپنے ایک طویل مضمون میں علم کے جوہر دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ایک جملہ اس نے لکھا ہے کہ ''طلباء برج کورس اگر مستقبل میں ناکام رہے اور جن کورسوں میں داخلہ لینے کے لیے انھوں نے اس کورس کو ترقی کا زینہ سمجھا تھا اگر ان کورسوں میں ان کا داخلہ نہ ہوسکا تو یقیناً اس کا جواب دہ راشد شاز کو ہونا پڑے گا''۔

اس طرح کے مضامین لکھنے اور سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے اس طرح کی باتیں کہنے والوں سے میرے جیسا ہر وہ طالب علم جس نے حقیقتِ حال کا قریب سے مشاہدہ کیا ہو اور برج کورس میں شب وروز گزارا ہو یہ سوال کرنے کا حق رکھتا ہے کہ اگر برج کورس کے طلباء اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے ہیں یعنی اپنے پسندیدہ کورسوں میں داخلہ نہیں لے سکتے ہیں تو اس کا جواب دہ راشد شاز کو ہونا پڑے گا، لیکن۔۔۔۔اگر آپ جیسے باشعور لوگوں کا دانستہ یا نادانستہ طور پر برج کورس کی مخالفت کی وجہ سے خدانخواستہ علماء، امت کی ترقی کا یہ زینہ ہی مسمار ہو جائے، بڑی عرق ریزی وجانفشانی کے ساتھ جس محل کی تعمیر کی گئی ہے وہی زمین بوس ہو جائے تو اس کا جواب دہ کون ہوگا؟ ایک ہاتھ میں سائنس دوسرے ہاتھ میں فلسفہ اور سر پر قرآن سرسید علیہ الرحمہ کا یہ خواب اور اس کی سچی تعبیر برج کورس۔ اگر اپنے اعلیٰ مقاصد میں کامیاب نہیں ہوتا ہے فارغین مدارس کے لیے مسلم یونیورسٹی کے دروازے اور اعلیٰ تعلیم کے راستے بند ہو جاتے ہیں تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ میں تو بس یہی لکھوں گا ڈائریکٹر سر کے لیے کہ:

آپ کی بات میں کچھ دم دکھائی دیتا ہے
زمانہ اس لیے برہم دکھائی دیتا ہے

خیر خواہاں فارغین مدارس سے میری التجا ہے براہ کرم آپ یونیورسٹی تشریف لائیں ہم طلباء برج کورس آپ کا استقبال کرتے ہیں آپ کی آمد ہمارے لیے باعث مسرت ہوگی اور آپ کے لیے شاید غلط فہمی کے ازالے کا سبب بن جائے۔

جدائی کی گھڑی قریب آ گئی

برج کورس میں میرا علمی سفر نہایت ہی خوشگوار رہا اساتذہ کرام کی محنت وشفقت جتنی ملنی چاہیے اس سے کہیں زیادہ ملی جس کا میں تاعمر ممنون ومشکور رہوں گا۔ برج کورس کا یہ علمی انقلابی کارواں اب اپنی آخری منزل میں قدم رکھ چکا ہے میرا بھی دل یہ چاہ رہا ہے کہ اب اس علمی سفر کے روداد کو اختتام کی کڑی میں جکڑ دیا جائے اور محنت سے امتحان کی تیاری شروع کر دی جائے کیونکہ اسی علمی سفر میں ہم نے سیکھا ہے کہ محنت کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔

محمد عظیم

۲۰۱۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد جس چیز نے میری توجہ عصری علوم کی صرف مبذول کرائی وہ علامہ اقبالؔ کا یہ شعر تھا۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

لیکن افسوس کہ وہ اسلام جس نے اپنے متبعین کو علم نافع کے حصول کی اجازت ہی نہیں دی تھی بلکہ ترغیب بھی دی تھی، بدقسمتی سے اس کے ماننے والوں نے علم کو دوخانوں میں بانٹ دیا (دینی علوم اور عصری علوم) جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ عصری درسگاہ کے طلباء دین سے دور ہوگئے اور دینی درسگاہ کے طلباء کے لیے عصری علوم کو حاصل کرنے کے تمام دروازے بند ہوگئے۔ جس کی وجہ سے ایسے افراد کی شدت سے کمی محسوس کی جانے لگی جو بیک وقت دونوں میدانوں میں امت مسلمہ کی رہنمائی اور قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں۔ چنانچہ مجھے بھی اپنے سفر کو آگے بڑھانا مشکل نظر آیا، اور مستقبل کی تمام راہیں تاریک نظر آئیں۔ لیکن جس طرح صحراء میں سفر کرنے والے قافلے کسی رکاوٹ کی وجہ سے وقتی طور پر پڑاؤ ڈال دیتے ہیں اور رکاوٹ کے چلے جانے کے بعد دوبارہ قافلہ اپنی منزل کی جانب گامزن ہو جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح میں بھی وقتی طور پر مشکلات کا شکار رہا اور نئی راہوں کی تلاش میں بھٹکتا رہا، اور امیدوں کے دامن کو سینے سے لگائے رکھا،

اور جب انسان کسی کام کے کرنے کا مصمم ارادہ کر لیتا ہے تو دنیا کی ہر چیز اس کو ممکن بنانے میں اس کی مدد کرتی ہے۔

بالآخر حتیٰ الامکان تگ ودو کے بعد ایک چراغ نظر آیا اور ایک قافلہ جو اس چراغ کی روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ میں اس کے قریب گیا تو دیکھا کہ یہ قافلہ ایک برج کو عبور کر رہا ہے، میں شروع میں چھپ چھپ کر اس کی نقل وحرکت کو دیکھتا رہا، اور اس کے سیاق وسباق کے مطالعہ میں لگ گیا، میں اس قافلہ کی عادت وطوار اور آپسی میل جول کو دیکھ کر حیران رہ گیا، کیونکہ ایسا قافلہ میں نے تاریخ کے اوراق میں ہی پڑھا تھا، آج اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا تعجب خیز تھا، اس قافلے کی منصفانہ اور قائدانہ صلاحیت پر روشنی ڈالے بغیر میرے لیے اپنے سفر کو آگے بڑھانا گویا اس قافلے سے حسد کرنے کے مانند ہوگا۔

میں نے دیکھا کہ اس قافلے کے اندر وہ تمام صفات موجود تھیں جو اس کو امت مسلمہ کی رہنمائی کے منصب کا اہل ثابت کرتی تھیں۔ میرے خیال میں اس قافلے کی نگرانی اور قیادت میں امت مسلمہ کی فلاح و بہبود کی ضمانت ملتی ہے۔ یہ لوگ آسمانی کتاب اور الٰہی شریعت پر عبور حاصل کیئے ہوئے تھے، زنگ آلودہ کتابوں کی انہیں چنداں ضرورت نہیں تھی، یہ لوگ جہالت وناواقفیت، ہولناک غلطیوں اور کسی خاص مکتب فکر کی طرف داری سے محفوظ تھے۔ یہ دنیا کے تمام میدانوں میں اندھادھند چلنے اور اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے پر مجبور نہیں تھے، اِن کے پاس وحی اور شریعت الٰہی کی روشنی تھی، جس کے سہارے یہ لوگ چل رہے تھے، ان کا ہر قدم روشنی میں پڑ رہا تھا، اور منزل مقصود ان کو صاف نظر آ رہی تھی۔ انھوں نے دنیا کے دیگر قافلوں کی طرح اپنے تمام اخلاقی عیوب ونقائض کے ساتھ پستی سے بلندی کی طرف

جست نہیں لگائی تھی، بلکہ ایک طویل عرصہ تک وحی الٰہی سے اپنی اصلاح کرتے رہے اور تربیت حاصل کی، اپنے آپ کو زہد وورع کا عادی بنایا، عفت وامانت اور خوف خدا کا اپنے آپ کو خوگر بنایا۔

ان لوگوں نے اسلامی علوم پر مہارت کے بعد اپنے آپ کو دوسروں کی طرح کسی خاص مکتب فکر کے سپرد نہیں کیا جس کا مقصد اسی مکتب فکر کی فرمائش اور خواہش کی تکمیل ہو۔ ان لوگوں نے اس عقیدہ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا کہ وہ جس مکتب فکر سے منسلک تھے وہی حق پر ہے، اور جنت انہی کے لیے سجائی گئی ہے۔ اور باقی تمام دوزخ کے لیے پیدا کئے گئے ہیں، یہ لوگ اپنے اپنے مکتب فکر کی تنگ گلیوں سے اس لیے نکلے تھے کہ وہ بندگان خدا کو مختلف مکتب فکر کی انفرادی سوچ اور آباؤ اجداد کی تقلید سے نکال کر اللہ وحدہ لاشریک کی تقلید میں لا کھڑا کریں۔

میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ یہ لوگ رنگ ونسل کا لحاظ نہیں کرتے اور تمام امت کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتے ہیں بس وہ کلمہ توحید کا نام لیوا ہو۔ واقعتاً یہ ایک ابر کرم کے مانند ہے، جس کا فیض عنقریب تمام عالم پر عام ہوگا، اور انشاء اللہ ساری دنیا کو سیراب کریگا، زمین کا ہر حصہ بارگاہِ ایزدی میں ان لوگوں کے لیے دستِ دراز ہوگا۔ میں اس قافلے کی خوبیوں اور صلاحیت کو دیکھ کر نہ رہ سکا اور اب تک میں انکی گفتگو چوری چوری چھپ چھپ کر سن رہا تھا میدان میں کود پڑا، اور امیر سفر کی اجازت کے ساتھ اپنے زادِ راہ کو ان کے حوالے کر دیا، اور اس قافلے کا ایک حصہ بن گیا۔ وقت گزرتا گیا اور میں ان سے میل جول بڑھاتا گیا بالآخر چند دنوں کے بعد میں بھی ان میں گھل مل گیا اور بالکل بے تکلفی سے رہنے لگا۔

اچانک ایک اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے کہ امیر سفر نے سب کو دارالندوہ میں جمع ہونے کا حکم دیا ہے، اس اعلان کے بعد قافلے کے تمام افراد بلا امتیازِ جنس قطار در قطار دارالندوہ میں جمع ہوتے ہیں، امیر سفر کے آنے سے قبل محفل میں جو ایک شور وغل تھا ان کے آنے کے بعد ایک سناٹے میں تبدیل ہوجاتا ہے، آپ حمد وصلاۃ کے بعد ایک پر جوش اور فصاحت و بلاغت سے لبریز ایک تقریر کرتے ہیں جس کو میں اپنے لفظوں میں اس طرح بیان کرسکتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ ''تمام حکیمانہ باتیں، مومن کی میراث ہیں'' اس لیے اسلام کے نظام میں تمام حکیمانہ باتوں کی گنجائش رکھی گئی ہے، زبانیں اور مختلف علوم سیکھنے کی ترغیب زبان رسول سے دی گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تم عبرانی زبان سیکھو کہیں یہودی ہمیں دھوکہ نہ دیدیں۔ یہ سرمایہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے امت کو ملا تھا اِس امت نے اس کی حفاظت کی، اور تقریباً بارہ سو سال تک یہ نظام دنیا میں وحدت کے ساتھ جاری وساری رہا، اس میں کوئی تفریق نہیں تھی، تمام علوم کو اس نصاب میں سمویا گیا تھا، طالب علم جس علم اور شعبہ میں تخصص حاصل کرنا چاہے اس کی گنجائش تھی، ان مدرسوں سے نکلنے والے افراد روشن خیال ہوتے تھے، یہ تفریق نہیں برتی جاتی تھی کہ یہ مولوی کا طبقہ ہے، یہ جینٹل مینوں کا طبقہ ہے، یہ دینی علوم رکھتے ہیں اور یہ دنیوی علوم رکھتے ہیں، ان مدارس کے فارغین انجینئر بھی ہوتے تھے، ڈاکٹر بھی ہوتے تھے، اسی وحدانی نظام کے تحت ہمارے اسلامی عہد کے ابن خلدون، ابن قیم الجوزی، زہراوی، فارابی، ابن سینا، ابن رشد وغیرہ تھے، یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے اسی وحدانی طریقے سے تعلیم حاصل کی اور کمال پیدا کرکے دنیا کو راہ دیکھائی۔ ان مدارس کے طلباء کو یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ ہم نے فلاں علم نہیں پڑھا۔

لیکن آج ان علوم کو حاصل کرنے کے لیے الگ الگ میدانوں میں جانا پڑتا ہے، دینی علوم کے لیے مدرسہ جاؤ دنیوی علوم کے لیے کالج وغیرہ جاؤ، آج علم کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے، یہ تقسیم ہم نے خود نے کی ہے، اور ہم خود اس کے ذمہ دار

ہیں۔آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے دورِ قدیم کی طرف پلٹیں اور جیسے اس دور میں تعلیم کا رواج تھا اسی سنت قدیمہ کو زندہ کریں، اور ایسا نصاب تیار کریں کہ جس میں تمام علوم کی گنجائش ہو، اس کے فارغین عالم بھی ہوں، عصری تقاضوں کو پورا کرنے والے بھی ہوں، گریجویشن تک کی تعلیم یکساں ہو اور اس کے بعد M.A. کے اندر جو جس مضمون کو چاہے منتخب کرے۔کوئی فقہ پڑھے ،کوئی تفسیر پڑھے ،کوئی انجینئر بنے ، اور کوئی ڈاکٹر بنے تمام علوم کو حاصل کرنے کی مکمل آزادی ہو۔لیکن یہاں تک پہونچتے پہونچتے ان کے اندر ایمان اور اسلام اتنا راسخ ہو چکا ہو کہ اب ان کو کوئی طوفان بھی ڈھکیل نہ سکے،کوئی ماحول ان کے قلب کے اندر اسلام کے کسی رکن کی جانب سے بدگمانی پیدا نہ کرے، ان کا ایمان محفوظ ہو،اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک مسلمان کو تمام علوم کی ضرورت ہے، اسے اردو کی ضرورت ہے کیونکہ اسلامی علوم کافی مقدار میں اس زبان میں موجود ہے، ہندی کی بھی ضرورت ہے برادران وطن سے گفتگو کرنے اور ان کے ماحول کو اچھی طرح جاننے کے لیے، انگریزی کی بھی ضرورت ہے کیونکہ اس زبان نے عالمی زبان ہونے کی حیثیت اختیار کر لی ہے، اگر ہمیں مغرب کی چالوں سے محفوظ رہنا ہے، اور ان کے سامنے اسلام پیش کرنا ہے تو انگریزی کے دامن کو تھامنا ہوگا۔

ابھی امیر قافلہ اپنی تقریر کے درمیان ہی تھے کہ ایک خادم ایک ٹرے میں ایک کاسِ دھاق کے مانند پانی پیش کرتا ہے، آپ نوش فرمانے میں لگ جاتے ہیں کہ اسی دوران میں اہل محفل میں چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں'' آپ کے پانی سے فراغت کے بعد ایک بار پھر سے سب پر خاموشی طاری ہو جاتی ہے، اور آپ سابق موضوع کی طرف پلٹتے ہیں، اور اب ملت اسلامیہ کے درمیان اتحاد و اتفاق کے فقدان کو اپنا موضوع بناتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ موجودہ دور کی اہم ترین ضرورت باہمی اتحاد ہے جس کے ذریعہ ہم اپنی کھوئی ہوئی ساکھ کو دوبارہ حاصل کر سکتے

ہیں، اس وقت پوری دنیا میں عموماً اور عالم اسلام میں خصوصاً امت مسلمہ جن حالات سے گزر رہی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ہم ایک دوسرے کی تحقیر وتکفیر میں لگے ہوئے ہیں جس وجہ سے ایک مسلمان کا ہاتھ دوسرے مسلمان کے خون سے رنگا ہوا ہے۔ اس پرفتن اور پرآشوب دور میں جہاں اسلام کے نام لیوا ہی اسلام کو تہہ تیغ کر رہے ہیں، اور دین اسلام کی تابناک اور مثل آفتاب روشن تصویر پر ہم خود ہی قدغن لگا رہے ہیں، اسلامی اساسات کو کمزور کرنے میں ہم خود شامل ہیں، ایسے دور میں اگر ہم اسلام کی سچی ترجمانی کرنے کے خواہاں ہیں تو ہمیں ایک دوسرے کی تحقیر وتکفیر سے کلی طور پر پرہیز کرنا ہوگا، اپنی صفوں میں اتحاد قائم کرنا ہوگا، ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا ہوگا، تشدد اور تعصب کی بجائے تحمل سے کام لینا ہوگا۔

ہمیں قدیم کتابوں کو چھوڑ کر خدا کی کتاب کو اپنانا ہوگا، اور قرآن کریم کو مستقبل کی کلید کے طور پر پڑھنا ہوگا، ہمیں دیر یا سویر اس بات کو قبول کرنا ہوگا کہ خدا نے ہمیں بھی قدماء کی طرح ذہن وعقل سے سرفراز کیا ہے، جس کا کام ہی غور وفکر اور تفکر وتدبر ہے، اس سے محض ٹوپی رکھنے کا کام لینا یا تربوش برداری کے لیے اسے استعمال کرنا میرے خیال میں کفران نعمت ہی نہیں بلکہ ایک طرح کی بغاوت بھی ہے۔ جب تک ہم دوبارہ سے اپنے دل ودماغ کو حرکت میں نہیں لاتے اور کتاب اللہ کی تجلی سے اپنی راہوں کو منور نہیں کرتے تو بخدا قدماء کے التباسات ہمارا دامن نہیں چھوڑیں گے اور ہم اپنے آپ کو اس کیفیت میں مبتلا پائیں گے جسے قرآن، اتخذو احبارھم ورھبانھم اربابامن دون اللہ سے تعبیر کرتا ہے۔

آپکی تقریر کا آخری حصہ میرے کانوں پر نا گوار گزرا کیونکہ میں پڑھ کر آیا تھا کہ علماء کا اختلاف تو رحمت ہے اور یہ شخص رحمت کے دروازے کو بند کرنے میں لگا ہوا ہے جو ایک احمق ہی کر سکتا ہے، میں اس شخص کی چھان بین میں لگ گیا، اور اس کے سیاق وسباق کا اچھی طرح مطالعہ کیا اور میں نے اس بات کا بھی جائزہ لیا کہ لمبی عمر کی وجہ سے اس کی عقل تو سلب نہیں ہوگئی، لیکن ایسا نہیں

تھا یہ شخص عمر دراز نہیں تھا، اس کے بال دھوپ سے سفید ہوئے تھے نا کہ عمر سے۔ اس شخص کی شان میں مولانا ابوالحسن ندوی صاحب نے بھی قصیدے پڑھے ہیں جس سے اس کی شان کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

بہر حال وقت گزرتا گیا میں بھی اپنے دل میں ایک بوجھ محسوس کرتا رہا، لیکن حق کڑوا ہوتا ہے ساتھ ساتھ مقناطیس قوت کا حامل بھی ہوتا ہے، میں نے اتحادی قوت کا مطالعہ شروع کیا اور اس بارے میں اپنے چند مخلص دوستوں سے بھی گفتگو کی، اور اس کے فوائد وثمرات پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہونچا کہ ہمارے روشن ماضی کی سب سے بڑی طاقت باہم اتحاد تھا، جس کے فقدان نے امتِ مسلمہ کے حق میں پستی لکھ دی ہے، جس قوم کو قرآن نے اتحاد کی رسی کو مضبوتی سے تھامنے کا زبردست پیغام دیا تھا، اور جس ملت کو نبی رحمت نے بھائی چارگی کے ساتھ رہنے کی خوبصورت تعلیم دی تھی، آج وہی ملت کہیں علاقائیت کے نام پر تو کہیں زبان کو لے کر ،اور کہیں مسلکی اختلاف میں پڑ کر باہم دست گریباں ہے، اسی وجہ سے دشمن اپنی تمام ناپاک چالوں میں کامیاب ہیں۔ اور اسلامی خطوں میں مختلف طریقوں سے حملہ آور ہے، حالانکہ یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے موجود ہے کہ تین سو تیرہ انفاس قدسیہ کے اتحاد کی قوت نے ماضی میں زمانہ کو لرزہ براندم کر دیا تھا، اور حق کے پرچم کو بلند و بالا کر دیا تھا۔

لیکن افسوس: آج جب مسلمان کروڑوں کی تعداد میں ہیں تاہم افتراق نے انہیں غلامی کی چادر اوڑھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

لیکن میرے لیے اتحاد کا لفظ ایک نیا لفظ، اور اس میدان میں کام کرنا ایک نیا کام تھا، اور انسان کوئی نیا کام کرنے سے ہچکچاتا ہے، کیونکہ اس نے اس سے قبل وہ کام نہیں کیا ہوتا ہے لیکن زندگی میں بہت سے کام کبھی نہ کبھی پہلی مرتبہ کرنے ہوتے ہیں اس لیے اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، اور دوسروں کے لیے اسے چھوڑے رکھنا عقل مندی نہیں ہے۔ اور کسی نہ کسی کو تو میدان میں آنا ہوگا اور اس باگ ڈور کو سنبھالنا ہوگا ورنہ اسی طرح تماشہ دیکھتے رہے اور یوں ہی زندگی گزار کر چلے گئے تو خدا کو کیا جواب دیں گے اس لیے ہمیں اس میدان میں اترنا ہوگا اس بات کی فکر کیے بغیر کہ کامیابی ملے گی یا ناکامی۔ بہر حال قافلہ آگے بڑھتا گیا اور منزل قریب ہوتی گئی، امیر سفر کے علاوہ چند نادر شخصیات بھی گاہے بگاہے ہمارے قافلے کا حصہ بنتی رہیں، انہیں میں ایک نام ور شخصیت جناب ضمیر الدین شاہ کی ہے جو کہ اے۔ ایم۔ یو کے شیخ الجامعہ بھی ہیں آپ نے اپنے خطاب کے ذریعہ ہمارے اندر موجود صلاحیتوں کو اجاگر کیا، اور ہمیں مستقبل کی راہیں دکھائیں۔ احساس کمتری کو ہمارے اندر سے دور کیا اور ہمیں وہ پلیٹ فارم عطا کیا جس کے ذریعہ ہم اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔ اور عصری علوم کے حاملین سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کر سکیں۔

آپ کے علاوہ ایک نام ور شخصیت جناب سلیم منصور خالد صاحب جو کہ پڑوسی ملک پاکستان سے تشریف لائے تھے ہمارے قافلے کا حصہ بنے، آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ یہ قافلہ جس نہج پر چل رہا ہے اور جس طرح خدمات انجام دے رہا ہے وہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، آج امت مسلمہ جس انتشار کا شکار ہے اور وہ مختلف مسالک ومشارب میں منقسم ہو کر آپس میں جس طرح برسرِ بیکار ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس انتشار کو کم کیا جائے، انھوں نے آگے کہا کہ اگر ہم اس طرح کے قافلے تیار کرتے رہے تو وہ دن دور نہیں جب ہم عالم انسانیت کی قیادت کا فریضہ انجام دینگے، یہ قافلہ مسلم امہ کے اتحاد کی روشن مثال

ہے۔ان حضرات کے علاوہ اور بہت سی شخصیات بھی اس کارواں کا حصہ بنیں، اور اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور ماشاء اللہ اس قافلے سے ایک مثبت پیغام لے کر گئے اور اس طریقہ کار کو اپنانے کا وعدہ بھی کر کے گئے۔

ہمارے اس قافلے کو چند حادثات سے بھی گزرنا پڑا، اور ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی بڑا سفر بغیر کسی حادثہ کے تکمیل پا جائے۔ جو لوگ قرآن وحدیث پر عبور رکھتے تھے، منطق وفلسفہ کی گلیوں سے اسی طرح واقف تھے، کسی بات کو ثابت کرنے یا اس کی تردید کرنے کے لیے دلیلوں کے انبار لگا دیا کرتے تھے، ادب جن کی انگلیوں کا کھیل ہو، بڑے بڑے فصاحت وبلاغت کے شہسواروں کی جن کے سامنے زبان بند ہو جاتی تھی، وہی لوگ ایک خاتون سے، جو ہمیں انگریزی پڑھانے آئیں تھیں، دھوکہ کھا جائیں گے یہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔اس عورت نے جو کہ ایک بھیڑیے کی مانند تھی بکری کا لبادہ زیب تن کیے ہوئے تھی اپنے آپ کو ایک مظلوم بنا کر پیش کیا، اپنی سابقہ غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے بعد اپنی خوبیوں کو اس طرح پیش کیا کہ بڑے بڑے دانش وراس کی چالا کی کا شکار ہو گئے، اور اس کے جال میں اچھی طرح پھنس گئے کہ اس کی خاطر اپنی حدود کا بھی خیال نہیں رکھا اور اس کو عبور کر کے ایک دلدل میں پھنس گئے، بالآخر اللہ کر کے ایک لمبی محنت کے بعد یہ حادثہ ٹلا۔

ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ ہمارا قافلہ کو دوحصوں میں بانٹنے کی سازش کی گئی، اگر غور کیا جائے تو اس معاملہ کو چند لوگوں کے ذریعہ زبردستی طول دیا گیا تھا، ایک ہوّے کو حقیقت کا روپ دیا گیا تھا، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں اس معاملے کے پسِ پردہ ایک سازش رچی گئی تھی، اور بدقسمتی سے برج کورس ہی کے بعض لڑکوں اور بعض مخالف علماء کرام کے ذریعہ یہ سازش کامیاب بھی ہوگئی۔

میں نے اس سفر میں کیا پایا؟

اس قافلے سے الحاق کے بعد عصر حاضر کے وہ علوم وفنون جن کی وجہ سے میں اسے آپ کو ہر جگہ احساس کمتری، کم مائگی و بے بضاعتی کے عالم میں گھرا ہوا محسوس کرتا تھا، ان علوم سے بہت حد تک آگہی و آشنائی ہوگئی، اس کے لیے میں اے، ایم، یو علی گڑھ کے جدید اقدام یعنی برج کورس کا بے حد ممنون مشکور ہوں اس کورس نے جدید اور سائنسی علوم سے واقفیت اور قدامت پرستی کی دبیز چادر کو چاک کرنے میں ایک اہم رول ادا کیا ہے، میں اس کورس سے الحاق سے پہلے ۔ ہندوستان کے قوانین وضوابط، شہریت کے حقوق، اور صوبائی وملکی نظام سے نا آشنا تھا، اسی طرح سرزمین ہند کی قدیم سلطنتوں کے تاریخ سے حد درجہ ناواقفیت تھی، لیکن اس کورس میں داخلہ لینے کے بعد مندرجہ بالا علوم سے واقفیت کے ساتھ ساتھ دینی و دنیوی امور میں بھی سوچنے اور اچھی طرح سے سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوا۔ یہ تو وہ فوائد وثمرات ہیں جو میں دیگر اداروں میں رہ کر بھی حاصل کرسکتا تھا، مجھے اس سفر سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے ذریعہ مختلف نظریہ کے حاملین کے درمیان باہمی ربط اور افہام وتفہیم کے راستے ہموار ہوئے، اس سفر سے پہلے میرے ہاتھ جن افراد پر پتھر برسانے کے لیے اٹھتے تھے آج وہی ہاتھ ان لوگوں پر پھول برساتے ہیں، میرے ذہن میں اس طرح کی تبدیلی تبھی آئی جب اس کورس نے وہ پلیٹ فارم عطا کیا جس میں یہ سب لوگ جمع تھے، یہاں آنے کے بعد میں نے ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھا، اپنی ان بدگمانیوں کو دور کیا جو میں اپنے ساتھ لے کر آیا تھا، یہاں رہ کر میں نے ایک دوسرے سے تعلقات بڑھائے ایک دوسرے کو قبول کرنے کا سبق سیکھا، میری یہی وہ کامیابی ہے جس کو میں کہیں اور پڑھ کر حاصل نہیں کرسکتا تھا۔

آخر میں میرا یہی پیغام ہے، اور میں اس عہد کے ساتھ یہاں سے جاؤں گا کہ اپنی نئی نسل کو مفروضات کے اندھیروں کی طرف بڑھنے نہیں دونگا بلکہ اُن کا ہاتھ پکڑ کر اور ضرورت پیش آئی تو کان پکڑ کر انہیں حقائق کی روشنی میں لاؤ نگا تاکہ وہ نئی راہیں، نئی منزلیں تلاش کرسکیں، اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا تو انشاء اللہ انقلاب ضرور آئے گا۔

لمسجد أسس على التقوى من أول

فاطمہ اسعد

اپنی کہانی اپنی زبانی لکھنا سب سے مشکل کام ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے میں اپنی تاریخ اور اپنی زندگی کی روداد لکھنے جا رہی ہوں۔ میں یہ بھی کہتی ہوں کہ میں جو کچھ کہوں گی سچ کہوں گی سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی۔ تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

اردو کے قواعد کے مطابق ''میں'' تو صرف ایک چھوٹا سا ''ضمیر'' ہے۔ لیکن سچ مانئے اس لفظ میں میرا ماضی حال اور مستقبل سب چھپا ہوا ہے۔ اس ''میں'' نے مجھے تصور کی ایک حسین دنیا میں پہونچا دیا ہے۔ اب ہر طرف سے یہ آواز آ رہی ہے ''میں''، ''میں'' اور ''میں'' اب میں یہ سوچتی ہوں تو یہ ''میں'' گرامر کا ضمیر نہیں اب تو یہ میرے ضمیر کی آواز بن گیا ہے۔

مجھے ایک انجانا سا خواب گھیرے ہوئے ہے۔ کیونکہ میں آج اپنے بارے میں اپنے ہی قلم سے کچھ لکھنے جا رہی ہوں۔ یہ بڑی سخت منزل ہے۔ یہ اپنی پوری زندگی کو قلم کی زد پر لگانا ہے اور چند صفحات میں پیش کرنا ہے۔ میں جب سوچتی ہوں کہ یہ ''میں'' کیا ہے تو مجھے لفظ ''میں'' گاگر میں ساگر لگتا ہے۔ اب میرا ضمیر مجھ سے کہہ رہا ہے فاطمہ اٹھو قلم اٹھاؤ اور اپنے استاد کے حکم کی تعمیل کرو اور برج کورس کے سفر کی روداد رقم کرو۔

یہ چند سطریں جو غیر ارادی طور سے میرے قلم کی زبان سے ٹپک گئی ہیں اسے میری داستان حیات کا مقدمہ سمجھئے۔ مجھے

۱۶ر مئی ۱۹۹۶ء کو پہلی بار دنیا کو دیکھنے کا موقع ملا اسے آپ میری تاریخ ولادت سمجھ سکتے ہیں۔ خاندانی اعتبار سے اہل قریش ہوں۔ آبائی وطن چھپیا چھتونہ۔ پوسٹ صالح پور ضلع سنت کبیر نگر ہے۔ آباواجداد عرب کی سرزمین سے آئے تھے۔ پتہ نہیں کیوں اس گاؤں میں انھوں نے کیا دیکھا کہ یہاں آباد ہوگئے؟ میری سمجھ میں صرف ایک بات آتی ہے کہ یہاں کا پانی بہت میٹھا ہے۔ زبان اور لہجہ تو سخت ہے۔ لیکن یہاں کے لوگوں میں رحم، عدل اور شرافت بہت ہے۔ ہر بات میں بحث وتکرار کے عادی ہیں۔ اپنی سچی بات پر اڑے رہنا یہاں کے لوگوں کی فطرت ہے۔ وہ سچائی سے منھ نہیں موڑتے جھوٹ سے ان کو نفرت ہے۔ لوگ باتیں کرتے ہیں تو منھ سے پھول جھڑتے ہیں۔ شاید اسی سرزمین کو دیکھ کر یہ شعر کہا ہوگا احمد فراز نے۔

سنا ہے بولیں تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کرکے دیکھتے ہیں

شاید یہی وجہ ہے کہ میں بھی ان تمام باتوں کی عادی ہوں یہ میرے خاندان کا خاصہ ہے۔ ہر ایک کی طرح میں نے بھی بچپن میں گھر کی تعلیم حاصل کی۔ ماں کی گود جو بچے کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے اس کو حاصل کیا اور باپ کی نگہبانی میں پرورش پائی۔

بچوں کو ماں کی گود بھی مکتب سے کم نہیں
اس مدرسہ میں حاجتِ لوح وقلم نہیں

اس کے بعد تعلیم کا مسلسل نظام شروع ہوا۔ چار سال کی ہوئی تو گاؤں کے ایک مدرسہ میں گئی بمشکل ۴ یا ۵ مہینہ اس کے بعد میں ۳، ۴ مہینے کل ملا کر ایک سال میں اسکول اور مدرسہ کی شکل

دیکھی۔ بسم اللہ ہوا۔ کچھ تہذیب وطریقہ، سورہ، دعا وغیرہ یاد کر لیئے اس کے بعد والد محترم لکھنؤ ملیح آباد کٹولی میں ایک مدرسہ ہے جامعہ سید احمد شہید، اس میں پڑھا رہے تھے وہاں لے کر آئے۔ خاندانی تہذیب یافتہ ہونے کی وجہ سے والدین کی خواہش تھی کہ اکیلی لڑکی ہے خوب پڑھائیں گے۔ ایک Electrical Engineer ہونے کے باوجود میرے والد نے مدرسے میں پڑھانا معتبر سمجھا بنسبت تمام پیشوں کے۔ ان کی سوچ تھی کہ آج ہم ایک پڑھے لکھے ہونے کے باوجود اپنی ہی قوم کی مدد نہیں کریں گے تو پھر کون کرے گا؟ اگر وہ مدرسوں کے بچوں کو انگریزی، سائنس کی تعلیم دیں گے تو وہی بچے آگے بڑھ کر دنیا کی باگ دوڑ سنبھالیں گے۔ اور دنیا کا مقابلہ کر سکیں گے ان کے حوصلوں کو بڑھانا بہت ضروری ہے۔

اگر آپ غور کریں گے تو دیکھیں گے کہ مدرسوں کے بچوں کے اندر خواب سجانے کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے۔ ان میں سے میں بھی ایک ہوں۔ پاس کے مدرسہ میں یعنی جس مدرسہ میں والد پڑھاتے تھے اسی کی شاخ لڑکیوں کے لیے بھی تھی اسی میں میرا داخلہ کروایا۔ کسی اور جگہ بھیجنے سے پرہیز کیا شاید چھوٹے پن کی وجہ سے یا انھیں دینی تعلیم دلوانا زیادہ بہتر لگا۔ بہرحال نہ جانے کتنے خواب بنے تھے میں نے اور ان کو ایک مالا میں جپ کر پہننا چاہتی تھی۔ اب میں جان چکی ہوں کہ دنیا میں رہنے کے لیے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے ”علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے“۔

مگر نہ جانے کیوں عورتوں کو تعلیم دینا اکثروں کو بے کار لگتا ہے۔ وہ بات کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے یا ان کے پاس دماغ ہی نہیں

رہتا۔لڑکوں کوتو تعلیم دلوانا شان مگر لڑکی کو۔۔۔۔۔ پتا نہیں ان کی وہ شان کہاں چلی جاتی ہے۔ جو لڑکوں کو تعلیم دلواتے وقت رہتی ہے۔اسی لیے حدیث میں مرد اور عورت دونوں کا لفظ آیا فقط مرد کا یا عورت کا نہیں۔ یا یہ کہ دینی تعلیم حاصل کرو عصری نہیں۔ بلکہ زمانہ کے ساتھ چلنے کو کہا ہے اور برابری کا درجہ دیا ہے۔ مجھے تو خوف لگتا ہے زمانہ کی نیرنگیوں کو دیکھ کر کہ اگر برابری نہ کرتا خدا تو شاید عورتوں سے تعلیم کا حق تو حق شاید جینے کا بھی حق چھین لیتے۔

لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے عورتوں کو مرد کی پسلی سے پیدا کیا اور ان کو نگہبان بنایا عورتوں کا یہ اس لیے کہ وہ ان کی حفاظت کریں۔تو میں سمجھتی ہوں کہ خدا نے عورتوں کو اسی لیے سر سے پیدا نہیں کیا تا کہ ان کو سروں کا تاج بنایا جائے، اور نہ ہی پیروں سے تا کہ ان کو روندا یا کچلا جائے۔ بلکہ ان کو پسلی سے پیدا کیا تا کہ وہ برابر رہیں اور بازو میں محفوظ، اور دل کے قریب۔

خدا کا ارشاد ہے کہ ہر چیز کی تلاش کرو اور علم وعقل سے تلاش وجستجو میں اپنا وقت صرف کرو۔علم کے میدان میں انسان علم جتنا حاصل کرے کم ہی ہے۔اس کی اہمیت مجھے اس طرح معلوم ہوئی جب میں نے سوچا کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس کے لیے اللہ نے ہمیں اس دنیا میں بھیجا جانوروں کو اور دوسری مخلوقات کو بھی۔سب ہی تو زندگی بسر کرتے ہیں۔مگر اللہ نے انسانوں کو اشرف المخلوقات کا لقب دیکر نوازا۔اگر اس کو اپنی اطاعت اور فرماں برداری ہی کروانا مقصود تھا تو اس کے لیے فرشتے کافی تھے؟ نہیں مگر اس کو کچھ اور ہی مقصود تھا۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

جب بہت خیال دوڑایا کہ آخر وہ کون سی چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے عقل'' بھی ایک آلہ ہے تو یہ بات سامنے

آئی کہ وہ چیز علم ہے''، جس کے معنی جاننے کے ہیں۔ اور تب یہ راز بھی کھل گیا اور سمجھ میں آیا کہ انسان کو اور جانوروں سے زیادہ جو کچھ کرنا ہے وہ صرف تمام باتوں کی اصلیت دریافت کرنا ہے۔ اور یہ علم سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

زندگی کو بہتر بنانے کے لیے علم حاصل کرنا انسان کے لیے ضروری ہے اور ایسی تعلیم کو اختیار کرنا چاہیے جو اندرونی قویٰ کو شگفتہ اور شاداب کرے۔ کیونکہ انسان میں تمام خوبیاں تعلیم سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ انسان کو تعلیم دینا درحقیقت کسی چیز کا باہر سے اس میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ جو کچھ انسان میں ہے اس کو باہر نکالنا انسان کو تعلیم دینا ہے۔ اور اس کو کسی کام کے لائق بنانا اس کی تربیت کرنا ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے انسان کو تعلیم و تربیت دونوں کی ضرورت ہے۔ زیادہ تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ میرے اندر نہ جانے کہاں سے آیا شاید یہ میرا خاندانی اثر تھا۔ بچپن سے ہی ایک کامیاب اور ایک بے مثال لڑکی بن کر عالم پر چھانے کا خواب جو مجھے رہ رہ کر اکسا رہا تھا جس کو پورا کرنے کی جستجو میری نہ جانے کب سے شروع ہے۔

لوگ چن لیں جن کی تحریریں حوالوں کے لیے
زندگی کی وہ کتاب معتبر ہو جائیے

اور جب یہ بات سمجھ میں آئی تو تشویش ہوئی جامعہ حفصہ للبنات نامی مدرسہ میں میرا نام لکھوایا وہاں میں نے ۱۲؍ سال اپنی زندگی کے صرف کیے جو کہ کوٹھی ملیح آباد لکھنؤ میں واقع ہے۔ وہاں میرا اچھا خاصہ وقت لگا وہاں سے زندگی کیا ہے؟ ہم کیوں آئے ہیں؟ اس کا پتا چلا۔ ان بارہ سالوں نے مجھے بہت کچھ دے دیا تھا۔ مجھے ہر چیز کی تمیز، اچھائی، بدی ہر اس چیز سے آگاہ کیا جس کے لیے ہم اس دنیا میں آئے ہیں۔ اس مدرسہ نے مجھے کیا؟ کیوں؟

کیسے؟ کا جواب دیا۔ اور سوال کرنا سکھایا۔ کہتے ہیں کوئی انسان کتنا بھی تعلیم حاصل کر لے کم ہی ہے۔ وہی حال میرا بھی ہے۔ عالمیت کے بعد بھی جستجو ہوئی کہ کچھ اور پڑھیں اور دنیا کے بارے میں جانیں۔ مدرسہ نے ہمیں پڑھایا تا کہ آخرت اور دنیا کے امتحان کے لیے کامیاب ہو سکے۔ کچھ کرنا چاہتی تھی۔ کچھ بہتر جو سب سے الگ ہو یہ ضروری نہیں کہ نایاب کام وہی کر سکتا ہے جس کی قسمت میں لکھا ہو بلکہ محنت اور طلب ہر اس چیز کو ممکن بنا دیتی ہے جو ناممکن ہے۔ اپنے خوابوں کی منزل کو حاصل کرنے کی طلب میں مجھے کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سب کی اونچائی کو چھولوں۔ اپنی منزل کو حاصل کرنے کے لیے مجھے بہت محنت کرنا ہے۔ مگر خوف بھی کرتی تھی کہ آخر جس خواب کو میں دیکھتی ہوں اگر وہ پورا نہیں ہوا تو پھر میں کیا کروں گی؟ مگر پھر یہ خیال آیا کہ جس پروردگار نے مجھے یہ خواب دکھایا وہی اس کی تکمیل بھی کرے گا مجھے تو بس حضرت ابراہیم کی طرح اس کی تعمیل کی کوشش کرنی ہے۔ کہتے ہیں کہ انسان جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو کائنات کی ہر شے اس کے حصول کے لیے انسان کی مدد کرتی ہے اور کوئی غیر مری طاقت ایسی ہوتی ہے جو چاہتی ہے کہ انسان کو اپنی منزل تک پہنچائے۔ یہ طاقت انسان میں جیتنے کی خواہش کو ابھارنا چاہتی ہے یہ وہ طاقت ہے جو بظاہر تو معنی نظر آتی ہے مگر آپ کو احساس دلاتی ہے کہ آپ کی منزل دراصل ہے کیا؟ یہ انسان کی روح کو بیدار کرتی ہے اس میں خواہش اجاگر کرتی ہے۔

سفر میں مشکلیں آئیں تو جرأت اور بڑھتی ہے
کوئی جب راستہ روکے تو ہمت اور بڑھتی ہے

عالمیت مکمل کرنے کے بعد اگر میں کہیں بھی جاتی تو لوگ مجھ سے میری qualification پوچھتے اگر میں ان سے بتاتی کہ عالمیت کر کے آئی تو وہ سمجھتے کہ میں نے کچھ پڑھا ہی نہیں کہ ہماری دنیا اس قدر مال و دولت کے پیچھے پڑ گئی کہ دینی تعلیم کی کوئی اہمیت نہیں جس کے لیے ہم اس دنیا میں آئے اس سے وہ بالکل ہی بے خبر مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا کہ آخر وہ کیا کر رہے ہیں۔ مگر مجھے اس دنیا کو دکھانا تھا کہ یہ وہی عالمیت کی ہوئی لڑکی ہے جو اپنے خوابوں کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ خدا جو خواب دکھاتا ہے تو وہ اسے پورا کرنے کی ہمت بھی دیتا ہے۔

انسان تھک کر ہار مان لیتا ہے مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ اگلے ہی قدم پر کامیابی اس کا انتظار کر رہی ہے۔ معمول کے مطابق والد صاحب اخبار پڑھ رہے تھے۔ تب میری عالمیت ہو چکی تھی ان کو بھی فکر تھی کہ آگے کیسے پڑھائی ہو۔ کیونکہ عالمیت کے بعد کوئی مناسب اسکول نہیں ملا جو ہر لحاظ سے درست ہو۔ گھر کا پڑھا لکھا ماحول پڑھنا اور آگے بڑھنا سب کی طرح میرے گھر کا رواج تھا۔ حالانکہ میری عالمیت مکمل ہو گئی تھی مگر دینی اور عصری دونوں تعلیم نہایت ضروری ہے۔ زمانہ نے دین کی تعلیم کی کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ مادہ پرستی نے اس قدر اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں کہ دین کی طرف کسی کا خیال بھی نہیں جاتا۔ اس لیے لوگ صرف وہ تعلیم حاصل کرتے ہیں جس سے نوکری کر کے یا یوں کہئے کہ غلامی کر کے صرف دولت حاصل کریں۔ آج کل تو صرف لوگوں کا مقصد دولت کمانا ہے اور وہ بھی چاہے جیسے۔

میری ماں جنھوں نے مجھے بچپن سے ہی آج تک دینی تعلیم کی اہمیت بتاتی رہیں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ہر کام کو دیکھنے والی۔ جنھوں نے مجھے ہر روز قرآن پڑھنے اور نماز کی تاکید کی۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ مجھے بھی حافظ قرآن بنانا چاہتی تھیں مگر میں بدنصیب نہ بن سکی۔

والد نے اخبار میں پڑھا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک برج کورس کا شعبہ کھولا گیا ہے جس میں مدرسہ کے پڑھے لکھے لڑکے اور لڑکیاں جو عالمیت پاس کر چکے ہیں ان کا داخلہ اس میں کر کے ان کو انگریزی اور دیگر مضامین پڑھا کر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ آگے اپنی زندگی عزت سے گزار سکیں۔ والد صاحب بہت خوش ہوئے کہ علی گڑھ جو کہ علم وادب کا Shrine ہے۔ اس میں علم حاصل کرنا جو کہ اتنا بابرکت ہے خدا کے رحم وکرم سے نہایت عنایتوں سے بھرپور یا یوں کہہ لیجئے کہ علی گڑھ جیسا علم کا گہوارہ جو کہ ایک مسلم کے لیے نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے خاص کر ایک لڑکی کے لیے جس کو پیدا کرنے کے بعد جنم دینے والی ماں اور پالنے والا باپ ہی سمجھ سکتا ہے۔ علی گڑھ جیسی یونیورسٹی میں داخلہ پانا مجھ جیسی طالبہ کے لیے بڑا سخت مرحلہ تھا۔ میں انگریزی سے بالکل نابلد تھی۔ اور اس یونیورسٹی میں داخلہ لینا جس میں داخلہ پانے کے لیے لوگ سالوں کی محنت کرتے ہیں پھر بھی نہیں پاتے۔ والد صاحب نے میری برج کورس میں داخلہ کے لیے پتہ لگا کر فارم بھرا وہ اتنے خوش تھے کہ شاید انھیں امید نظر آ رہی تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اگر ان کی بیٹی کا داخلہ اس یونیورسٹی میں ہو جائے گا تو پڑھائی کو لے کر ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ فارم بھرا اور پھر ٹیسٹ کے لیے آئے ٹیسٹ دینے کے لیے جب میں گھر سے چلی تھی تو کافی پریشان تھی کبھی اتنا بڑا امتحان نہیں دیا تھا اسی لیے۔ مگر والد صاحب تھوڑی تھوڑی دیر میں کہہ رہے تھے بیٹا جتنا ہو سکے صاف صاف اچھے سے لکھنا۔ گھبرانا نہیں۔ میں نے کہا اگر نام نہیں آیا تو محنت بے کار ہو جائے گی۔ والد نے تسلی سے جواب دیا تو کیا ہوا۔ کسی اور جگہ پڑھنا ایسا تو نہیں ہے کہ نہیں ہوگا تو زندگی ہی ختم۔ مجھے گھبراہٹ تھی مگر والد میں ایک چیز دیکھی نہ جانے کیوں انھیں مجھ پر اتنا یقین تھا، مجھے اپنے آپ پر اتنا یقین نہیں تھا جتنا کہ انھیں مجھ پر تھا۔ انھیں یقین تھا کہ میں ان کی بیٹی ہوں اور انھیں کی طرح جب امتحان ہال میں گئی تو گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ اس وقت سب

کافی بڑے لگ رہے تھے۔اچانک سے کسی بھی چیز کو دیکھ کر ڈر جانا انسان کی فطرت ہے۔میں تو سمجھ گئی کہ اب میں کام سے گئی۔جب اتنے بڑے بڑے عالم ہیں تو میری کیا اہمیت۔باہر نکلی والد کو پرچہ دکھایا انھوں نے سوال پوچھا اور میں نے وہی جواب دیا جو میں لکھ کر آئی تھی انھوں نے کہا انشاءاللہ نام آجائے گا۔گھر واپس آ گئی۔

کچھ دنوں بعد ایک فون آیا کہ اگست میں انٹرویو ہے والد کی خوشی تو دیکھنے والی تھی۔جیسے لگا کہ میں M.B.B.S. کا امتحان دے کر پاس ہوگئی ہوں۔مگر اس کا اندازہ اسے ہی ہوگا جو بہت زیادہ فکر مند ہو۔یہ ان کے لیے M.B.B.S. سے بڑھ کر تھا۔انٹرویو دیا اور وہاں پتا چلا کہ ایک ہفتہ کے اندر رزلٹ آجائے گا۔والد کے ساتھ گھر آئی۔ایک ہفتہ کے بعد فون آیا کہ نام آ گیا ہے ساز وسامان کے ساتھ آ جایئے ۲۷/اگست کو کلاس ہوگی۔

بہت خوشی تھی کچھ کرنے کا جذبہ جو تھا اس میں روشنی کی ایک کرن نظر آئی۔بہت خوشی اس کا اندازہ صرف مجھے اور میرے گھر والوں کو۔کوئی دوسرا اس کا احساس بھی نہیں کر سکتا۔اور نہ ہی میرے پاس الفاظ ہیں اس احساس کو بیان کرنے کے لیے۔اپنے گھر والوں سے کبھی اتنی دور پڑھنے کے لیے نہیں گئی تھی۔آپ سے میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ میں نے جہاں پڑھا اپنے والدین کے ساتھ ان کی نگرانی میں دور کا سفر اور والدین سے دوری میرے لیے کیا؟ دونوں کے لیے امتحان تھا۔والدہ کی لختِ جگر اور والد کی نورِ نظر ان کو بہت پیار ہے اپنی بیٹی سے شاید میرے اکیلے کی وجہ سے یا میری عادتوں کی وجہ سے۔

آنے کے لیے تیاری شروع کر دی جب وقت قریب آیا۔عجیب سی گھبراہٹ میں سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔آنسو آنے لگے میں برداشت کر رہی تھی مگر خود بخود آئے جا رہے تھے۔والد نے جیسے ہی بیگ اٹھایا اور باہر نکلے میں والد سے گلے مل کر روئی اور اس وقت میرے صبر کا باندھ ٹوٹ گیا تھا۔

آج لکھتے وقت بھی مجھے ان کی یاد آ رہی ہے مگر زندگی کو سمجھنے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے قربانی دینا ضروری ہے۔ایسا نہیں

تھا کہ مجھے پڑھنے لکھنے کا شوق نہیں یا محض گھر والوں سے بچھڑنے پر ایک رسم کے طور رونا کیا تھا میں آجتک سمجھ نہیں پائی مگر یہ وہ روحانی محبت تھی جو ایک بیٹی کو اپنی ماں سے ہوتی ہے۔ ہمیشہ ان کے ساتھ ہی رہی آج تک ان سے دور نہیں ہوئی تھی اسی لیے کافی پریشان تھی۔ اور نم آنکھوں سے الوداع کہا۔ اور میں روانہ ہوگئی علی گڑھ کے لیے اور وہ دیکھتی رہیں جب تک ان کی نظر دیکھ سکتی تھی۔ اس سے پہلے میں نے کبھی پڑھائی کے لیے اتنا لمبا سفر نہیں کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ لکھوں میں اپنے مالک حقیقی کا یعنی اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائی۔ ویسے تو میں نے اپنی زندگی میں طالب علمی کے زمانہ میں بہت سفر کیے مگر وہ سفر صرف اسکول سے گھر تک اور گھر سے اسکول تک محدود رہا۔ آج میں نے جانا کہ زندگی کسے کہتے ہیں۔ انسان اکثر کوئی نیا کام کرنے سے ہچکچاتا ہے کیونکہ اس نے اس سے پہلے وہ کام نہیں کیا ہوتا۔ ہر کام کو انسان زندگی میں کبھی نہ کبھی پہلی مرتبہ کرتا ہے۔ اسی لیے انسان کو کوئی بھی کام کرنے سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ برج کورس میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ درست ہے کہ زندگی ہمیشہ ان پر مہربان ہوتی ہے جو اپنی منزل کی تلاش میں سرگرداں ہوتے ہیں۔ میں ایسی جگہ ہوں جہاں نہ جانے کہاں سے علم کی خوشبو سے تربتر ہو جاتا ہے انسان۔ سرسید کا خواب جس کو انھوں نے پورا کیا اور آج سب کی زندگی گلِ گلزار ہے۔ انسان

ایک طالب علم بن کر آتا ہے اور وہ علی گڑھ کا ہی بن کر رہ جاتا ہے۔ اس یونیورسٹی کی کامیابی کے چرچوں سے پتا چلتا ہے کہ یہ ایک ایسی بابرکت جگہ ہے جہاں کے ذرے سورج سے مل جاتے ہیں اور اپنی روشنی سے عالم میں جگمگاتے ہیں۔ میں سرسید کی احسان مند ہوں اور ان کا تمام عظیم ہستیوں کے لیے جو نئی نسل کے مستقبل کو ایک شمع بنا کر عالم میں روشن کرنا چاہتے تھے۔ جو چاہتے تھے کہ انسان جس مقصد کے لیے آیا ہے دنیا میں وہ اپنا حق ادا کرے۔

سرسید کا بھی خواب تھا اور انھوں نے اس کو پورا کیا حالانکہ اس خواب کا پورا کرنے کے لیے انھوں نے بہت مشکلوں کا سامنا کیا۔ مگر اس کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔ اور اپنے آپ کو مٹا کر آج ہر ایک کے سینوں میں دھڑک رہے ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سرسید احمد خاں کی بخشی ہوئی ایک مقدس یادگار ہے یہ ایک ایسا تبرک ہے جو مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی زندگی کو وزن و وقار بخشتی ہے۔ اگر آج یہ ادارہ نہ ہوتا تو ہندوستان میں مسلمانوں میں کوئی ڈاکٹر یا انجینئر کوئی سائنس داں اور مفکر اور ریاست کا جاننے والا نہ ملتا۔ یہ ادارہ انھوں نے انگریزی طرز پر کھولا تھا۔ جب بڑے بڑے علماء نے اس پر اعتراض کیا تھا کہ یہ لڑکوں اور لڑکیوں کو بے دین بنانا چاہتے ہیں۔

میں یہ کہتی ہوں کہ سرسید مرحوم نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی قائم کر کے اسلام اور مسلمانوں پر خاص طور سے ایک بہت بڑا احسان کیا ہے جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ جب انھوں نے تعلیم کے اس گہوارے کو قائم کیا تھا۔ اور انگریزی اور دیگر علوم وفنون وغیرہ کو پڑھانے کے لیے اس میں شعبے کھولے تھے اور لندن کی طرز پر سارا اہتمام کیا تو لوگوں نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ مگر وہ مومن اپنی دھن کا پکا کسی کی پرواہ کیے بغیر اپنی راہ پر گامزن رہا۔ اور آخر کار اس ادارہ کو اوج ثریا تک پہونچا ہی دیا۔

مجھے تو ہنسی آ رہی ہے کہ جس زبان نے ہم پہ حکومت کی اور ہمیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھا اسے حاصل کرنے کے

لیے ہم اتنا پریشان ہیں کہ آج میں اسی زبان کو سیکھنے کے لیے اتنی دور آئی ہوں۔ مگر خوشی ہوتی ہے کہ انگریزی داں لوگوں کے مقابل ہوکر ان کے سوالوں کا جواب انھیں کی زبان میں دوں گی تو زیادہ ہی مسرت محسوس ہوگی۔ بہر حال فاصلہ طے کر کے جب ساری کار وائیوں کے بعد والد صاحب ہاسٹل بھیجنے کے لیے آ گئے۔ تو دل تیزی سے دھڑکنے لگا جانے کیوں آنکھوں سے خود ہی آنسو بہہ رہے تھے۔ تھامنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ وہ پیار تھا جس کا انداز صرف ایک بیٹی کو ہو سکتا ہے۔ مگر جب پلٹ کر دیکھتی ہوں تو عجیب کیفیت ہوتی ہے۔۔۔۔۔

یہ کیا؟ والد کی آنکھوں میں آنسو یہ میرے لیے نہایت حیران کن بات تھی آج تک اتنی بڑی ہوگئی مگر کبھی والد کو اتنا کمزور نہیں پایا تھا نہ جانے کیوں آنسو خود بہ خود آ گئے تھے اور اس بات کی دلیل دے رہے تھے اور مجھے احساس کرا رہے تھے کہ یہ آنسو ایک بیٹی کے لیے ہے جوان کے لیے ایک بیٹا ہے اور ان کا فخر ان کا غرور۔ اس دن سے پہلے میں سوچتی تھی کہ والد وغیرہ کبھی نہیں روتے مگر آج احساس ہوا کہ اولادیں کیا ہوتی ہیں والدین کے لیے وہ کس قدر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ ان کی کمزوری ہیں۔ اسکی اہمیت صرف والدین بتا سکتے ہیں۔ جہاں تک ماؤں کی بات ہے تو وہ مشہور ہی ہیں نرم، محبت، رونے میں ان کے اندر سمندر رہتا ہے جو ہمیشہ ابل پڑتا ہے مگر اس کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہ بات میرے لیے اہم ہے مگر وہ کام جو زندگی میں پہلی بار ہو اس کی اہمیت شاید وہی جان سکتا ہے جس کے ساتھ یہ حادثہ ہوا ہو۔ جب وہ اپنی بیٹی کو اللہ کے بھروسہ پر چھوڑ جا رہے تھے .R.C.A کے ہاسٹل سے تو نہ صرف میری آنکھوں میں آنسو تھے بلکہ ان کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ جب میری طرف سے انھوں نے اپنی آنکھیں پھیر دیں تو پھر پلٹ کر نہیں دیکھا کہیں میرے آنسو ان کے پیروں کی بیڑیاں نہ بن

جائے۔ وہ آخری وقت جب والد نے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا جاؤ اندر بس اتنا ہی کہا نصیحت بھی نہیں کی۔ یہ کیا کہوں میں؟ شاید ان کی آواز بھر سی گئی یا ان کو مجھ پر خود سے زیادہ یقین۔ دوسرے باپوں کی طرح یہ بھی نہیں کہا کہ اچھے سے دل لگا کر پڑھائی کرنا۔ بس اتنا ہی کہا جاؤ۔۔۔اب مجھے سمجھ میں آیا کہ غرور خود بخود پیدا ہوتا ہے اس کو سکھانے یا کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں نے بھی ان کو آواز نہ دی حالانکہ میری آنکھوں میں آنسو جڑے تھے۔ اور یہ سوچ رہی تھی کہ شاید وہ پلٹ کر ایک بار تو مجھے دیکھیں گے۔ لیکن اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ان کی بھی وہی کیفیت ہوگی جو میری تھی کہ کہیں ان کے آنسو میرے ارادوں کو بدل نہ دیں۔ میں دور تک انکو دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ ماں کی مامتا تو خیر دنیا میں مشہور ہے لیکن باپ کی شفقت وہ چاہتی ہے کہ میری اولاد ہمیشہ خوش رہے اور اپنی اولاد کو اپنے سے بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر باپ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد نیک ہو۔ کامیاب ہو۔ زندگی کی منزلوں میں پھولے پھلے اور پروان چڑھے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کا نام اس کی اولاد کی وجہ سے ہو۔ لوگ جب ان کو دیکھیں تو یہ کہیں کہ یہ ''فاطمہ اسعد کے والدین ہیں'' نہ یہ کہ ''یہ اسعد احمد صاحب'' کی بیٹی فاطمہ ہے۔

آج میں یہ کہنے میں یہ نہیں ہچکوں گی اور سچ کہوں گی کہ میں نے اپنے آپ کو پہلی بار اتنا مجبور محسوس کیا تھا جب میرے والد نے مجھے علی گڑھ کی دہلیز پر چھوڑا تھا جہاں میرا کوئی نہیں تھا۔ میں مجبور تھی پڑھنے کی لگن نے مجھے دوڑ کر ان سے لپٹ جانے کو روکا تھا۔ اب میں کیا کہوں بس پھر اپنا سامان لے کر کمرہ میں آئی۔

اپنی مجبوریاں ہم بتائیں کسے
رہ گئے جانب آسماں دیکھ کر

ہاسٹل میں آئی اور تمام عمل جو ہاسٹل کے معمول ہوتے ہیں مکمل کیے پھر ایک روم میں آئی جو اپنائیت کی دعوت دے رہا تھا

اس کی خوشبو کچھ جانی پہچانی سی تھی۔آداب واخلاق تو گھر والوں کی طرح یا گویا صرف گھر ہی چھوٹا ہو مگر لوگ وہی۔ روم میں Ph.D. کی بڑی طالبات تھیں۔اس انداز میں اپنائیت کا لہجہ تھا میں سوچ رہی تھی کہ اتنی شیرینی تو صرف ہندوستان کی مٹی میں ہے مگر شکل وصورت کو دیکھ کر آپ انھیں دوسرے ملک کا کہیں گے پتہ چلا کہ کشمیر کی ہیں۔ وہ کشمیر کی وادیوں سے آئی ہوئی ہو نایاب پھول جو آکر تعلیم حاصل کر رہا ہے۔اور میری قسمت مجھے یہاں کھینچ لائی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے ایک کمرہ نہیں ملا بلکہ ایک گھر ملا۔جس میں انھوں نے گھر والوں کا کام انجام دیا۔سب مجھ سے کہتی ہیں فاطمہ تم تو بہت خوش قسمت ہو ہاسٹل میں ایک اچھے روم کا ملنا بہت بڑی بات ہے تمہیں تو اچھے روم میٹ بھی ملے ہیں۔اتنی دور گھر والوں سے آکر عجیب سا ہوتا مگر ان کی نگرانی نے مجھے کبھی احساس نہیں ہونے دیا۔ میں حیران ہوں کہ انھوں نے میرے اندر کیا دیکھا کہ انھوں نے اپنا لیا۔ مجھے قدرت کا کرشمہ اب پتا چل رہا ہے کہ اس نے مجھے تین بھائی تو دیئے مگر بہنوں سے محروم رکھا۔مگر یہاں علی گڑھ میں بڑی بہنیں دیں۔انھوں نے میرا بہت خیال رکھا اجنبی سے اتنا گھل مل جانا یہ ان کے آداب واخلاق کی وجہ سے ہے۔ میری بیماری میں میری تیمارداری میں جب کچھ پوچھوں اس کا جواب فوراً دینا اگر میں ہزار بار پوچھوں کبھی جھلا کر بات نہ کرنا۔ ہر کام میں میرا ساتھ دینا۔ میرا انتظار کرنا۔اگر دیر ہو جائے تو فون کر کے پوچھنا۔ میں ان کی احسان مند ہوں اور چاہوں گی کہ ان کے احسان کو کبھی فراموش نہ کروں اللہ ان کی ہر جائز خواہش پوری کرے۔ کہتے ہیں جب زیادہ میٹھا ہو تو چیونٹی لگتی ہے مگر یہ وہ شیرینی تھی جس میں کبھی چیونٹی نہیں لگتی۔

میں اکثر سنا کرتی تھی کہ کشمیر دنیا کی جنت ہے۔ میرے نانا اکثر پڑھا کرتے ہیں:

”اگر فردوس برروئے زمین است
اگر زمین پر کہیں جنت ہے تو
ہمین است وہمین است،ہمین است“
وہ یہیں ہے وہ یہیں ہے

ہاسٹل میں دوستوں یعنی کلاس میٹوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ پہلا جملہ السلام علیکم آپ برج کورس میں آئی ہیں۔ اور دوسری مسکرا کر ہاں۔اس کے بعد آگے باتیں۔شروع میں ماحول کا اچھے سے معائنہ کر رہی تھی۔ اور آداب واخلاق سے آگاہ ہو رہی تھی کہ کون کس مزاج کا ہے۔ میری عادت ہے کہ اکثر لوگوں کو پڑھ کر ان سے بات کرتی ہوں۔ ورنہ خاموش ہی رہتی ہوں۔کافی اچھی ملیں سب ایک دم میرے ہی مزاج کی۔انھیں دیکھ کر مجھے ایسا لگا کہ میں انھیں بہت دنوں سے جانتی ہوں۔

صبح ۲۷/اگست ۲۰۱۵ء ہم سب تیار ہو کر کلاس کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ کسی کو معلوم نہ تھا ہنسی آرہی تھی کہ کہاں جائیں گے رکشہ والے سے بولے تو وہ برج کورس جانتا ہی نہیں ہم سب نے کہا آفتاب ہال کے آگے پوسٹ آفس کے سامنے تو وہ لے کر آیا مگر کافی چکر کاٹنے کے بعد کیونکہ اس کو بھی نہیں معلوم تھا۔ پتا نہیں کس جگہ پہونچا دیا تھا پھر پتا لگا یا کلاس میں داخل ہوئے۔ پہلا دن اور سب دیر سے آئے۔ استاذ نے پکڑ کی اور کہا یہ آخری اور پہلی غلطی ہے ہمیشہ وقت سے آئیے گا۔اس سے ہم سب کو پتا چلا کہ ہم سب کی تربیت کافی اچھی ہوگی کلاس میں داخل ہوتے تو ایک استاد دیکھے جو پڑھا رہے تھے۔خوش قسمتی میری یہ ہے کہ آج میں اپنے ان اساتذہ سے ملی جو اپنے اپنے Subject کے ماہر ہیں۔سب ہی آئیڈیل ٹیچر ہیں۔

میں جب آئی تھی تو مجھے انگریزی کی زیادہ معلومات نہیں تھی جتنی تھی وہ میرے نانا اور میری والدہ کی بدولت تھی۔انگریزی جو

کہ ہر طرف چھائی ہوئی ہے۔ اس کو سکھانے کے لیے بہت سارے استادوں نے تعلیم دی۔ ہمیں ہر طرح سے پڑھایا گیا۔ Video دکھا کر یا Audio سنا کر۔ آپس میں گفتگو کروا کر Speech دلوا کر۔ ہر طریقہ سے۔ ہمارے اساتذہ نے بہت محنت کی۔ یہاں آ کر بہت سارے Subject پڑھے۔ جو کبھی میں گھر میں دیکھا کرتی تھی۔ ہمیں ہر طرح سے سکھانے کی کوشش کی گئی۔ ان Subjects کے استادوں نے شروع سے جیسا کہ ایک بچہ کو پڑھایا جاتا ہے ہمیں پڑھایا اور اتنا پڑھا دیا کہ ہم کسی کا مقابلہ کر سکیں اور اس مقابلہ میں جیت بھی سکیں۔ Science, Mathematics, History, Reasoning, Sociology, Geography, Economics, Biology, Chemistry, Physics وغیرہ اور ایک کلاس جو کہ بہت اہم ہے وہ ہے Inter-faith and Intra-faith جس کی اہمیت بہت ہے اس کا انتظام اس لیے کیا گیا تھا کہ ہم سب کہیں جو کچھ پڑھ کے آئے ہیں بھول نہ جائیں۔ ہمیں قوم کے لیے کچھ کرنا ہے

اس کے لیے تیار کیا جاتا ہے یہاں۔ یہ وہ کلاس ہے جس کو پڑھانے کے لیے ہمارے معزز ٹیچر ڈاکٹر راشد شاز جو کہ اس برج کورس کے ڈائریکٹر ہیں وہ آتے ہیں اور تمام مسئلوں کو حل کرتے ہیں ان کی کلاس میں کوئی بھی کسی بھی قسم کا سوال پوچھ سکتا ہے۔ یہ ہمارے ڈائریکٹر ہیں جنھوں نے ہم عالموں پر ایک احسان کر دیا ہے۔ اس برج کورس کو کھول کر۔ انھیں دیکھ کر یہ خیال آتا ہے کہ سرسید کا وہ کام مکمل کر رہے ہیں جس کے لیے انھوں نے اس یونیورسٹی کو کھولا تھا کہ ہر مسلمان کے ہاتھوں میں قرآن اور سائنس ہو۔ ان کی اہمیت مجھے معلوم ہوئی برج کورس میں آنے کے بعد یہ وہ رہبر ہیں جن کی تعریف الفاظ میں ممکن نہیں۔ انھوں نے ہمارے لیے ہر اس چیز کا انتظام کیا جو ہم چاہتے تھے، ہماری ضرورتوں کو پورا کرنا، کبھی کسی کام کے لیے منع نہیں کیا۔ ہمارے لیے استاد لانا اور ایسا استاد جن کے اندر سلاست، سادگی، روانی، لطافت، زندہ دلی، حقیقت پسند، بے لوث تھے۔ ہمارے ڈائریکٹر، اللہ ان کی زندگی لمبی کرے۔ اور ان کی مدد کرے۔

میں ان تمام لوگوں کی شکر گزار ہوں جو ہمارے مستقبل کو سنوارنے میں لگے ہوئے ہیں۔ برج کورس ایک family ہے جس کی ہر ایک پتی، جڑ، تنا، شاخ، پھول، کلی، سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے، ایک دوسرے کا خیال رکھنے والے۔ یہاں تک کہ یہاں کے کام کرنے والے بھی اچھے اخلاق سے وابستہ ہیں۔ گویا ہمارے ڈائریکٹر ہر ایک کو تلاش کر کے لائے ہوں۔ پھر انھیں اس برج کورس میں جگہ دی۔ ہر ایک اپنے کاموں کو خوب بہتر طریقہ سے انجام دیتا ہے۔اور طالب علموں سے بھی ہمارے ڈائریکٹر کو یہی امید ہے کہ ان سے ہمیں فائدہ ہو۔اور ہر طریقہ سے صرف علم کو حاصل کر کے ایک نئے مقام کو حاصل کرے۔ بار بار ہمیں یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ ہم ہی وہ داعی ہیں جس سے مستقبل روشن ہوگا۔اس جگہ انسانوں کو تراشا جاتا ہے اور اس چیز کو رگڑ کر ہیرا بنا دیا جاتا ہے۔اور جب ہیرے سے ہیرا ملتا ہے تو وہ کوہِ نور بن جاتا ہے۔کوئی بھی چیز بے کار نہیں ہوتی بلکہ اس کی اہمیت کا اندازہ آپ اس وقت کر سکتے ہیں جب وہ کام آئے۔ہم عالموں کو ایک موقع فراہم کرنا جس سے ہماری زندگی بدل سکتی ہے ہم کو فراہم کیا۔اب ہمیں دکھانا ہے کہ کون اس موقع کا فائدہ اٹھاتا ہے۔میں نے اپنے دوستوں کے اندر بہت سارے خواب دیکھے ہیں۔ ہر ایک ایک نئی تلاش وجستجو میں لگا ہوا ہے۔شاید یہی وجہ ان کے مضبوط ارادوں کو دیکھ کر خدا نے نئی راہ دکھائی جیسے علی گڑھ نے جگہ دی۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہر قسم کے پھول ایک نئے رنگ اور خوشبو رکھتے ہیں۔ چونکہ قرآن دنیا کے ہر مذہب کے ماننے والوں بلکہ سچ کہیے کہ پوری عالم انسانیت کا علم بردار ہے۔ ہر زمانہ اور ہر تہذیب کو صحیح راستہ دکھانے کے لیے ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جدید علوم، تہذیب مشرقی، اور تہذیب مغربی دونوں تہذیبوں کو ایک ساتھ لے کر چلتا ہے۔ یہاں قوم،

مذہب سے تعصب نہیں بانٹتا۔ ہر مذہب، ہر قوم، ہر ملک، ہر دیار، ہر قریہ کے انسان اور طالب علم یہاں آتے ہیں اور اس سے مستفیض ہوتے ہیں۔

یہ علم وادب کی جگہ جہاں ہر طرح کے علوم سکھائے جاتے ہیں ۔بغیر علم کے آدمی انسان نہیں بن سکتا۔ آج کا زمانہ سائنس اور ٹکنالوجی کا زمانہ ہے انسان ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ جدید علوم بھی ہم کو سکھانا اور قرآن اور حدیث کی روشنی میں سکھاتا ہے۔ اسی لیے ہمیں ایک ایسے ادارے کی ضرورت تھی جو ہمیں قرآن وحدیث ، دینِ شریعت کی بھی تعلیم دے۔ اور اس زمانہ کی سوسائٹی کے ساتھ چلے۔ ہندوستان میں اس کے لیے پہلے بہت سی یونیورسٹیاں کھولی گئیں وہ سب تعصب سے بھری ہوئی تھیں۔ وہاں مذہب وقوم پرستی ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں۔ لوگ مسلم کے نام سے تب بھی اور آج بھی نفرت کرتے ہیں۔

آج کل کا ماحول سیاسی ہو چکا ہے۔ ہر جگہ سیاست، بس سیاست ہی سیاست ۔ اگر آپ غور کریں گے تو پتا چلے گا کہ اس برج کورس کے پیچھے نہ جانے کتنے لوگ پڑے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ برج کورس ترقی کرے۔ ان تمام باتوں میں بھی سیاست۔ انسان سیاست سے چاہے جتنی دوری اختیار کرے مگر انسان اس سے بچ نہیں سکتا کہتے ہیں انسان کو سیاست میں دلچسپی ہو یا نہ ہو لیکن سیاست کو آپ میں دلچسپی ہے۔ اس برج کورس کے قائم کرنے میں اس قدر مخالفوں نے آتنک مچایا گویا کامیابیوں کے پیچھے ایک ناکامی کھڑی ہے مگر پھر بھی اس برج نے اپنی برج کو قائم رکھا۔ اور آج تک قائم ہے۔ اس کی بنیاد ۲۰۱۳ء میں پڑی تھی۔ جب اللہ ساتھ دیتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا بال بھی بانکا نہیں کر سکتی اب اس کی ذمہ داری اللہ کے سپرد ہے۔ جس طرح اس نے کعبہ کو بچایا تھا ابرھہ الاشرم کے فریب سے اسی طرح اللہ اس کی حفاظت کرے گا۔ اور

ہمیں صرف کوشش کرنی چاہیے اور اپنا دماغ صرف اس کی ترقی کی طرف لگانا چاہیے۔ ڈائریکٹر سر کے اس عمل نے ایک جان پیدا کردی۔ اس برج کورس میں آنے کے بعد کوئی رکاوٹ نظر نہیں آئی۔ ہر جگہ سارے راستے کھلے۔ پہلے کے دو بیچ کافی کامیاب رہے ہیں اور اب اس تیسرے بیچ سے بھی اسی کی امید کی جاتی ہے۔ میرا یہ سفر ابھی جاری ہے۔ ابھی تک سفر کرنے میں کافی محنت کی مگر ہاں مزہ بھی آیا۔ اس سفر نے بہت کچھ سکھایا اور دماغ کو ضیاء بخشی۔ اتنی صلاحیت دے دی کہ اب آگے ہم اس سفر کو مکمل کر کے دوسرے سفر کی تیاری کریں۔ اس برج کورس میں ۱۹؍ مارچ سے ہم سب کا امتحان ہے۔ مگر ابھی بہت کچھ باقی ہے حاصل کرنے کو۔ امید کرتی ہوں سب بہتر ہوگا۔

میں اپنے وائس چانسلر جناب لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ صاحب کے بارے میں بھی لکھنا چاہوں گی۔ مگر میں ان کے بارے میں زیادہ تو نہیں جانتی مگر اتنا معلوم ہوا ہے کہ برج کورس کا تجربہ انھیں کی دین ہے۔ ہمارے ڈائریکٹر اور وائس چانسلر دونوں نے مل کر ہماری مشکلوں کو آسان کر دیا۔ اللہ اس ڈپارٹمنٹ کے ہر ایک فرد کی ہر جائز خواہش پوری کرے اور لمبی زندگی عطا کرے۔

میں نے اپنے اس برج کورس کے سفر میں ایک بات جانی ہے کہ علم ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے آگے بڑے بڑے ہار مان گئے ہیں اور اس کے ذریعہ انسان پوری دنیا پر حکومت کرسکتا ہے۔ اور علم خریدا نہیں جاسکتا۔ لوگ بڑی عزت کرتے ہیں۔ اور سب سے اہم بات کسی بھی چیز کو جاننے کے لیے اس کی زبان کو جاننا نہایت ضروری ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بہر حال، ابھی تو میں سفر میں ہوں اس سفر کا آغاز اگست سے شروع ہوا تھا اور مارچ تک ختم ہو جائے گا۔ اور ابھی تک کی بات فروری تک کی ہے۔ اس سفر میں ہی ہمیں تیاری کروائی جائے گی ٹیسٹ کی۔ اس کے بعد بی۔اے۔کی۔ اگر موقع دیا جائے اور لمبی زندگی رہی تو آگے بھی علمی سفر جاری رہے گا۔ انشاء اللہ

عتیق الرحمن

اکیسویں صدی کا انسانی معاشرہ تہذیبی تصادم اور مذہبی معرکہ آرائی کی جس غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار ہے اس نے بین الافراد اور بین المعاشرہ عدمِ تحفظ کے احساس کو شدید سے شدید تر کر دیا ہے۔ عالمی منظرنامہ سے حاملین وحی کی عدم موجودگی نے اقوام عالم کو ایک طرح کے ذہنی تشنج سے دوچار کر رکھا ہے۔ تہذیبی وثقافتی برتری، علمی وتحقیقی تفوق کی ازسرنو ترتیب میں ایک ایسی قوم کو حاشیہ بردار کی حیثیت حاصل ہے جو من جانب اللہ خلیفہ علی الارض قوم کی حیثیت سے تا قیامِ قیامت قافلہ انسانی کی رہنمائی اور اس کی مستقل سلامتی کی سزاوار تھی۔ خریطۂ عالم پر اس کا وجود نیز اس کی سیادت وقیادت اور امن عالم کے پیامبر کی حیثیت سے مسلم تھی اس قوم کی سیاسی عظمت وسطوت، علمی عبقریت، تہذیبی وثقافتی برتری، معاشی مرفہ الحالی، داخلی وخارجی استحکام اقوام عالم پر اس کے تفوق وبرتری سے عبارت تھی۔ لیکن یہ سب کچھ اس وقت تھا جب یہ قوم اپنے مقصدِ وجود سے آگاہ تھی روایتی نہج فکری نے اس کے اذہان وقلوب پر مہر ثبت نہیں کی تھی، علم کی ثنویت اور مسلکی خانہ جنگی سے وحدتِ اسلامی کا شیرازہ منتشر نہیں ہوا تھا، شخصیت پرستی، تقلیدی طرزعمل، انجماد فکری اور تراشیدہ اساطیر سے ہمارے فکر ونظر کی اسیری عمل میں نہیں آئی تھی، ائمہ کے اقوال، فقہاء کی تعبیریں اور مشائخین کے آراء وخیالات نے فرامین الٰہیہ کی حیثیت حاصل نہیں کی تھی، ہم قرآن مجید کو بطور کتاب ہدایت اور وثیقہ ہائے زندگی

برتنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے عادی تھے۔ حاملینِ لواءِ حق کی حیثیت سے ہماری واحد اور اکلوتی شناخت مسلمان کی تھی اور ہم شیعہ و سنی، دیوبندی و بریلوی، حنفی و مالکی، شافعی و سلفی، جماعتی اور غیر جماعتی کے خود ساختہ مسلکی خانوں میں منقسم نہیں ہوئے تھے۔

آج کرۂ ارض پر مسلمانوں کے ۵۷ر آزاد ممالک ہیں ان کی مجموعی آبادی ایک ارب سے زائد ہے جغرافیائی اعتبار سے کل دنیا کے ۱۳ر فیصد حصے پر انہیں اقتدار حاصل ہے وہ دنیا کی کل آبادی کا تقریباً ۳۲ر فیصد ہیں قدرتی وسائل و ذرائع کا تقریباً نصف حصہ ان کے تصرف میں ہے اس کے باوجود بھی عالمی سطح پر مختلف شعبہ ہائے حیات میں ان کی کارکردگی انتہائی تشویشناک ہے۔ سیاسی عدم استحکام، مسلکی خانہ جنگی، تعلیمی پسماندگی، معاشی بحران اس جیسے متعدد مسائل آج عالم اسلام کا حصہ ہیں جن سے نجات کی کوئی سبیل فی الحال معدوم ہے۔ اکیسویں صدی کا یہ دورِ پُر آشوب جس میں امتِ مسلمہ اپنے ساڑھے چودہ سو سالہ تاریخ کی سب سے بدترین دور اور نازکِ صورتِ حال سے گزر رہی ہے ایک ایسے صحت مند انقلابی اور اصلاحی اقدام کی طالب ہے جو بیک وقت امت کے علمی، سیاسی، معاشی، سماجی، داخلی و خارجی تمام مسائل کا حل تلاش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو جس سے منسلک افراد دینی شعور و آگہی کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ سے بھی آراستہ و پیراستہ ہوں نیز عالم انسانیت اور ملک و ملت کو کس محاذ پر کن کن پریشانیوں اور مسائل کا سامنا ہے اس کا ادراک نیز اس کا فوری حل تلاش کرنے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں۔

اللہ رب العالمین کا فضل و کرم ہے کہ اس نے انسانیت اور ملک و ملت کی عظمت رفتہ کے احیاء اور اس کی بحالی کے لے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو اس انوکھی پہل کی توفیق عطا کی۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے سال ۲۰۱۳ء میں مرکز برائے تعلیم وثقافت مسلمانانِ ہند (CEPECAMI) کے زیرِ اہتمام طلباء مدارس کے لیے ایک سالہ برج کورس (Bridge

Course) قائم کیا ہے۔ چونکہ یہ کورس امت مسلمہ کی کھوئی ہوئی عظمت کی بحالی کی جانب ایک مستحسن قدم ہے اس کے کثیر الجہات مقاصد میں سے ایک ایسے بیدار مغز، وسیع القلب اور روشن خیال علماء کی جماعت تیار کرنا ہے جو مذہبی ومسلکی تعصب سے بالاتر ہوکر بین المذاہب اور بین المسالک باہمی افہام وتفہیم کی ایک صحت مند روایت قائم کرنے کے ساتھ ساتھ بلاتفریق مذہب وملت مختلف شعبہ ہائے حیات میں ملک وقوم اور قافلہ انسانی کی قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں۔ چونکہ اس کورس کا ذریعہ تعلیم وتعلم انگلش ہے اس لیے یہ اپنے طلباء کو انگلش کے ساتھ ساتھ سیاسیات، ریاضیات، معاشیات، سماجیات، نیز کمپیوٹر وانفارمیشن سائنس وغیرہ کی بھی تعلیم دیتا ہے طلباء کی تحریری وتقریری صلاحیت کو جلا بخشنے کے لیے المدرسہ لٹریری اینڈ کلچرل سوسائٹی (La Madrasa Literary and Cultural Society) کا قیام کیا گیا ہے اس کے علاوہ طلباء کے اندر تنقیدی منہج فکری، ذہنی کشادگی اور تحقیقی تجسس کو پروان چڑھانے کے لیے بروزِ سبت Inter-faith and Intra-faith کے ایک صحت مند مباحثے اور مذاکرے کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ جس میں طلباء کو اپنے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت اور ایک دوسرے کے خیالات ونظریات کو مہذب ومدلل تردید کا بھرپور موقع فراہم کیا جاتا ہے، طلباء کو تعاون اور ان کی حوصلہ افزائی کے لیے وقتاً فوقتاً ملک و بیرونِ ملک سے علمی ہستیوں اور دانشوروں کی آمد ہوتی رہتی ہے اس کورس کے سابقہ دو بیچ کے طلباء اندرونِ ملک مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بہترین تعلیمی مظاہرے کی بنیاد پر زیرِ تعلیم ہیں اور ان کی تعلیمی کارکردگی کسی بھی صورت میں یوپی بورڈ (U.P. Board) سی بی ایس ای بورڈ (C.B.S.E. Board) مشنریوں ودیگر اداروں سے آئے ہوئے دوسرے طالب علموں سے کم نہیں ہے۔ برج کورس کے کثیر المقاصد عزائم ومنصوبوں کے پیش نظر اس کورس کو دو سالہ کرنے کی کوششیں پوری تندہی کے ساتھ جاری ہے۔

میں عتیق الرحمٰن بن محمد یحیٰ یوپی کے ضلع سدھارتھ نگر کے ایک علمی گاؤں اکبر پور جمنی سے تعلق رکھتا ہوں میری ابتدائی تعلیم ایک مقامی مدرسے میں انجام پائی مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر میں نے جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کا قصد کیا جہاں تعلیمی سال ۱۳-۲۰۱۲ء میں نے عالمیت تک کی تعلیم مکمل کی ۔ذہنی تجسس اور مختلف علوم وفنون سے دلچسپی نے مجھے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا۔لیکن علی گڑھ آنے سے قبل جس چیز نے مجھے انتہائی مضطرب اور اپنے فیصلے پر نظر ثانی کے لیے مجبور کر دیا تھا وہ تھی یہاں کی تعلیمی فضا اور یہاں کا ماحول۔کہ یہ بات میرے ذہن میں بہت پہلے سے نشین کر دی گئی تھی کہ یہی وہ ادارہ ہے جہاں سے تعلیم یافتہ ہوکر ایک راسخ العقیدہ مسلمان الحادی افکار ونظریات کا اسیر ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اپنے مسلک ومذہب سے بیزار ہو جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال فی الواقع میرے ضمیر کو جھنجھوڑ دینے والی تھی مگر مشیت الٰہی شاید مجھے اس کیفیت سے نکالنے میں میری دست راست رہی۔ والد محترم جو خود ایک عالم ہیں انھوں نے مجھے علی گڑھ جانے کے لیے مہمیز کیا اور بالآخر میں نے یہ عہد کیا کہ میں اپنے فکر ونظر اور طرزِ زندگی کو کسی بھی قیمت وہاں کے ماحول سے متاثر نہیں ہونے دوں گا۔ علی گڑھ پہنچ گیا یہ وہ کیفیت تھی جو علی گڑھ آنے سے قبل مجھ پر طاری ہوئی تھی لیکن یہاں آکر اور برج کورس میں داخلہ لے کر میں نے مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر جو نتائج حاصل کیے وہ قابل ذکر ہیں۔ برج کورس میں میرا تعلیمی سفر فکر ونظر کی وسعت، تنقیدی وتحقیقی منہج فکر، مختلف علوم وفنون سے آگہی، حریت فکری اور نقطۂ نظر کی ایسی تبدیلی سے عبارت ہے جس کا تصورِ محض مجھے ایک نئی زندگی کا احساس دلا دیتا ہے۔

اپنے مشاہدے، تجربے اور اس کی بنیاد پر حاصل شدہ نتائج کی روداد میں نے بذریعہ چار نقاط واضح کرنے کی کوشش کی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی اور سب سے اہم چیز جو میں نے دورانِ تعلیم برج کورس میں سیکھی وہ میرے فکر ونظر میں وسعت ہے یہ چیز مجھے یہاں کے تعلیمی نصاب نے سکھائی اور یہاں کے اساتذہ نے بھی۔اپنی اب تک کی ۲۱/سالہ زندگی میں میں نے کبھی بھی مختلف مکاتب فکر کے حاملین کا ایسا اجتماع نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی ان کے افکار ونظریات سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اس نقطے کی وضاحت میں نے اس لیے سب سے پہلے کرنی چاہی کیونکہ ہمارے درمیان اسی چیز کا فقدان ہے اور آج امت مسلمہ کو اپنے درپیش مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے اسی جیسے اجتماع کی ضرورت ہے۔ہمیں اپنے مسلکی تعصب اور فقہی انانیت کو بالائے طاق رکھ کر ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے ہمیں اپنے فکر ونظر میں اتنی وسعت پیدا کرنے کی ضرورت ہے جتنی کہ ہمیں باہمی افہام وتفہیم سر جوڑ کر بیٹھنے کے لیے کافی ہو۔ تاریخ انسانی پر اگر ایک

طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو ہمیں اس کا درک حاصل ہوگا کہ قوموں کا عروج وارتقاء اوران کا تنزل وانحطاط ان کے فکری نشیب وفراز کا پیش خیمہ ہوا ہے۔جس قوم کے افراد وسیع القلبی اور بلند نظری کو ترک کرکے بند دماغی اور تنگ نظری کے اسیر ہوجاتے ہیں ذلت وضلالت اس قوم کا مقدر بن جاتی ہے۔آج اس حقیقت سے کوئی بھی جرأتِ انکار نہیں کرسکتا کہ ہم مسلمان ایک خدا، ایک قرآن، ایک نبی اور ایک مذہب اسلام کے ماننے والے دیوبندی وبریلوی ،شیعہ وسنی، سلفی وغیر سلفی، جماعتی وغیر جماعتی کے مختلف اور متعدد مسلکی خانوں میں منقسم ہوگئے ہیں۔اوراگر حقیقت پسندی سے کام لیا جائے تو ہم ایک دوسرے کی تکفیر اوران کو مباح الدم قرار دے کر قتل وغارت گری جیسے گناہِ عظیم کے مرتکب ہورہے ہیں اس کے باوجود بھی صورتِ حال یہ ہے کہ کل حزب بمالدیھم فرحون۔

امت مسلمہ کی موجودہ حالتِ زار کے لیے جہاں متعدد مختلف النوع مسلکی وفقہی مناقشے ذمہ دار ہیں وہیں ہمارے درمیان نفرت وعداوت کو فروغ دینے میں مسلکی انانیت نے بھی بہت اہم رول ادا کیا ہے۔اگر ہم نے وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کیا ہوتا اور ایک دوسرے کے افکار وخیالات کو جاننے کی کوشش ہوتی تو آج صورتِ حال یقیناً مختلف ہوتی۔

برج کورس میں پہلی مرتبہ میری نشست وبرخاست ایسے لوگوں کے ساتھ ہوئی جن سے میں نفرت تو نہیں کراہت ضرور محسوس کرتا تھا اس سے پہلے کی صورتِ حال کچھ یوں تھی کہ میرے سامنے جب کبھی اپنے مسلک کے علاوہ دوسرے مسالک کا تذکرہ ہوتا تھا تو فوراً یہ بات میرے ذہن میں گردش کرنے لگتی تھی کہ اصل حاملین لواء اسلام ہم ہی ہیں اور بقیہ مکاتب فکر کے حاملین صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے گمراہ لوگ ہیں اور اسی لیے میں ان کے قریب جانے اوران سے کسی طرح کی گفت وشنید کرنے سے

حتیٰ الامکان گریز واجتناب کیا کرتا تھا یہ بات مجھے برج کورس کے منفرد ماحول نے سکھائی کہ میں ابھی تک مسلک کا پیروکار رہا اسلام کا نہیں، کیونکہ اسلام کبھی مسلکی نہیں رہا ہے اور نہ ہی مسلمان کبھی حنفی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی یا سلفی رہا ہے۔ برج کورس میں ابتداءً کچھ دنوں تک ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھنے کا سلسلہ جاری رہا لیکن اس کے بعد میں رفتہ رفتہ ان کے قریب ہوتا گیا۔ ان کے آراء وخیالات سے واقفیت حاصل کی یہاں تک کہ بروزِ سبت منعقد ہونے والے مباحثوں سے میرے اور ان کے درمیان ایک مہذب، مدلل اور صحت مند افہام وتفہیم کی فضا قائم ہوگئی اور اجتناب وگریز کی کراہت کی اس کیفیت کا خاتمہ ہوگیا جو اس سے پہلے میں اپنے اندر محسوس کرتا تھا۔

دوسری سب سے اہم چیز جو برج کورس کے ذریعہ مجھے حاصل ہوئی وہ تنقیدی منہج فکری اور تحقیقی تجسس ہے یہاں اگر میں نے پہلی مرتبہ کسی چیز کے متعلق اپنی رائے اور اپنے نقطۂ نظر کی تشکیل کی۔ مجھے پہلی مرتبہ اس بات کا ادراک ہوا کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص شیخ الکل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ہم میں سے کسی کی بات کسی شئی کے متعلق حرف اخیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ بحیثیت طالب علم پوری زندگی ہمارا کام مزید بحث وتحقیق ونقد وجستجو میں لگے رہنا ہے، اس سے قبل میں ایک محدود دائرے میں رہ کر سوچا کرتا تھا کسی بھی مسئلے میں سابقین اور علماء کے اقوال کو حرف اخیر سمجھتے ہوئے مزید بحث ونقد اور تحقیق وجستجو سے گریز کیا کرتا تھا غیر شعوری طور پر میں نے انہیں خدا کا درجہ دے رکھا تھا ان کی تنقید ان کے دیئے گئے فیصلے پر بحث ونقد مشیتِ الٰہی کو چیلنج اور خدا پر انگشت نمائی کے مترادف سمجھتا تھا۔ لمحے بھر کے لیے مجھے یوروپی نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) سے قبل عالم عیسائیت کے اس تاریک دور کی یاد تازہ ہوجاتی تھی جب عیسائی دل ودماغ پر پاپائیت کا پہرہ ہوا کرتا تھا اور وہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے کلی طور پر محروم کردیے گئے تھے خدا کے ایجنٹ (Agent) کی حیثیت سے انھوں نے دنیائے صلیب پر اپنی حکمرانی مسلط کررکھی تھی۔ چرچ کے خلاف کسی بھی طرح کی حرکت خدائی نظام واحکام

سے بغاوت کرنے کے مترادف تھا فکر کی حریت، آزادی اظہار رائے، منہج تحقیق وتنقید جو فرد کے وجود کا فطری لازمہ ہیں۔ان تمام پر مکمل طریقے سے بندشیں عائد کردی گئی تھیں اور اس طرح عالم عیسائیت علمی، فکری، سماجی، معاشرتی ہر لحاظ سے پوری طرح مفلوج ہو کر رہ گئی تھی دورانِ تعلیم برج کورس مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ آج امتِ مسلمہ بھی انفرادی اور اجتماعی طور پر ایک طرح کی پاپائیت کا شکار ہوگئی ہے۔تقریباً ساڑھے چار سو سال کا عرصہ گزرا جب روایتی طرز فکر وعمل ہمارے اندرون سرایت کر گئی اور ہم ذہنی ودماغی اعتبار سے مفلوج ہو کر رہ گئے۔ ناقدانہ غور وفکر نیز تحقیقی واکتشافی طرزِ عمل سے دست برداری ہمارے علمی وفکری زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اپنے اندرون درآنے والے اس مہلکہ کا ادراک ہمیں اس وجہ سے نہیں ہوسکا کیونکہ یہ عین وحیٔ ربانی اور تعلیماتِ نبویہ کی حیثیت سے ہمارے اذہان وقلوب پر مسلط کیا گیا تھا۔

اپنی موجودہ افسوس ناک صورتِ حال کے پیشِ نظر بجائے اس کے کہ ہم اپنے اندرون خود احتسابی اور محاکمہ کی ایک صحت مند روایت کی بنا ڈالتے اغیار کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کو اپنے درپیش مسائل کا ذمہ دار ٹھہرانے کو ہی کافی سمجھا۔ نتیجۃً ہماری حالت جوں کی توں بنی ہوئی ہے اور بقول علامہ اقبال تیری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں۔

آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارا یہ ذہنی وفکری تشتت ابھی تک باقی ہے اور ہمارے علماء ودانشور ابھی تک مسئلے کی جڑ تک پہونچنے میں ناکام رہے ہیں کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نام قرآن وسنت کا ضرور لیتے ہیں مگر اس کی آڑ میں اپنے مزعومہ اکابر کے دین پر چل رہے ہوں۔ قدماء کی کتابوں، علماء کے فتوؤں اور مشائخین کے آراء وخیالات کی تقدیس کر ڈالی ہو اور یوں وحیٔ ربانی سے راست اکتساب کی ہماری سابقہ روایت کی تنسیخ عمل میں آگئی ہو۔؟؟؟

آج افسوس اور حیرت اس بات کو لے کر نہیں ہے کہ ہمارے ساتھ ایسا کیوں کر ہوا بلکہ اس بات کو لے کر ہے کہ زوال کی اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ہمیں حقیقی اسباب ومحرکات کا علم کیوں نہیں ہوسکا نیز اپنے عظیم الشان ماضی سے ہم نے کسی طرح کا کوئی سبق کیوں نہیں لیا۔اگر حقیقت نگاری سے کام لیا جائے تو آج بھی ہم اپنی موجودہ روایتی طرزِ فکر کی اسیر زندگی کو عین وحیٔ ربانی اور تعلیمات مصطفوی کے مطابق پاتے ہیں اور اسی بنیاد پر دنیوی واخروی نجات کے متمنی ہیں۔ برج کورس نے میری توجہ اس جانب مبذول کرائی اور معاملے کی تہہ تک پہونچنے کے لیے تنقیدی وتحقیقی منہج فکر سے کام لینے کی ترغیب دی۔

تیسری چیز جو مجھے برج کورس کے نصابِ تعلیم کے ذریعہ حاصل ہوئی وہ مختلف علوم وفنون سے آگہی ہے۔ سیاسیات، معاشیات، ریاضیات، سماجیات، کمپیوٹر سائنس اور اس طرح کے دوسرے علوم۔علومِ عصریہ وغربیہ کے حوالے سے میں نے ابھی تک ان کا نام سنا تھا فی الواقع یہ علوم کیا ہیں ان کا فائدہ کیا ہے نیز فرد کی زندگی میں ان علوم کا کردار اور ان کی اہمیت کیا ہے۔یہ سب میرے فہم سے بعید بات تھی علوم دینیہ کی حیثیت سے قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، تجوید اور اس جیسے علوم کو دنیا وآخرت میں فلاح وکامرانی کی ضمانت سمجھتا تھا۔میرے ذہن میں یہ بات گھر کر گئی تھی کہ علوم کی تقسیم عین تعلیمات قرآنی اور سنتِ نبویہ کے مطابق ہے اور اس لحاظ سے علوم دینیہ کا حاصل کرنے والا اخروی نجات کا مستحق ہوگا جب کہ علوم عصریہ کا حاصل کرنے والا چونکہ مذہب سے ناواقف ہوگا لہٰذا وہ دنیا میں تو کامیاب ہوسکتا ہے مگر آخرت میں وہ محرومی کا شکار ہوسکتا ہے۔

برج کورس میں پہلی مرتبہ جب میں نے یہ جاننے کی کہ کوشش کی آیا علوم کی تقسیم تعلیمات قرآنی وسنتِ نبویہ کے مطابق ہے جیسا کہ باور کرایا جارہا ہے تو گھڑی بھر کے لیے میں انتہائی مضطرب ہوگیا اضطراب کی یہ کیفیت تقریباً دومہینہ تک میرے اوپر طاری رہی اور مزید تحقیق وجستجو پر ابھارتی رہی کثرتِ مطالعہ اور طویل بحث وتحقیق کے بعد مجھے مسلمانوں کے اس عہد کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں جس عہد میں یہ قوم جملہ علوم وفنون کی امام سمجھی جاتی تھی اس قوم کے افراد کی علمی عبقریت لسانی وتہذیبی اثر ورسوخ اقوامِ عالم پر اس کی قیادت وسیادت سے عبارت تھا اس وقت تک علوم کی یہ تقسیم جیسا کہ آج ہم اور آپ دیکھ رہے ہیں عمل میں نہیں آئی تھی قرآنی تعلیمات کے مطابق اس لامحدود کائنات کی ہر شئی ہمارے غوروفکر بحث ونقد اور تحقیق وجستجو کا مرکز تھی قافلۂ انسانی کی رہنما اور من جانب اللہ خلیفۃ علی الارض قوم کی حیثیت سے کوئی بھی شئی ہمارے غوروفکر کے دائرے سے باہر نہیں تھی اور نہ ہی ہوسکتی تھی علم مطلق علم تھا اس کی ثنویت اور تقسیم کے ہم قائل نہ تھے اس دور میں عالم کا اطلاق ایک ایسے شخص پر ہوتا تھا جو بیک وقت قرآن وسنت کا ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ طب فلکیات ارضیات، نجوم وہیئت معاشیات، سماجیات، حیاتیات، طبیعات وکیمیا ان تمام علوم کا بھی جانکار ہوا کرتا تھا۔ اور یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اگر یہ صورتِ حال آج بھی برقرار ہوتی تو ہمیں کسی برج کورس کی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جیسے کسی اقدام یا ادارے کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی ہم جیسے طالبِ علم مدرسہ سے یونیورسٹیوں اور کالجوں کا رخ کرتے۔ آج اگر ہم اپنے عہد وسطیٰ کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے کی زحمت گوارا کریں تو کندی، رازی، فارابی، جابر بن حیان، ابنِ سینا، ابن شاطر، خالد، ابن رشد ابوریحان البیرونی اور ان جیسے نہ جانے کتنے عہد ساز علماء

ملیں گے جو علوم عصریہ میں دسترس رکھنے کے ساتھ علوم دینیہ میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان کی قرآن فہمی پر کسی کو حتیٰ کہ قاضی وقت کو بھی انگشت نمائی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن تاریخ کے اس منحوس لمحے نے جس وقت کہ ہم علم کی ثنویت اور اس درجہ بندی کے غیر قرآنی غیر اسلامی، غیر عقلی اور غیر اخلاقی مہلکہ کا شکار ہوئے ہمیں اغیار کے سامنے گھٹنا ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ آج اگر دینی اداروں سے تعلیم یافتہ شخص کو اپنے عظیم الشان ماضی کا علم نہیں ہے تو عصری اداروں سے تعلیم یافتہ شخص کو بھی اس بات کا علم نہیں ہے کہ علم کیمیا (Chemistry)، علم حیاتیات (Biology)، علم طبیعات (Physics)، علم الارضیات (Geology)، علم الحیوانات (Zoology)، علم نباتات (Botany) اور ان جیسے علوم جو اس نے حاصل کیے ہیں وہ درحقیقت اس کے اپنے اسلاف کی صدیوں کی محنت شاقہ، عرق ریزی و جانفشانی کا ثمرہ ہیں۔ وہ ان علوم کو علوم غربیہ کی حیثیت سے پڑھتا ہے اور نتیجے کے طور پر پوری زندگی ایک طرح کی مرعوبیت اور احساس کمتری میں گزار دیتا ہے۔ اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ تمام علوم امریکہ، برطانیہ، چین، روس، جاپان، فرانس و یونان ان تمام ممالک کی کرم فرمائیوں اور ان کے غور و فکر کا نتیجہ ہیں اسے بغداد، حلب، موصل اشبیلیہ غرناطہ، طلیطلہ کی علمی شان و شوکت اور عظمت و وقار کا ذرہ برابر بھی اندازہ نہیں ہے۔ آج اگر عصری ادارے سے ڈاکٹریٹ حاصل کرنے والے سوٹ بوٹ اور ٹائی میں ملبوس شخص کو کلمہ لا الہ الا اللہ کی حقیقت و معنویت نہیں معلوم ہے تو دوسری طرف جبہ و دستار میں ملبوس اور شیخ الکل بنے پھر رہے شخص کو Biology, Physics, Chemistry کا اردو یا عربی متبادل تک نہیں معلوم ہے۔ یہاں یہ سوال بجا ہے کہ ہمارے درمیان یہ خلیج کیسے پید اہوئی؟

علم کی تقسیم اور اس کی ثنویت ہی کی وجہ سے ایک ہی اسلام کے ماننے والے علمی اعتبار سے دو علیحدہ علیحدہ فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں ایک اپنے آپ کو علوم دینیہ میں دسترس رکھنے کی حیثیت سے جنت کا ٹھیکیدار سمجھتا ہے تو دوسرا علوم عصریہ کے جانکار کی حیثیت سے اپنے آپ کو دنیاوی ناز و نعم کا واحد حق دار سمجھتا ہے۔ اسی بنا پر اصلاحِ حال کی کوئی بھی کوشش چاہے وہ کتنی سنجیدہ ہی کیوں نہ ہو بار آور نہیں ہو پاتی۔

برج کورس میں مجھے مسلم اسپین کے اس عہد زریں سے واقفیت حاصل ہوئی جس میں یوروپ اور انحاءِ عالم سے انسانی قافلے وہاں کے جملہ علوم وفنون سے فیضیاب ہونے کے لیے جوق در جوق محوسفر نظر آتے ہیں اس وقت تعلیم وتعلم کے سلسلے میں نہ سیکھنے والوں نے کوئی تفریق کی اور نہ ہی سکھانے والوں نے کسی طرح کے تردد کا مظاہرہ کیا۔ ان کے نزدیک علم مطلق علم تھا اور طالب علم کی حیثیت سے ہر فرد اس سے مستفیض ہونے کا حق دار تھا ۔یوروپ جب اپنے تاریک دور سے گزر رہا تھا اس وقت مسلم دنیا میں علم وعرفان کی ایسی شمع فروزاں تھی جس کی تجلی سے تمام اقوامِ عالم بلاتفریق مذہب وملت، رنگ ونسل، علاقہ واقلیم فیضیاب ہوتی تھیں۔ لیکن آج جب کہ ہم پر وہی کیفیت آن پڑی ہے ہمارے درمیان کا ایک طبقہ علوم عربیہ کے حوالے سے ان علوم کے سیکھنے اور ان سے فیضیابی کو دین وایمان کے لیے خطرہ بتاتا ہے۔

اس تعلق سے میرے مضطرب ذہن نے متعدد سوالات کھڑے کیے ہیں جو توجہ وغور وفکر کے طالب ہیں۔

اولاً یہ کہ اگر بحیثیتِ قوم مسلم ہم علم کی ثنویت اور اس کی دینی وعصری تقسیم کے قائل نہ ہوئے ہوتے تو کیا ہماری صورتِ حال ایسی ہی ہوتی جیسا کہ ہے؟

ثانیاً وہ چیز دین وایمان کے لیے خطرے کا باعث کیسے بن سکتی ہے جس پر وحی ربانی کی موافقت اور تائید موجود ہو نیز کیا سنت رسول وحی ربانی کی مخالفت کرسکتی ہے؟ کیا ان دونوں مصادر کے علاوہ کسی تیسری چیز کی طرف بھی مراجعہ جائز ہے؟

چوتھی اور آخری چیز جس نے برج کورس میں میرے علمی سفر کو مزید کامیاب بنادیا وہ ہے انسانیت اور ملک وملت کی خدمت اور ان کی فلاح و بہبود کا جذبہ۔ یہاں آکر پہلی مرتبہ مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ من جانب اللہ خلیفۃ علی الارض قوم کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے بالعموم عالم انسانیت اور بالخصوص امت مسلمہ کی موجودہ تشویشناک صورتِ حال مجھے اپنے ذاتی مفاد کے بارے میں سوچنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس طرزِ فکر نے مجھے اپنی ذمہ داری اور اہمیت کا احساس دلایا۔ برج کورس میں آنے سے قبل

دوسرے مکاتب فکر کے حاملین اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے تئیں میرا نقطۂ نظر انتہائی منفی تھا ایسی صورت میں نہ تو میں اپنے دوسرے بھائیوں کی بہبود کا حامی ہو سکتا تھا اور نہ ہی دوسرے مذاہب کے ماننے والے ہم وطنوں کا خیر خواہ ہو سکتا تھا۔ بحیثیت مسلمان میرا یہ طرز فکر اور نظریہ قرآنی تعلیمات اور سنت نبویہ کے یکسر خلاف تھا۔ خیر برج کے منفرد ماحول نے اس کیفیت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ میرے اندر اس جذبے کو فروغ دینے میں ملک و بیرونِ ملک سے برج کورس میں آنے والے علماء و دانشوروں نے بہت اہم رول ادا کیا ہے ان کے ذریعہ دیئے گئے پند و نصائح، قوم کے لیے ان کا درد اور ان کی مساعی سب میرے لیے سبق آموز تھے۔ خاص کر کے ایسے وقت میں جب کہ قوم کے نصف سے زائد افراد اپنے ذاتی مفاد کے حصول میں منہمک ہیں ایسے افراد کے لیے قوم و ملک، عوامی فلاح و بہبود اس جیسے الفاظ کوئی معنی نہیں رکھتے وہ قوم کی صورتِ حال سے واقف ہوتے ہوئے بھی اس سے چشم پوشی کرتے ہیں، حالانکہ انہیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ حقائق سے انحراف اور مسائل سے چشم پوشی کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہوتے بلکہ وہ صورتِ حال کو مزید پیچیدہ کر دیتے ہیں۔

افسوس اس بات کو لے کر ہے کہ ہماری قوم کا تعلیم یافتہ اور زیرِ تعلیم طبقہ بھی اسی طرح کی ذہنیت کا شکار ہے ایسے لوگوں کے نزدیک اس دھرتی پر ان کا مقصد وجود صرف اور صرف پیٹ پوجا و کنبہ پروری کی خاطر کی جانے والی سرگرمیوں تک محدود ہے آج محفلوں، مجلسوں اور نشست و برخاست کی عام جگہوں پر اس طرح کی ذہنیت کے حاملین آسانی سے مل جائیں گے جن کی تعلیم کا مقصدِ وحید ذاتی زندگی کے لیے سامانِ عیش عشرت اور ناز و نعم کا حصول ہے۔

اللہ رب العالمین کا صد شکر ہے کہ آج میرے غور و فکر کا دائرہ مذہب و ملت کی تفریق سے بالاتر ہے۔ اور میں ایسی ذہنیت کے حامل تمام افراد سے اختلاف رکھتا ہوں ہوں جن کا مقصدِ تعلیم صرف اور صرف ذاتی مفاد کا حصول ہے اور ان کی مساعی میں ملک و قوم کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

فرخ لودی

میرا نام فرخ لودی ہے میرا سلسلۂ نسب بہلول خاں لودی سے ملتا ہے۔ جنہوں نے ۱۲ر جولائی ۱۴۵۱ء میں لودی حکومت کی بنیاد ڈالی ۔ کیونکہ میرے والد کا ذریعۂ معاش دبئی کی ایک کمپنی سے منسلک تھا اس لیے میری پیدائش بھی دبئی میں ۱۵ر جنوری ۱۹۹۵ء میں ہوئی۔ وطن اصلی کی محبت اور خاندان کی الفت میرے والد کو ان کے آبائی ملک ہندوستان لے آئی پھر انھوں نے اپنے شہر بدایوں ہی میں اپنا کاروبار شروع کیا۔ کیونکہ میں موروثی طور سے ایک پڑھے لکھے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں اس لیے ابتدائی تعلیم گھر ہی سے شروع ہوئی اس کے بعد مجھے ایک اسکول میں داخلہ دلایا گیا۔ وہاں میں نے ۵ سال تعلیم حاصل کی لیکن اپنے نانا اور ماں کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے مجھے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ محض اس لیے بھیجا گیا کیونکہ میرے نانا کے نانا مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی وہاں کے بانیان میں سے تھے اور ان کے بعد یا ان کی زندگی میں خاندان کے کسی بھی فرد نے وہاں سے استفادہ نہیں کیا۔ وہاں میں نے دس سال تعلیم حاصل کی فراغت کے آخری سال میں جو طلباء اپنے مستقبل کو لے کر مضطرب تھے ان کی صف میں مجھے اوّل مقام حاصل تھا۔ مدارس کے طلباء کے مستقبل اور ان کے ذریعۂ معاش کا مسئلہ ایک کڑوا سچ ہے جس کو نہ چاہتے ہوئے بھی قبول کرنا ہی پڑتا ہے۔ کیونکہ مجھے ادارے کے قوانین اور ضوابط کے خلاف الیکٹرانک میڈیا اور انٹرنیٹ سے ربط اور شوق تھا اس لیے ۲۰۱۳ء سے میں ایک

ایسے شخص کے بارے میں مسلسل پڑھ رہا تھا جس نے تمام مدارس کے طلباء کے مستقبل کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ایک ایسے شعبے کو قائم کیا جس کے ذریعے ہم طلباء اپنا مستقبل تابناک بنا سکتے ہیں، تو بغیر تاخیر کے میں نے فارم بھرا اور الحمد اللہ میں منتخب بھی ہو گیا۔ اب میں ایک دینی ادارے سے نکل کر عصری تعلیم کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ برج کورس میں آچکا تھا یہاں سے میری عصری تعلیم کا آغاز ہوا۔ یہاں آکر میں نے نظام میں فرق پایا اساتذہ کے طریقۂ تدریس میں فرق پایا اور یہاں ایک ایسے شخص سے ربط ہوا جو مسلم دنیا میں میری نظر میں فکری جمود کو توڑ کر انقلاب لانے کی غرض سے پیدا ہوا تھا جو امّت کے زوال کا ادراک کرانے کی کوشش کر رہا تھا جس کی تحریریں امّت کو اس کی ماضی کی غلطیوں اور شیرازہ بکھرنے کے اسباب و نتائج پر حاوی تھیں جو ڈاکٹر راشد شاز کے نام سے جانا جاتا ہے۔

یہاں آکر ہمیں محسوس ہوا کہ علم دین کے سلسلے میں اختلاف کی وجہ اکابرین کی محدود سوچ ہے اور اس میں تشدد پسندی کا اہم کردار ہے۔ یہاں آکر ہماری سوچ شخصیت پسندی اور تقدس سے گریز کرنے لگی کیونکہ جہاں یہ دونوں چیزیں ہونگی وہاں علم کا ارتقاء ممکن نہیں اور ڈاکٹر راشد صاحب ایک علمی شخصیت ہیں علمی میدان میں ان کی تحریریں اہل علم کو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں ان سے رابطے کے لیے یا گفتگو اور ملاقات کے لیے کوئی بندش نہیں جیسا کہ عام اہل علم کی مجلسوں میں ہوتا ہے ان کی اس انکساری اور بے تکلفی نے مجھے متاثر کیا۔ اس شعبے میں جناب کے جتنے بھی خطبات ہوئے اس میں موقع دیا ہم طلباء کو اپنی رائے اور سوچ کو ظاہر کرنے کا اور بہت سے اہم مسائل پر اپنی رائے کو حرف آخیر سمجھ کر ہم طلباء پر مسلط کرنے کے بجائے پروگرام منعقد کیے اور اس میں ہر کسی کو اپنی بات

رکھنے کا موقع دیا اور ساتھ ہی یہ اختیار بھی دیا کے اگر کوئی میری سوچ کے خلاف اپنی بات رکھنا چاہتا ہے تو وہ رکھ سکتا ہے یہ چیز میرے لیے نئی اور متاثر کرنے والی تھی یہاں ہم کو جناب نے ایسی ایسی شخصیات سے ملوایا اور گفتگو کا موقع دیا جن کو ہم صرف نیوز چینلز یا نیوز پیپرس پر ہی دیکھ سکتے تھے یہاں پر امّت کی شیرازہ بندی کو بکھرنے سے روکنے اور اختلافات کو ختم کرنے کے لیے کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں مختلف مذاہب اور مختلف خیال کے لوگوں کو ایک ساتھ جمع کیا گیا اور اس بات کی کوشش کی گئی کہ بات چیت کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے پر تشدد تقاریر سے بچا جائے اور جو ایسا کرے اس کی مخالفت کی جائے اور مذہب کے نام پر سیاست کرنے والوں کو روکا جائے۔

جناب ڈاکٹر راشد شاز صاحب ہم طلباء کو علمی میدان میں اس مقام پر اس کورس کے ذریعے پہنچانا چاہتے ہیں جہاں ہمیں نہ تو معاش کو مذہب سے وابستہ کرنے کی ضرورت ہو نہ ہم اختلافی مسائل کو لے کر قتل وغارت گری کر کے مخالفین اسلام کے لیے جوکر اور مسخرے کی حیثیت رکھیں اور دنیا میں ہماری ایک پہچان ہو ایک شخصیت ہو۔ اس کورس کے ذریعے جناب نے ہم طلباء کے اندر یہ سوچ پیدا کی کہ امامت اور خطابت کے لیے ہر مسلمان کو تیار کیا جائے مسائل کا حل ہر مسلمان کو نکالنے کا حق ہے کسی کی رائے کو حرف اخیر مان کر اس کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے بجائے تحقیق کا مادّہ پیدا کیا جائے کیونکہ ایک خاص شکل وصورت والا مذہبی رہنما بنانا غیر مسلم اور پادریوں کا طریقہ ہے۔ آٹھ دس سال کسی پیر بزرگ کی خدمت کر کے پھر خود رہنما اور پیر بن جانا ایک آرام کی زندگی گزارنے کے لیے سب سے آسان راستہ ہے۔ جناب نے ہمیں اس سے گریز کرتے ہوئے یہ سوچ پیدا کی کہ انسان کو مرتے دم تک طالب علم کی زندگی گزارنا چاہیے۔ جہاں سے انانیت پیدا ہونا شروع ہوتی ہے وہیں سے اس کے علم کا زوال شروع ہو جاتا ہے کیونکہ اسی دن سے وہ تحقیق وتدبر سے دور ہوتا چلا جاتا ہے جو کہ

امّت کے زوال کی بنیادی وجہ ہے جناب کی گفتگو نے اس بات کا احساس دلایا کہ مذہبی اور مسلکی اختلافات نے امّت کو سیاسی اور علمی میدان میں حاشیہ پر لاکر کھڑا کر دیا ہے جس سے یہ قوم دن بدن تاریکی کی طرف بڑھ رہی ہے نہ اس کا کوئی سیاسی مقام ہے نہ کوئی طاقت۔ جناب سے مسلسل استفادہ کرنے کے بعد میرے اندر یہ سوچ پیدا ہوئی کہ مختلف خیال ومختلف مذاہب کے لوگوں کے اختلاط سے ایک ایسا جدید ونافع شعبہ قائم کیا جائے جس سے جدید ذہن اختلافی دنیا سے دور رہے اور وحیِ ربّانی کے مثبت پیغام کو سمجھے اور اظہار خیال کی آزادی ہر کسی کو ملے ہر ایک دینی سوچ کے ساتھ آگے بڑھے۔ کیونکہ آج امّت کو ایسے انقلابی نوجوانوں کی ضرورت ہے جن کے حوصلہ اور جرأت مندانہ قدم فکری جمود کو توڑ سکیں اور تاریخ کی کلائی کو مروڑ کر اسے نئی جہت دے سکیں اور ماضی کے ناقص تصورات، حال کے تعصّبات، آباء پرستی کے بندھن سے آزاد ہو کر لوگوں کو بیدار کرنے کی صلاحیت اور جذبہ رکھتے ہوں۔ جناب کی لازوال تحریریں مسلسل میرے علم اور فکر میں اضافہ کر رہی ہیں ان کی کتابیں ختم ہوتے ہوتے کچھ قابل غور سوال چھوڑ جاتی ہیں اور اس بات کا احساس دلاتی جاتی ہیں کہ علم وفن سے دوری نے امّت کو حاشیہ پر لا کھڑا کیا ہے تقاریر اور تجاویز کا سلسلہ تو ایک زمانے سے چلا آرہا تھا ایسے الفاظ جن کی چاشنی سے دل خوش ہو جائے اور بھاری بھرکم الفاظ جو تالی بجوا دیتے تھے لیکن عملی جامہ پہنانے کا جذبہ کبھی پیدا نہیں ہوا یہاں آکر بے تکلف گفتگو اور ربط نے میرے اندر کی خوابیدہ صلاحیتوں کو ابھارا فکری جمود کو توڑا اور کچھ نیا کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔

جیسا کہ ایک زمانے سے چلا آرہا ہے کہ اگر کوئی شخص نیک عزائم اور خواہشات کو لے کر آگے بڑھتا ہے تو اگر ایک آدمی ساتھ دیتا ہے تو دس آدمی اس کی ٹانگ پکڑ کر پیچھے کھینچتے ہیں علم کو دباتے ہیں اور تحقیق وتدبر کرنے والے کو پیس کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ دنیا کا نظام ہے یا تو محنت سے آگے بڑھو اگر محنت اور جستجو کا جذبہ نہیں تو کسی کو گرادو۔ ایسا ہی اس شعبے کے ساتھ ہوا دینی حلقوں میں تو ہنگامہ مچا ہی ساتھ ہی ساتھ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بھی مخالفین کی تعداد کچھ کم نہ تھی لیکن جس کا کوئی نہیں ہوتا خدا اس کے ساتھ ہوتا ہے ایسا ہی اس شعبے کے قائم کرنے والے ڈاکٹر راشد شاز صاحب کے ساتھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور اس شعبے کے طلباء نے جی توڑ محنت کی اور ایسی کارکردگی پیش کی جس سے مخالفین حمایتی بن کر پیش آنے لگے۔ یہ ہمارا تیسرا بیچ ہے۔ یہاں کے پڑھانے والوں کو زبان وفن پر گہری نظر نے صرف متاثر ہی نہیں کیا بلکہ میری سوچ کو

ایک نیا افق اور میری پرواز کو مزید توانائی بخشتے ہوئے اڑنے کے لیے ایک نیا آسمان تیار کیا کیونکہ یہاں آنے سے پہلے ہمارے پاس خوشنما مستقبل کا کوئی جامع لائحہ عمل نہ تھا۔ نہ ہمارے پاس سماجی علوم کا ذخیرہ تھا نہ ہماری فکر وشعور کی ارتقاء اس سطح کی تھی کہ ہم کسی اہل علم پر سوال اٹھانے کی جرأت کر سکیں یا ان کی کسی بات سے اختلاف کر سکیں نہ ہمارے پاس ایسے خواب تھے جن کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے ہم دن رات محنت کر سکیں کیونکہ جوانی میں طلباء اسی وقت خود کو محنت کرنے کے لیے تیار کر پاتے ہیں جب وہ بہتر مستقبل کو اپنے سامنے دیکھ سکیں کیونکہ مقصد کی تعیین اور اس کے حصول کی جدوجہد ہی انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتی ہے۔

برج کورس کا قیام اور اس کی بنیادی وجوہات

برج کورس کا قیام مدارس کے طلباء کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر وبیدار کرنے۔ کے لیے کیا گیا ہے جو کہ شخصیت پسندی کی روایت کے تلے دبی ہوئی تھیں جو ہمارے سامنے نہیں آپا رہی تھی یہاں آکر اس بات کا احساس ہوا کہ باطل کی سربراہی تو ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو زبردست ذہنی وفکری صلاحیتوں کے مالک ہیں دوسری طرف اہل حق کی قیادت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو تدبر اور تفکر کے میدان میں باطل کے مقابلے ایک معصوم بچے کی حیثیت رکھتے ہیں ۔جنہوں نے تنگ دامنی وتہی دامنی کی وجہ سے معذور اور بے بس ہو کر امامت وخطابت کی ذمہ داری سنبھال لی ہے جو کہ وحیِ ربانی کے تقاضے پر کھرے نہیں اترتے اور امت میں تقدس اس حد تک غالب آچکا ہے کہ۔ حضرت۔ پیر۔ شیخ ان جیسی تعبیرات کو کسی تحلیل وتجزیہ کے بغیر قبول کیا جا رہا ہے۔

برج کورس میں علمی سفر:

روزِ اوّل سے ہی تعلیمی سرگرمیوں سے منسلک رہتے ہوئے

اس بات کا احساس ہو چکا تھا مسلم معاشرے میں موجود اہل حق کے ادارے اس روایتی تعلیم کو پکڑے بیٹھے ہیں جو دوصدی پہلے کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے رکھی گئی تھی موجودہ دور کے اعتبار سے اس کا حاصل کرنے والا باطل کے علم وتدبر اور قوت وشعور کے مقابلے میں نادان بچے کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ موجودہ دور کا نظام تعلیم سائنس وٹکنالوجی پر منحصر ہے، جب کہ مدارس میں محض دینی علوم پر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ مدارس نے پچھلی دوصدیوں سے اپنے نظام میں کوئی ردوبدل نہیں کیا۔ مدارس کے طلباء عصری علوم سے بالکل ناواقف رہتے ہیں۔ برج کورس نے صرف ہمیں عصری علوم سے آگاہ ہی نہیں کیا بلکہ ہمیں دور حاضر کے جدید علوم سے متعارف کرایا جن علوم سے ہم کلی طور پر ناواقف تھے اور انگریزی زبان جس کی تعلیم مدرسے میں برائے نام دی جاتی تھی اس پر پورے طور پر قدرت حاصل کرانے کے قابل بنایا اور اس تھوڑی سی مدّت میں ہمیں اس قابل بنایا کہ اس زبان کے ماہرین کے سامنے ہم اپنے مافی الضمیر کو ادا کرسکیں اور ان کی باتوں کو سمجھ سکیں۔

برج کورس میں آنے کے بعد فکری انقلاب:

یہاں آنے کے بعد اس بات کا احساس ہوا اور ساتھ ساتھ افسوس بھی ہوا کہ کسی شخص کو سماحۃ الشیخ۔ حضرت۔ پیر جیسے القاب سے ملقب کرکے ان کی باتوں کو حرف آخر سمجھ کر کس طرح تدبر اور تفکر کے تمام دروازوں کو بند کیا جا رہا تھا۔ جو کہ ہمیں تیزی سے تاریکی کی طرف ڈھکیل رہی تھی اسلام نے بہتر سے بہتر زندگی گزارنے کو کہا ہے تجارت کے مواقع فراہم کیے ہیں تحقیق وتدبر کے دروازوں کو کھول رکھا ہے دینی اور دنیوی معاملات کو ایک ساتھ چلنے کو کہا ہے ہمارے لیے اس سلسلے میں وہ ذات نمونہ ہے جو بیک

وقت تاجر بھی تھی اور مبلغ بھی یعنی آپ ؐ کی ذات۔ برج کورس کے ماحول نے اس بات کا احساس دلایا کہ علم کی دینی اور دنیوی تفریق اسلام مخالف عمل ہوگا اور نعمت کی ناقدری ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس نعمت کو چھین لیتا ہے جو اس کی ناقدری کرتا ہے آج مسلمانوں کی صورتحال جو کسی سے چھپی نہیں اس کی بنیادی وجوہات میں دینی و دنیوی علوم میں تفریق پیدا کرنا ہے۔

برج کورس کے ذریعے کرائی گئی کانفرنس:

برج کورس میں آنے کے بعد جو دائرۂ فکر وسیع ہوا اس سے اس بات کا احساس بھی ہوا کہ مختلف مذاہب اور مختلف خیال کے لوگوں سے مل کر مذاکرات کرنا وقت کی کتنی اہم ضرورت اور کتنا شدید مطالبہ ہے۔ یہاں پر بین المسالک وبین المذاہب مفاہمت کے نام سے ایک مضمون کو فروغ دیا اور اسے داخل نصاب کیا گیا۔ برج کورس میں مختلف مسالک کے لوگوں کو داخلہ دیکر ایک ایسے ماحول کو فروغ دینا چاہا ایک ایسی مسلم کمیونٹی، مسلم معاشرہ چاہا جو اختلافات سے پرے محض اسلام پر عمل پیرا ہوں۔ اور اس بات کو برج کورس کے طلباء نے بخوبی سمجھا اور پورا ساتھ دیا اور اسی کے مدّنظر برج کورس نے ایک کانفرنس کا انعقاد کیا جس کا عنوان مکالمہ بین المذاہب والمسالک کے نام سے منتخب کیا گیا جس میں مختلف مسالک وآراء کے لوگوں نے حصہ لیا۔ جن کے خیالات سننے کے بعد دل میں ایک امید کی کرن جاگی کہ مختلف مسالک کے لوگوں کے درمیان اتحاد ممکن ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اس طرح کے کچھ پروگراموں کا آغاز مختلف جگہوں پر کیا جائے جس سے اخوّت بھائی چارگی پیدا ہو سکے جس طرح اس بار ایک مثبت پیغام لوگوں میں گیا اس طرح کی بات چیت سے ہم فکری جمود کو توڑ سکتے ہیں۔

برج کورس کی کامیابی پر ایک طائرانہ نظر

برج کورس صرف چند دفاتر۔ چند پروگرام۔ چند درجات کا نام نہیں بلکہ یہ قائم کیا گیا ہے مدارس کے ان طلباء کے لیے جو فراغت کے بعد عصری علوم میں داخل نہیں ہو پاتے تھے برج کورس کا قیام ۲۰۱۳ء میں ہوا اور یہاں سے اب تک دو بیچ تعلیم حاصل کر کے یونیورسٹی کے مختلف شعبوں میں داخلہ لے کر ترقی کے منازل طے کر رہے ہیں برج کورس کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں سے فارغ شدہ طلباء عصری تعلیم گاہوں سے آنے والے طلباء پر فائق ہیں۔

برج کورس میں آنے کے بعد میرا مقصد

برج کورس میں آنے سے پہلے میرا مقصد خاندانی کاروبار کو سنبھالنا تھا کیونکہ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا لیکن برج کورس نے مجھے ایک خواب دکھایا اور مجھے علمی سرگرمیوں کو برقرار رکھنے کے مواقع فراہم کیے اب میرا مقصد ایک کامیاب وکیل بننا ہے جس کے ذریعے میں بے گناہوں کو جیلوں سے نکال سکوں اور اپنے مذہب کی حفاظت کرسکوں۔

برج کورس میری نظر میں

جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ برج کورس حضرت عمرؓ کے ان مطالبات اور خواہشات پر کھرا اترتا ہے جب حضرت عمرؓ نے مختلف بلاد میں اداروں کو قائم کرنا چاہا تھا اور نصاب میں اس وقت کے تقاضوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے تیرا کی اور شہسواری کو رکھا تھا جس سے وہ دین کی حفاظت کرسکیں جو کہ اس وقت کی ضرورت تھی آج چونکہ زمانہ کافی آگے آچکا ہے وقت کے تقاضے بدل چکے ہیں۔ سیاحت اور تیراکی جو کہ اس وقت کی اہم ضرورت تھی اس کے مقابلے میں آج سائنس اور ٹکنالوجی ہے۔ قانون ہے سماجی علوم ہیں علم معاش ہے یہ وقت کی ضرورت اور ہتھیار ہیں ان سب مسائل کو مدّنظر رکھتے ہوئے برج کورس علم دین حاصل کرنے والوں کو وہ مقام اور مرتبہ دلانا چاہتا ے جو کہ اہل حق کی اصل میراث ہے۔

برج کورس میں ہم طلباء کا مقام

یہاں آکر ہم طلباء کو اس بات کا بھی احساس ہوا کہ عصری علوم کو حاصل کیے بغیر ہم بڑے پیمانے پر دین کی تشکیل نہیں کرسکتے عصری علوم کے حصول کے بعد دینی اور دنیوی علوم پر قدرت حاصل کرنے کے بعد اس بیاباں کی شب تاریک میں ہم طلباء کی حیثیت روشن چراغ کی ہوگی ۔ہم کو اپنی رائے اور اظہار خیال کرنے پر مولوی کہہ کر محدود علم کا عالم کہہ کر حاشیے پر کوئی نہیں رکھ پائے گا۔ جناب ڈاکٹر راشد شاز صاحب مقصد اصلی پر گامزن ہیں ہم طلباء کشتی میں سوار ہیں وہ ایک ہنر مند ناخدا کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ موجودہ دور میں جناب کی حیثیت سقراط کی ہے اور ہم طلباء افلاطون اور ارسطو کی جگہ پر ہیں تو شاید ایسا کہنا غلط نہ ہوگا اور اس بات میں بھی دورائے نہیں کہ جناب کی تحریریں آنی والی نسلوں کی اسی طرح تشکیل کریں گی جس طرح آج اس نسل کی ہورہی ہے۔اور جناب کا قائم کیا ہوا شعبہ جو دن بدن ترقی کررہا ہے آگے چل کر مختلف مذاہب اور مختلف خیال کے اختلاط سے ایک یونیورسٹی کی شکل اختیار کرے گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شعبے اور اس شعبے کو قائم کرنے والے ڈاکٹر راشد شاز صاحب کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین
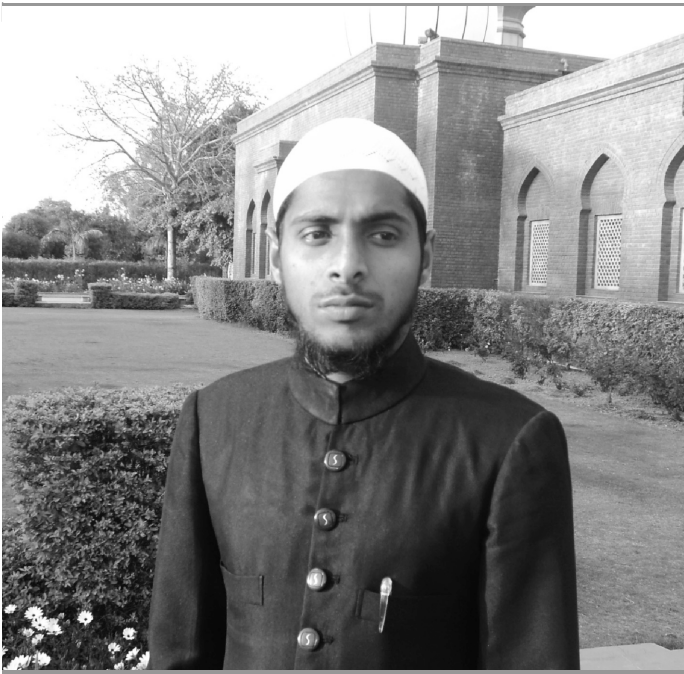
محمد سلمان

مغربی یو پی کے سہارنپور ضلع کے ایک چھوٹے سے پسماندہ گاؤں میں میری پیدائش ہوئی۔ ابتدائے عمر میں جب میرے اندر ذرا سی شدبد پیدا ہوئی تو میں نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز مسجد اور گاؤں کے سرکاری اسکول سے شروع کیا، صبح سویرے مسجد جانا اور پھر سبق سنانے کے بعد اسکول کے لیے روانہ ہونا میرا روزمرہ کا معمول تھا۔ گھر والوں کی نظر میں میں، پڑھائی کرتا مگر میں اس کے برعکس کام کرتا تھا، وہ سمجھتے کہ میں اسکول میں پڑھائی کر رہا ہوں مگر حقیقت اس کے برعکس تھی میں نظریں چرا کر اور استادوں کو مصروف دیکھ کر اسکول کی دیوار چند دوستوں کی مدد سے پھلانگ کر راہِ فرار اختیار کر لیتا اور چھٹی کے بعد گھر پہونچ جاتا۔ اسکول جاتے وقت، چونکہ اس زمانے میں حالات اتنے اچھے نہیں تھے کہ باقاعدہ کوئی اسکول کا بستہ ہمیں ہمارے والدین کی جانب سے فراہم کیا جاتا، لہٰذا ہم ایک کپڑے کا بنا ہوا چھوٹا سا تھیلا لے کر ہی روانہ ہو جاتے۔ راستہ میں ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار ہونا پڑتا تھا کیونکہ مجھے عجیب سے کلمات سے نوازا جاتا تھا، کوئی ''سید ھو'' (ہمارے یہاں بیوقوف اور ہونق قسم کے لڑکے کو کہتے ہیں) کہتا تو کوئی دیگر القاب سے نوازتا تھا جس پر میں منھ بسور کر دانت پیتا ہوا رہ جاتا تھا۔ میرے والد محترم کی دیرینہ خواہش مجھے ایک نیک اور اچھے حافظ و عالم کی صورت میں دیکھنے کی تھی مگر میری تعلیم سے بے توجہی اور آئے دن کی شرارتوں کو دیکھتے ہوئے انھیں اپنی خواہش بکھرتی اور ختم ہوتی نظر آتی، سلسلہ دن بہ دن دراز ہوتا گیا، دن راتوں میں اور راتیں دنوں میں تبدیل ہوتی گئیں مگر انھیں میری جانب سے کوئی خاطر خواہ پڑھائی کی طرف میلان نظر نہیں آیا مگر رات دن کی انتھک محنت اور تلاش بسیار کے بعد انھیں میرے عم محترم کی شکل میں امید کی کرن نظر آئی اور دادا کی مدد سے انھوں نے عم محترم کے سامنے یہ بات پیش کی اور ان سے درخواست کی کہ اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ ہوسکتا ہے کہ دور جا کر کچھ سیکھ لے، مگر میرے کارنامے سن کر اور میری روزمرہ کی شرارتوں کو سن کر انھوں نے انکار کر دیا مگر دادا کو شاید میرے اندر کچھ بات نظر آ گئی اور وہ برابر اصرار کرتے رہے۔ آخر کافی رسہ کشی کے بعد وہ تیار ہو گئے اور اپنے ساتھ گھر سے بہت دور مشرقی یو پی کے ایک مشہور شہر بستی میں مجھے لے آئے جہاں پر وہ ایک مدرسہ میں شعبۂ قرأت میں مدرسی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس کے بعد یہاں سے میرے تعلیمی سفر کا آغاز ہوتا ہے، پہلے پہل مجھے ایک ناظرہ کی درسگاہ میں داخل کرایا گیا اور تعارفی مرحلہ کے بعد میں نے نورانی قاعدہ سے اپنی تعلیم کی ابتداء کی اور اپنے والدین کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں منہمک ہو گیا مزید ہر آن اللہ

نے مدد فرمائی اور تیزی کے ساتھ اسباق کو ازبر کرنے لگا، ایک سال کی کڑی محنت اور جستجو کے بعد میں نے ناظرہ قرآن کریم مکمل کرلیا۔ دورانِ تکمیل قرآن کریم میں نے اسکول سے تیسری جماعت تک عصری تعلیم حاصل کی اس کے بعد چونکہ تحفیظ قرآن کا مرحلہ آتا ہے جو کہ مشکل طلب امر ہے اور اس کے ساتھ کوئی دوسری تعلیم حاصل کرنا گویا کہ جانِ عزیز کو انتہائی تکلیف میں مبتلا کرنا ہے لہٰذا عم محترم نے اسکول کی تعلیم کو روک کر صرف اور صرف حفظ قرآن کریم پر متوجہ ہونے کی ترغیب دی اور میں پورے انہاک سے قرآن کریم کو حفظ کرنے میں مصروف ہوگیا اور جن استاذ سے ناظرہ قرآن کریم مکمل کیا انہی کے پاس قرآن کریم کو حفظ کرنے لگا۔

دو سال بعد جب حفظ قرآن کریم مکمل ہوا تو اس وقت میرے والدین اور اہل خانہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا مارے خوشی کے وہ پھولے نہیں سما رہے تھے، اساتذۂ کرام اور بطور خاص میرے عم محترم نے مجھے اس مبارک موقع پر دعاؤں سے نوازا۔ میرے چچا نے میری پڑھائی اور ذہانت کو دیکھتے ہوئے، مزید تعلیم دینے کا ارادہ رکھا اور ایک ماسٹر صاحب کے پاس مجھے انگلش پڑھنے بھیجا جس پر میں مسلسل عمل پیرا رہا مگر استاذ محترم کی سرزنش اور تنبیہ کے بعد ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، لہٰذا عم محترم نے مجھے اس سے باز رکھنا ہی مناسب سمجھا۔ بچپن کے یہ ایام کس طرح گذرے احساس تک نہ ہوا، جس کی سب سے بڑی وجہ عم محترم کی شفقت اور محبت تھی، انھوں نے ایک شفیق باپ اور ماں کی طرح میری تربیت کی اور ہر طرح کی پریشانیوں اور تکلیفوں سے مجھے مامون رکھا جن کے سایۂ عاطفت میں رہتے ہوئے میں نے کبھی والدین کی کمی محسوس نہیں کی۔ مگر میری چند شرارتوں کی وجہ سے عم محترم کو بعض دفعہ شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا مثلاً ایک دن صدر

گیٹ پر پولیو کیمپ لگا ہوا تھا میرے چند ساتھی وہاں پر کھڑے تھے میرے اندر کا شیطان جاگا اور دل میں شرارت نے جنم لیا میں نے ایک پولی بیگ میں پانی بھرا اور کھڑکی کے ذریعہ ان کے اوپر پھینکا اتفاق سے وہ میرے ساتھیوں کے اوپر گرنے کے بجائے، پولیو پلا رہے جناب کے اوپر گر گیا، جنھوں نے دفتر میں اس کی اطلاع کردی بس پھر کیا تھا مجھے دفتر میں امین مدرسہ کے سامنے پیش کیا گیا مگر انھوں نے کچھ نہیں کیا، عم محترم جو کہ قدم قدم پر میری خبر گیری کرتے تھے ان کے لیے یہ بہت بڑی شرمندگی کی بات تھی انھوں نے درسگاہ میں بلوایا اور اس امر پر میری خبر لی۔ اس کے بعد میں عالمیت کے میدان سے وابستہ ہوا اور اپنی پڑھائی کو ایک رخ دینے اور سنوارنے میں لگ گیا مختلف پیچ وخم کو طے کرتا ہوا میرا یہ کارواں رواں دواں تھا، اساتذہ کے پند ونصائح اور رات دن کی تگ ودو کے بعد میں نے عالمیت کے چند منازل طے کر لیے۔

اس دوران میں نے بہت سارے تجربات بھی حاصل کیے اور مختلف قسم کے نظریات وآراء کے حامل طلباء سے ہم کلام ہونے کا موقع ملا کچھ اچھے اور نیک دوست بھی ملے اور چند برے بچوں سے بھی سابقہ پڑا جن کا مقصد کچھ بھی نہیں تھا صرف کھانا، آوارہ گردی کرنا، اور وقت برباد کرنا ان کے پیش نظر تھا، نہ کتابوں سے ان کو کچھ شغف تھا اور نہ اساتذہ کی باتوں سے دلچسپی۔ مگر چونکہ عم محترم کی باتیں اور نصائح ذہن میں تھے اس لیے ان سے دور رہنا ہی بہتر سمجھا مگر ایک دن ''آبیل مجھے مار'' کی کہاوت کے مانند، عم محترم کی چند ناصحانہ باتوں کو غلط سمجھتے ہوئے اور ان سے دلبرداشتہ ہو کر میں نے ایسا قدم اٹھایا جس کے بعد لگا کہ زندگی میں ایک بھونچال آ گیا ہو اور آج تک اس گھڑی کو سوچ کر کف افسوس ملتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ ایسے مشفق ومربی انسان کے ساتھ یہ میں نے کیا کیا، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک ان سے نظریں ملانے کی

ہمت نہیں ہوئی۔ ہوا یوں کہ میں چچا کی کچھ باتوں کو سن کر دلبرداشتہ ہوگیا اور رات کے وقت مدرسہ سے راہ فرار اختیار کرلی اور بھاگ کر گورکھپور چلا گیا رات بھر اسٹیشن کے فٹ پاتھ پر لیٹ کر صبح کا انتظار کرنے لگا، صبح کے وقت اذاں کی آواز کانوں تک سنائی دی تو ایک رکشہ ڈرائیور سے پتہ معلوم کرکے مسجد کی تلاش میں نکل پڑا مگر قدرت کے کھیل بھی نرالے ہوتے ہیں بجائے مسجد جانے کے، صاحب تھانہ پہونچ گئے یہ تو کرم جانئے خدا کا کہ سارے پولیس والے خواب غفلت میں مبتلا تھے اور میں نے وہاں سے کھسکنا ہی مناسب سمجھا۔ اور پھر اچانک ذہن میں خیال آیا کہ یار تو نے بہت غلط کیا تو واپس چل اور ٹرین پکڑ کر دوبارہ مدرسہ واپس آگیا۔ اس کے بعد ان کے رویہ میں میں نے بہت تبدیلی پائی، مگر انھوں نے مجھے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا۔ میری تعلیمی سرگرمی یوں ہی چلتی رہی، عالمیت کے اس سفر میں میں نے کبھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا اور ہر امتحان میں تقریباً میری پہلی یا دوسری یا تیسری پوزیشن آتی رہی مگر اس سال گویا کہ قسمت بھی مجھ سے منھ موڑ گئی تھی، میں پوزیشن سے بھی محروم ہوگیا۔ اس وقت سارے بچوں نے ہر طرف سے گویا مجھے نشانہ بنانا شروع کردیا اور چڑانے کے انداز میں وہ مجھ پر فقرے کسنے لگے ہمارا یہ عالمیت کا آخری سال تھا۔ اور اس سال کے بعد ہمیں اپنے اس مادر علمی سے رخصت ہونا تھا۔ فضیلت مکمل کرنے دارالعلوم دیوبند کا رخ کرنا پڑا اور یہ ایک کڑی آزمائش ہوتی ہے کیونکہ ایک چھوٹے مدرسہ سے ہم جامعہ کا رخ کرتے ہیں، جیسے ایک اسکول کا بچہ جب کسی یونیورسٹی کا رخ کرتا ہے تو یہ مرحلہ اور وقت اس کے لیے انتہائی دشوار کن ہوتا ہے۔ بالکل یہی صورتحال ہمارے ساتھ بھی لاحق تھی

مزید یہ کہ عم محترم اور والدین کی عزت اور ان کے خواب کا خاکہ بھی ذہن کے کسی گوشہ میں سرگرم تھا لہٰذا میں یکسوئی کے ساتھ پڑھائی میں مشغول ہوگیا اور رات دن جی توڑ محنت کی اور بفضلہٖ تعالیٰ میرا داخلہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے منظور فرمالیا۔ داخلہ کے بعد یہاں تعلیم کا یہ اہم سفر ایک الگ سمت میں رواں دواں ہوا کیونکہ اب تک تو عم محترم کی زیرنگرانی میرا تعلیمی سفر جاری تھا مگر پہلی بار تنہا کہیں تعلیم حاصل کرنے گیا دوسری بات یہ کہ اب تک ہاسٹل کے قیام کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور گھر پر ہی رہ کر تعلیم حاصل کی کیونکہ عم محترم مع فیملی کے وہاں رہتے تھے لہٰذا ان ہی کے گھر قیام وطعام کا سلسلہ جاری تھا مگر یہ پہلا موقع تھا جب میں ہاسٹل میں قیام پذیر ہونے والا تھا لہٰذا شروعاتی چند پریشانیوں کے بعد میں اس سے مانوس ہوگیا۔ یہاں آکر میرا تعلیمی سفر تھوڑا ڈگمگانے لگتا ہے کیونکہ اب تک کا خرچ تو عم محترم اٹھاتے تھے مگر اب یہ ذمہ داری والدین کے سر آگئی تھی اور والدین اس حالت میں نہیں تھے کہ میرا مکمل خرچ برداشت کرسکیں۔ لہٰذا میں نے تہیہ کرلیا کہ کسی کو بتائے بغیر میں کچھ نہ کچھ کام کروں گا لہٰذا میں دن میں پڑھائی کرنے لگا اور رات کو کام کرتا تھا اور اس سے جو پیسے ملتے تھے ان سے خرچ چلاتا تھا، دوران تعلیم میں نے چند دنوں کے علاوہ کبھی ناشتہ نہیں کیا کیونکہ وہاں مدرسہ میں ناشتہ کا نظم نہیں تھا اور میں اس حالت میں نہیں تھا کہ ہوٹل سے ناشتہ کرسکوں لہٰذا میں گھر سے والدہ سے دلیا بنوا کر لاتا اور کبھی کبھار چینی کے ذریعے اس کو بنا کر کھالیتا، اس بیچ میں نے جلسوں وغیرہ میں بھی دکان لگائی اور سامان ایک دکان سے ادھار لیا اور پروگرام ختم ہونے کے بعد پیسے ادا کردیتے، عم محترم نے بھی رہ رہ کر تعاون فرمایا اور مسلسل حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ چھٹیوں میں میں نے سوچا کہ کیوں نہ ان چھٹیوں کو کام میں

لایا جائے اور میں نے ایک فیکٹری میں کام کیا اور اس سے حاصل شدہ رقم والد صاحب کے حوالہ کردی انھوں نے وجہ پوچھی کہ یہ کہاں سے آئے تو میں نے پوری بات صاف صاف بتادی وہ بہت خوش ہوئے اور انھوں نے دعائیں دیں اور پڑھائی میں محنت پر زور دینے کا عندیہ دیا۔ جیسے تیسے کر کے میں نے فضیلت مکمل کی گھر کی حالت کو دیکھتے ہوئے میں نے مزید پڑھنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنی تعلیم کو یہیں پر ختم کر کے کسی مدرسہ میں پڑھانے کا ارادہ کیا مگر عم محترم کی خواہش کچھ اور تھی وہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم سے بھی مجھے بہرہ ور کرنا چاہتے تھے۔ اسی شش و پنج کی حالت میں کوئی راہ نہیں نکل پا رہی تھی کیونکہ اس مدرسہ کی سند کی بنیاد پر چند کورس ہی کر سکتا تھا اور کسی بڑے تعلیمی میدان میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا مگر اللہ نے ایک سبیل نکالی اور میرے چچیرے بھائی نے میری رہنمائی فرمائی اور مجھے بتایا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اندر ایک نایاب اور کم مدتی کورس وجود میں آیا ہے جس کے ذریعہ تم اپنے تعلیمی سند میں چار چاند لگا سکتے ہو کافی غور و فکر اور مشوروں کے بعد میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ میں یہاں داخلہ ضرور لوں گا۔

عم محترم کے سامنے میں نے اس کورس کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی اور اس کے اغراض و مقاصد سے انھیں آگاہ کیا وہ بہت خوش ہوئے اور انھوں نے حوصلہ افزائی فرمائی اور کہا کہ تمہیں بہت کچھ سیکھنا ہے گھر کی فکر چھوڑ دو اور خرچ وغیرہ کے بارے میں بالکل پریشان مت ہونا۔ میں نے بفضلہ تعالیٰ اس اہم کورس سے ایک نئی راہ اختیار کی، چونکہ یہ ہمارے لیے ایک الگ طرح کا علم تھا اور اس سے پہلے ہمارا سابقہ اس سے نہیں پڑا تھا لہٰذا تھوڑی سی دقتوں کے بعد راہ آسان ہوتی گئی اور جب مختلف علوم وفنون سے آگہی اور وابستگی حاصل ہوئی تو برجستہ زبان پر فارسی کا یہ مصرع جاری ہوگیا'' شنیدہ کے بود مانند دیدہ''۔ دھیرے دھیرے یہ کارواں آگے بڑھتا گیا اور احساس ہوتا گیا کہ برج کورس صرف ایک عصری علوم کی درسگاہ ہی نہیں بلکہ ایک دینی اور ملی تربیت گاہ بھی ہے کیونکہ جب ابتداء ہم یہاں آئے تھے تو مختلف مکاتب فکر کے حاملین کے ساتھ اٹھنے اور بیٹھنے کا موقع ملا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ ہم دوسرے کی شکل بھی دیکھنا گوارہ نہیں کرتے تھے اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کو گناہ سمجھتے تھے اور یہ گمان اور خیال رکھتے تھے کہ ان کے پیچھے ہماری نمازیں درست نہیں ہوسکتیں۔ مگر

رفتہ رفتہ جیسے جیسے ایام گذرتے گئے حالات بہتر سے بہتر ہوتے گئے اور اس کا کریڈٹ اس کورس کے روح رواں پروفیسر ڈاکٹر راشد شاز صاحب کے سر جاتا ہے جن کی رات دن کی سرگرمی اور امت مسلمہ کے تئیں ان کی تڑپ کے نتیجہ میں یہ ممکن ہوسکا۔ حضرت والا نے بارہا اپنے درس کے اندر پر خاص توجہ اور زور دیا کہ ہم جب تک ایک نہیں ہوسکتے جب تک مسلک ومشرب کے اس اختلاف سے اوپر اٹھ کر ایک نئی سوچ اور فکر سے ہم آہنگ نہ ہوں اور ظاہری بات ہے کہ جب ایک گھر کے اندر آپسی اختلافات رونما ہوتے ہیں تو اس گھر کی حالت بے حیثیت بھوسے کی طرح ہوجاتی ہے اور وہ پستی کی اس حد تک پہونچ جاتا ہے کہ اس کی سوچ وفکر سب ختم ہوجاتی ہے اور اگر کوئی انھیں ان کے خلاف ہی کوئی بات بتائے تو وہ اس کو صحیح سمجھ کر ایک دوسرے کو قتل کرنے اور خون بہانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اور اس چیز کا احساس یہیں آکر ہوا کیونکہ اب تک ہم ایک ہی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ اور کسی کو سمجھنے کے لیے اور اس کی آراء وخیالات کو جاننے کے لیے اس کے ساتھ وقت گذارنے اور اس سے ہم کلام ہونے کی ضرورت پڑتی ہے جو کہ برج کورس کے ذریعہ ہمیں میسر ہوا۔ اور برج کورس کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد بھی ہے کیونکہ جب تک ہم کسی سے ملاقات نہیں کریں گے اور اس کے فکر وخیالات کے بارے میں جانیں گے نہیں تب تک ہم صحیح طور سے اس کے بارے میں صحیح فیصلہ نہیں کرسکتے۔ برج کورس میں آکر ایک بڑی چیز جو ہمیں حاصل ہوئی وہ یہ کہ ہمیں عقل کو کام میں لانا اور ہر چیز کو دلائل سے مزین ومرتب کرکے ثابت کرنے کا ہنر حاصل ہوا۔ مدرسہ کی تعلیم کے دوران بہت سے اسباب سے اس کورس کی برائی سننے کو ملی اور اس سے بھی بڑھ کر جو بات کانوں کے پردے تک پہونچی وہ یہ کہ اس کورس کا رہنما کفر کی دہلیز کو پار

کر چکا ہے اور اسلام کے ان نونہالوں کو ورغلا کر ان کے عقائد خراب کر رہا ہے اور ان کو صحیح راستہ سے بھٹکا رہا ہے مگر ساری باتیں غلط ثابت ہوئیں اور ذہن میں ایک بات ابھر کر سامنے آئی وہ یہ کہ یہ ایک عظیم کورس ہے جس کی افادیت کو جاننے اور سمجھنے کے بعد کوئی بھی ذی عقل اور صاحب فراست اس کے بارے میں غلط فیصلہ صادر نہیں کر سکتا۔ سر سید احمد خاں کے اصل خواب '' کہ میں مسلمانوں کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں سائنس دیکھنا چاہتا ہوں'' کی تعبیر اگر صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو یہی وہ درسگاہ ہے جو اس پر کھری اتری ہے اور لاکھ مخالفتوں اور رکاوٹوں کے باوجود اس نے تین سال کی اقل مدت میں نقادوں کو جو منھ توڑ جواب دیا اور ترقی کے اہم منازل طے کیے وہ بیان سے باہر ہیں ۔اور پروفیسر راشد شاز صاحب نے ثابت کر دیا کہ اگر انسان ہمت اور جواں مردی سے کام لے تو کوئی بھی چیز اس کے بس سے باہر نہیں ہے اور ان کی سوچ پاؤلو کوئلو کی مشہور کتاب '' کیمیا گری'' کے اندر مذکور اس قول سے ہم آہنگ ہے'' اگر انسان کسی چیز کے کرنے کا عزم مصمم کر لے تو پوری دنیا اس کو کرنے میں آپ کی مدد کو لگ جاتی ہے''۔ اس کورس کو قائم کرنے والے وائس چانسلر جنرل ضمیر الدین شاہ صاحب کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے امت مسلمہ پر ایک عظیم احسان کیا ہے اور اس امت کی رسی کو ٹوٹنے سے بچایا ہے اور ان کو موتیوں کی ایک خوبصورت لڑی کے اندر پرونے کی کوشش کی ہے۔ اس کورس سے ہمیں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا اور ذمہ داران نے ہر طرح سے مالی ہو یا اور دوسرے طریقے کی تمام ضروریات کو پورا کیا اور احساس کمتری کا شکار ہونے سے ہمیں بچالیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعاء گو ہوں کہ وہ اس کورس کو مزید ترقیات سے نوازے اور حاسدین کی نگاہ بد سے اس کی حفاظت فرمائے! آمین
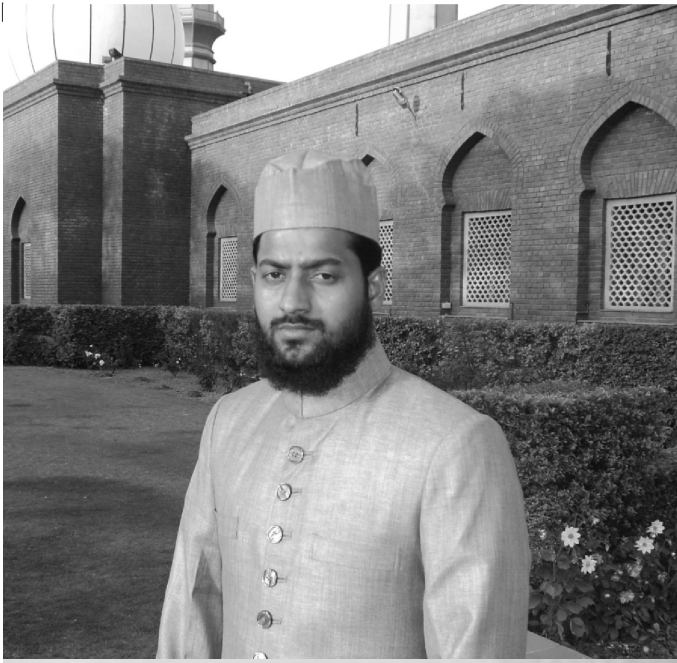
ابرار عادل

میری ولادت ایک متوسط گھرانے میں ضلع کٹیہار کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہوئی، میرے خاندان کے بیشتر افراد دینی علوم سے وابستہ ہیں، اسی لیے میرے والد محترم نے میرے لیے ایک مشہور و معروف درس گاہ کا انتخاب کیا، چند سالوں تک بخوشی میں نے وہاں ابتدائی تعلیم حاصل کی، مجھے اس مدرسہ سے بہت شغف تھا، وہاں کے اساتذہ سے بھی خاصاً مانوس ہو گیا تھا، گو کہ وہاں کی ہر چیز سے محبت ہوگئی تھی، لیکن ایک دل شکن حادثہ کی وجہ سے اس مدرسہ کو خیر باد کہنا پڑا تھا۔

پھر میرے والد محترم نے میرے لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ایک شاخ کا انتخاب کیا، جب میں نے وہاں داخلہ لیا تو میرے قریبی رشتہ دار جو دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سے فارغ تھے، میرے والد صاحب سے کہہ رہے تھے کہ آپ نے اس کا ندوۃ کی شاخ ہی میں کیوں داخلہ کرایا، کسی دوسرے مدرسہ میں اس کا داخلہ کیوں نہیں کرایا، وہ وہاں رہ کر بگڑ جائیگا، دوسری طرف میرے ننہال والے مجھ سے کہہ رہے تھے تم نے اہل سنت والجماعت کے مدرسہ میں داخلہ کیوں نہیں لیا؟ جب بھی ان کی باتیں سنتا تو مجھے اچھا نہیں لگتا تھا، میں سوچتا کہ ندوہ اور دارالعلوم دیوبند یا مظاہر العلوم میں کیا فرق ہے؟ دیوبندی اور اہل سنت والجماعت میں کیا فرق ہے؟ یہ کیسی اصطلاحات ہیں؟ بہر حال وقت گذرتا گیا اور وقت کے ساتھ ساتھ میرے ذہن میں سوالات

کا خاکہ بھی بڑھتا گیا، میرے دل میں طرح طرح کے سوالات جنم لیتے رہے جیسے شب برات میں حلوہ روٹی کا مسئلہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور یا بشر ماننے کا مسئلہ، میلاد میں قیام کا مسئلہ، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر ماننے کا مسئلہ، قبر پر اذان کا مسئلہ وغیرہ ، میں ان سوالات کو سمجھنے کی کوشش کرتا لیکن جب میں دوسرے فرقہ کی کارستانیوں اور اپنے اعمال کا موازنہ کرتا اور دونوں جانب کے سوالات پر غور کرتا تو مجھے لگتا کہ ہمارے اور ان کے درمیان بہت ساری غلط فہمیاں ہیں، جو آپسی دوری اور دشمنی کی بناء پر پیدا ہوئی ہیں۔

بہرکیف ! میں نے اپنی تعلیمی سرگرمیوں کو جاری رکھا، میرے ذہن میں جو سوالات پیدا ہوتے تھے کبھی کبھی ان سے بہت پریشان ہو جاتا تھا، لیکن پھر میں ٹھنڈے دل سے ان کو سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش کرتا ، خاص کر جب میں قرآن وحدیث کے درس میں بیٹھتا تو دونوں فرقوں کا موازنہ کرتا کہ اس مسئلہ میں کون صحیح اور کون غلط ، کیا صحیح ہے اور کیا غلط، اسی سے مجھے پتہ چلتا کہ دونوں فرقوں کے اندر کمی ہے، دوران درس جب ان مسئلوں پر اساتذہ گفتگو کرتے تو میں بڑے ہی غور سے سنتا کہ اس مسئلہ میں ان کی کیا رائے ہے، جب میں ان کے متعلق سوال کرتا کہ بریلویوں کے سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے تو وہ جواب دیتے کہ ان کا عقیدہ بگڑ گیا ہے، وہ لوگ بدعتی ہیں۔

اور جب میں اپنے ننہال جاتا، ان سے میری گفتگو ہوتی تو وہ لوگ کہتے کہ دیوبندی حضرات کافر ہیں ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، ان سے سلام وکلام حرام ہے، یہاں تک کہ بعض حضرات سلام کا جواب تک نہ دیتے۔ یہ گفتگو بسا اوقات بہت طول پکڑ جاتی، قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرنے کے باوجود نہیں مانتے اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کرتے۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ صرف ہم ہی حق پر گامزن ہیں

ہمارے علاوہ سب کافر ہیں۔ بسا اوقات ایسے سوالات کا سامنا ہوجاتا جن کا جواب دینا مشکل پڑجاتا تھا، ایک دفعہ دوران گفتگو جب بحث ومباحثہ بہت طول پکڑ گیا اور مناظرہ کی شکل اختیار کرلی، وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل ہیں، عالم الغیب ہیں، نور مجسم ہیں تو میں نے کہا کہ میں قرآن سے ثابت کرسکتا ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے۔ میں نے ان کے سامنے قرآن کی یہ آیت ''ولو کنت أعلم الغیب لاستکثرت من الخیر ومامسنی السوء ان انا لا نذیر وبشیر لقوم یومنون ''بطور دلیل پیش کی اور میں نے کہا کہ اگر آپ لوگ عربی زبان سے ناواقف ہیں تو اردو ترجمہ میں دیکھ لیجئے، پھر میں نے ان کے سامنے کنزالایمان پیش کی اور ترجمہ بھی دکھایا، تو ان ہی میں سے ایک فرد نے کہا کہ آپ یہاں کے لوگوں کو بہکانے اور دیوبندی بنانے کی کوشش نہ کیجئے۔ پھر میں نے برملا جواب دیا کہ میں کسی کو دیوبندی بنانے یا بہکانے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں بلکہ قرآن وحدیث میں میں نے جو پڑھا ہے اور سمجھا ہے وہی سمجھانے کی کوشش کررہا ہوں، آپ مانئے یا نہ مانئے آپ کے اعمال آپ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی عقل دی ہے اور ہمیں بھی دی ہے۔ پھر ہمارا دین بھی ایمان بھی ایک ہے، قرآن وحدیث بھی ایک ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک اور اللہ بھی ایک ہے، تو پھر آپس میں یہ خلیج کیوں پیدا ہوگئی ہے؟۔۔۔۔ دوریاں کیوں؟ آپس میں دشمنی کیوں ہے؟ آپس میں نفرت وعداوت کی دیواریں کیوں حائل ہیں؟ اس بات سے وہ لوگ بالکل خاموش ہوگئے، اسی دن سے میں نے یہ عزم مصمم کرلیا تھا کہ جب میں فارغ ہوں گا تو میرا مقصد صرف یہ ہوگا، آپسی دوریوں کا مٹانا، آپسی غلط فہمیوں کو دور کرنا اور اتحاد واتفاق قائم کرنا۔

سب کچھ اسی مشن کے مطابق چل رہا تھا، میں اپنے مشن کے مطابق تیاری بھی کرنے لگا تھا لیکن بدقسمتی کہیے کہ ایک دو سال کے اندر میرے گھر کی معاشی حالت اتنی خستہ ہوگئی تھی کہ میرے پاس وقت پر پیسہ نہیں آتا تھا اور میری ایسی عادت تھی کہ میں بھوکا رہ جاتا لیکن کسی سے قرض نہیں لیتا تھا، اور اس کا کسی کو احساس بھی نہیں ہونے دیتا تھا۔

بہرحال! جب میں جامعہ خلفاء راشدین مادھوپارہ پورنیہ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ Entrance کے لیے نکلا اور سینٹر پہونچا تو پتہ چلا کہ Entrance میں ایک Subject کا اضافہ کردیا گیا ہے، پہلے دو کتابیں ایک ساتھ تھیں اب الگ الگ امتحان دینا تھا، اس سال کا امتحان سال گذشتہ کے مقابلے میں بہت زیادہ مشکل تھا، پرچے بہت مشکل بنائے جارہے تھے، ان اساتذہ کا کہنا تھا جو ہمارے ساتھ امتحان دلانے کے لیے آئے تھے، جب پہلا پرچہ سامنے آیا تھا تو سب کی حالت خراب ہوگئی تھی، پاس ہونا مشکل تھا لیکن مجھے پوری امید تھی کیونکہ میں نے اتنے سوالات حل کرلیے تھے جس سے میں بخوبی پاس ہوسکتا تھا، اسی طرح دوسرے دن جب البلاغۃ الواضحہ کا پرچہ سامنے آیا تو سب کے ہوش اڑ گئے تھے، سب بغلیں جھانک رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اب کیا ہوگا؟ اللہ کا کرنا ایسا تھا کہ اس پرچے میں بھی مجھے اچھی امید وابستہ تھی۔ ایک ساتھی نے غلطی سے یہ خبر دی کہ مترقی پاس ہوا ہوں، اس خبر سے مضطرب ہوا۔ چونکہ میں نے خواب دیکھا تھا کہ میں مکمل کامیاب ہوا ہوں۔ اس لیے اس خبر پر یقین نہیں آیا۔ اور تحقیق کرنے پر میرا خواب صحیح ثابت ہوا۔

بہرحال! جب میں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لے لیا تو دوران تعلیم مزید چند فرقوں کے متعلق مطالعہ کا موقع ملا، ان کے عقائد سے روشناس ہوا، جیسے شیعہ اور ان کے

چند نمایاں فرقے، فرقۂ سبائیہ، فرقہ غرابیہ، فرقۂ کسانیہ، فرقہ زیدیہ، فرقہ امامیہ یا اثنا عشریہ، فرقۂ باطینہ وغیرہ اسی طرح خوارج کے چند نمایاں فرقے جیسے ازارقہ، نجدات، صفریہ، عجاردہ، اباضیہ، محکمہ، یزیدیہ، اور میمونیہ وغیرہ۔

اسی طرح دوران تعلیم مزید سوالات میرے ذہن میں آتے رہے کہ دور حاضر میں دنیا کے تمام مسلمانوں پر ظلم وستم اور جبر و تشدد کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ درندہ صفت انسان حکومت پر مسلط ہے، مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، مسلمانوں کو دنیا سے نیست نابود کرنے کی ناپاک کوششیں کی جارہی ہیں۔ ہر چہار جانب مسلمانوں کو کمزور کرنے کی سازشیں رچی جارہی ہیں، کہیں مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیا جارہا ہے، مدارس اسلامیہ دہشت گردی کے اڈے قرار دیے جارہے ہیں، معصوم و بے قصور مسلم نوجوانوں کو جیل میں ڈھکیلا جارہا ہے اور تختۂ دار تک پہونچانے کی ہر ممکن کوششیں کی جارہی ہیں، ان کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جارہا ہے، بابری مسجد کو شہید کر کے اس پر گھناؤنی سیاست کھیلی جارہی ہے گجرات میں قتل عام کیا جاتا ہے، منظفر نگر میں مسلمانوں کو بے گھر کیا جاتا ہے۔ اقلیت کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا ہے، انہیں جو حقوق ملنے چاہیے تھے وہ نہیں مل پارہے ہیں، حالانکہ یہ ایک جمہوری ملک ہے۔ یہ حالت صرف ہندوستان ہی میں نہیں ہے بلکہ بیرون ممالک میں بھی پائی جاتی ہیں۔ جیسے کہ برما میں مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جاتا ہے ان کے ساتھ سفاکانہ سلوک کیا جاتا ہے، ان کے خون سے ہولی کھیلی جاتی ہے، اکثر وبیشتر ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی پالیسی اپنائی جاتی ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ان تین سالہ مدت میں یہی سوچتا رہا کہ میں کیسے پوری انسانیت کے کام آسکتا ہوں وہ کون سا ایسا راستہ ہوگا جس

سے میں پوری انسانیت کی خدمت کرسکوں، پوری دنیا میں جو کرپشن ہے کیسے اس کا ازالہ ممکن ہے، مجھے کوئی بھی راستہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ پھر میں نے غور کیا کہ اس کے لیے عصری علوم سے واقفیت بہت ضروری ہے، تبھی ہم اپنے مشن میں صحیح اتریں گے، لیکن اس وقت میرے گھر کی معاشی حالت پہلے سے بدتر ہوگئی تھی، میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرے گھر کی معاشی حالت پہلے سے بدتر ہے پھر میرا یہ مشن کیسے کامیاب ہوگا۔

بہر حال! عالمیت کے آخری سال جب میں گھر پہونچا تو ایک طرف میری والدہ اور بہنوں نے کہا تم پڑھنے کے ساتھ ساتھ کمانے کے لیے بھی کچھ سوچو جس سے تم اپنی ضروریات پوری کرسکو۔ گھر کی معاشی حالت بہت خراب ہے، گھر سے روپے دینا بہت بڑا مسئلہ ہے، میں نے ان سے کہا اور اپنے دل میں پختہ ارادہ کیا کہ چاہے جو بھی کرنا پڑے میں کروں گا لیکن اپنی تعلیمی سرگرمیوں کو جاری رکھوں گا۔

دوسری طرف میرے والد محترم نے مجھ سے پوچھا کہ اب تم عالمیت کے بعد کیا کرنا چاہتے ہو کچھ سوچا ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا، مجھے ابھی اپنا تعلیمی سفر جاری رکھنا ہے، میں عصری علوم حاصل کرنا چاہتا ہوں، پھر انھوں نے مجھ سے پوچھا کسی امتحان کی تیاری کررہے یا نہیں؟ میں نے کہا، میں نے اب تک کسی امتحان کی تیاری شروع نہیں کی ہے اور نہ ہی کسی امتحان کے بارے میں سوچا ہے۔ پھر میرے والد محترم نے اس وقت مجھ سے جو جملہ کہا تھا مجھے لگتا ہے کہ وہ جملہ سانس کی ڈور ٹوٹنے تک یاد رہے گا، اس جملہ کو سن کر جتنی خوشی مجھے اس وقت ہوئی تھی شاید کہ کبھی ایسا موقع آئے، اس جملہ کو سنتے ہی بدن کے اندر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی، آنکھوں سے خوشی کے آنسو رواں تھے، دل جھوم اٹھا تھا، حالانکہ میری زندگی میں اس سے پہلے بہت سے خوشی کے مواقع ہاتھ آئے تھے، لیکن جتنی خوشی مجھے اس

وقت اس جملے سے ہوئی تھی کبھی اتنی خوشی میں نے محسوس نہیں کی تھی۔
اور وہ جملہ تھا: ''بیٹا جاؤ، تم جو پڑھنا چاہتے ہو پڑھو، تم جو بننا چاہتے ہو بنو، میں تمہیں پیسے دونگا'' اس وقت میں نے سمجھ لیا کہ شاید میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہا ہوں۔ پھر دو سال کے بعد گھر کی معاشی حالت دھیرے دھیرے اچھی ہونے لگی، میں جو چاہتا تھا ویسا ہی ہو رہا تھا، مجھے لگ رہا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ میری رہنمائی کر رہا ہے۔

پھر میں نے سوچا کہ عصری علوم میں بھی تو بہت سارے مضامین ہیں، میں کون سا مضمون اختیار کروں جس سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہوں، مجھے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، میں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا لیکن پھر بھی مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیونکہ اساتذہ اور ساتھیوں کے مشوروں کے مطابق اگر میں مدرسہ کی سرٹیفکیٹ سے کہیں داخلہ لیتا تو صرف اور صرف اردو، عربی، فارسی اور اسلامک اسٹڈیز میں لے سکتا تھا، جس سے میرا مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا، حالانکہ میرا مقصد عالمی پیمانے پر کام کرنے کا تھا کہ میں ملک اور بیرون ملک میں بھی کچھ خدمت کر سکوں، بلکہ پوری انسانیت کی ہر ممکن خدمت کر سکوں۔

ایک دن اچانک میری نظر ایک اجنبی ساتھی پر پڑی جن کو میں صرف شکل سے پہچانتا تھا لیکن وہ مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔ جب میں نے ان سے سلام وکلام کیا اور پوچھا، بھائی ابھی آپ کیا کر رہے ہو تو اس نے جواب دیا کہ میں برج کورس کی تیاری کر رہا ہوں، یہ سنکر مجھے لگا کہ شاید بڑے پیمانے پر سرکار کی طرف سے کوئی بڑی اسکیم آنے والی ہے جس کی یہ تیاری کر رہا ہے، میں نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی، پھر چند ہفتوں بعد کچھ ساتھیوں کو برج کورس کے متعلق باتیں کرتے ہوئے سنا تو میں نے ان سے پوچھا کہ برج کورس کیا ہے؟ اس میں کیا ہوتا ہے؟ اس کورس سے کیا فائدہ ہے؟ قلت وقت دامن گیر تھی وہ لوگ کچھ بتا نہ سکے، پھر میں نے مشکل سے برج کورس کے بارے میں معلوم کیا۔ جب میں نے برج کورس کے متعلق معلومات حاصل کر لی، تو میں نے سوچا کہ برج کورس میں ابتدائی تعلیم سے مستفید ہونے کا اچھا موقع ہے جس سے مجھے آگے بڑھنے میں مدد ملے گی۔ شاید میرا مقصد بھی پایۂ تکمیل تک پہونچ جائے۔

چنانچہ میں نے اساتذہ اور ساتھیوں سے مشورہ کیا تو انھوں نے بتایا کہ برج کورس تمہارے لیے بہت اچھا کورس ہے یہ ایک ڈریم پروجیکٹ ہے، پھر میں نے اس کے لیے فارم بھرا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جب میرا داخلہ یہاں ہو گیا، اور میں کلاس اٹینڈ کرنے لگا تو مجھے بہت اچھا محسوس ہوا خاص طور سے جب

Inter-faith and Intra-faith Understanding کے گھنٹے میں، ڈائریکٹر برج کورس پروفیسر راشد شاز کی کلاس میں پہلا دن تھا تو اس نے مجھے میرا مقصد یاد دلا دیا، جب میں فارغ ہوں گا تو میرا ایک ہی مقصد ہوگا، آپسی دوریوں کو مٹانا، آپسی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا اور اتحاد واتفاق قائم کرنا، لیکن میرا مقصد صرف دو فرقوں (دیوبندی، بریلوی) کے مابین جو خلیج تھی اسے اتحاد واتفاق میں تبدیل کرنا تھا، اور یہاں تو اتحاد بین المسالک ومذاہب کی باتیں کی جارہی تھیں اس لیے میں پھولے نہ سمایا، میں نے بہت ہی مسرت وشادمانی محسوس کی اور اپنے سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتا تھا ''اے ہمارے پروردگار، مجھ سے تو جو کام لینا چاہتا ہے اس کی طرف میری رہنمائی فرما'' شاید کہ یہ اسی دعا کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ میری رہنمائی کررہا ہے۔

بہرحال! برج کورس میرے لیے بہت ہی کارگر ثابت ہوا، اس سے پہلے مجھے صرف اتنا معلوم تھا کہ مسلمانوں کے چند فرقے ہیں جو آپس میں دست وگریباں ہیں، ایک دوسرے کو فتویٰ کفر وشرک کا گلدستہ پیش کرتے ہیں، آپسی غلط فہمیوں کا شکار ہیں، اپنے مسلک ومشرب کو ثابت کرنے کے لیے قرآن واحادیث کے معانی ومطالب میں کھینچ وتان کرتے ہیں۔ لیکن جب میں نے برج کورس میں داخلہ لیا تو بین المسالک والمذاہب غور وفکر اور International Inter-faith and Intra-faith Conference سے استفادہ کا بھرپور موقع ملا۔ الگ الگ موضوعات پر غور وفکر اور اس کا حل تلاش کرنے کی ہر ممکن کوششیں کی گئیں Inter-faith and Intra-faith Understanding کے گھنٹے میں ان مسئلوں پر غور وفکر کا موقع ملا، جو دنیا میں بین المسالک والمذاہب آج درپیش ہیں، اسی طرح اہل مغرب اور اسلام کے درمیان کس حد تک اتحاد واتفاق ممکن ہے اس موضوع سے بھی استفادے کا سنہرا موقع ملا۔ اور ذہن میں ایک خاکہ تیار ہوا جس کے متعلق میں نے خواب وخیالوں میں بھی نہیں سوچا تھا، پھر اس گفت وشنید میں تمام ساتھیوں نے وسعت قلبی کا مظاہرہ کیا بہت سارے ایسے سوالات ذہن نشیں ہوئے جو شاید کہ مدتوں غور وفکر اور مطالعہ کے بعد سامنے آسکتے تھے۔ اُس غور فکر اور مشاورت سے بہت ساری غلط

فہمیوں کا ازالہ ہوا، جو ایک دوسرے سے نظریں چرائے پھرتے تھے، سلام کے جواب دینے کو کافروں والا عمل گردانتے تھے، ایک دوسرے کے خلاف کفر وشرک کا فتویٰ لگاتے تھے یہاں تک کہ پہلے جو ایک دوسرے کے جانوں کے درپے تھے آج وہی ایک دوسرے کے لیے اپنی جان نچھاور کرنے کے لیے تیار ہیں، آج حال یہ ہے کہ سب ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں ادا کرتے ہیں ۔آپس میں سلام وکلام کا پیغام دیتے ہیں بلکہ افشــوا السـلام بینـکـم کا نمونہ پیش کرتے ہیں، ایک دوسرے کی خوشی وغمی میں شریک ہوتے ہیں، جو اتحاد واتفاق کے نام سے کوسوں میل دور بھاگتے تھے، افتراق وانتشار کا باعث بنے ہوئے تھے آج وہی اتحاد واتفاق کا پیغام دیتے ہیں اور اس کے لیے ہر ممکن جدوجہد کر رہے ہیں۔

لہٰذا یہاں آ کر ایک نئی سوچ اور تحقیق وتفکر کا مزاج بنا خاص طور سے International Inter-faith and Intra-faith Understanding Conference میرے لیے کافی سودمند ثابت ہوئی یہ میرے لیے بہت ہی خوش نصیبی کی بات ہے کہ مجھ ناچیز کو ایسا موقع ملا، جس میں اکثر وبیشتر مسالک ومذاہب کے نمائندوں سے استفادہ کیا۔ اور ہر ایک کو سمجھنے کا موقع فراہم ہوا، طرح طرح کے مشورے سامنے آئے کسی نے کہا تھا قرآن کی جن آیات میں اختلافات پائے جاتے ہیں بخلوص دل ان کو سمجھنے کی کوششیں کی جائیں، کسی نے کہا تھا کہ جتنے کنکر اتنے شنکر اور جب کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پہ گستاخی کرتا ہے تو پوری دنیا میں ہل چل مچ جاتی ہے، سب سڑکوں پر اتر آتے ہیں اور صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں، لیکن جو سب کا پروردگار و پالن ہار ہے سب کا خالق ومالک ہے، لوگ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اس کو بھلا بیٹھے ہیں کسی کو اس کی فکر نہیں۔ کسی نے مولوی ہٹاؤ مولوی ہٹاؤ کے نعرے بھی بلند کیے تھے۔ یہ سارے ایسے سوالات ہیں جن سے پیچھا نہیں چھڑایا جاسکتا ہے۔ اور میرے لیے سب سے بڑی خوش قسمتی کی بات تو یہ ہے کہ کبھی بھی ایسا سنہرا موقع ہاتھ نہیں آیا تھا کہ اس طرح کے سوال کو سامنے لایا جائے پھر سب مل کر اس پر غور وفکر کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کریں، مدرسہ کے زمانہ طالب علمی میں ایسے موقع کی تلاش میں رہتا تھا، کبھی کبھی ایک مسئلہ کو سمجھنے کے لیے ہفتوں لگ جاتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تمام چیزیں یہاں مہیا تھیں۔

اسی طرح میں چاہتا تھا کہ کسی ایسے ادارے میں داخلہ لیا جائے جہاں ابتدائی عصری علوم سے استفادے کا موقع ملے، اللہ تعالیٰ نے برج کورس کی شکل میں اس دلی تمنا کو بھی پورا کردیا، یہاں تمام مضامین سے مستفید ہونے کا موقع ملا، جیسے سائنس میں (Physics, Chemistry, Biology) میتھ میٹکس، انگلش ریڈنگ اور رائٹنگ اسکل ، خاص طور سے انگریزی میں improve ہوئی، اسی طرح Sociology, Geography, History, Political Science سے بھی استفادے کا موقع ملا، میں دل سے شکرگذار ہوں پورے CEPECAMI ادارہ کا، اور شیخ الجامعہ جنرل ضمیرالدین شاہ، ڈائریکٹر برج کورس پروفیسر راشد شاز اسٹنٹ ڈائریکٹر بچن علی خاں صاحب کا اور تمام اساتذہ کرام اور خادمین CEPECAMI کا جنھوں نے ہر طرح سے ہماری رہنمائی کی اور ہر ممکن طریقے سے فائدہ پہونچانے کی کوششیں کیں۔ اللہ تعالیٰ سے میں دعا، گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی جائز تمناؤں اور دلی مرادوں کو پورا فرمائیں۔ آمین!

فرحانہ ناز

سب سے پہلے میں اپنے بارے میں بتانا چاہونگی۔ میرا برج کورس کا سفر کچھ اس طرح شروع ہوا۔ میں فرحانہ ناز ضلع غازی آباد کے ایک گاؤں سے تعلق رکھتی ہوں، میرے والد اور والدہ دونوں الگ الگ رہتے ہیں۔ میرے والد صاحب دہلی میں ملازم ہیں اور میری والدہ گاؤں میں ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔ میں نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے گھر کے پاس مدرسے سے ہی حاصل کی۔ اس کے بعد رامپور کے مشہور ادارے جامعۃ الصالحات میں داخلہ لیا اور فضیلت مکمل کی۔ میرا بچپن سے ایک ہی خواب تھا۔ وہ تھا کہ میں ایک ڈاکٹر بنوں، بچپن میں میری دوست گڑیوں سے کھیلتی تھیں۔ لیکن میں ہمیشہ کھیل کے درمیان ڈاکٹر بنتی تھی۔ جب بڑی ہوئی تو میں نے جانا کہ خواب دیکھنے میں اور پھر حقیقت کی دنیا میں اس کی تعبیر تلاش کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کیونکہ میرے کانوں میں ہمیشہ ایک ہی آواز گونجتی رہتی تھی، کہ جیسے ہی یہ فارغ ہوکر گھر آئے ، اس کی شادی کردینگے۔ اس کے علاوہ میرے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن میں اپنے خواب کو پروان چڑھانے کے لیے بے چین تھی۔ کیونکہ میرے یہاں پر لڑکیوں کو پڑھانے کا زیادہ رواج نہ تھا۔ بس قرآن پڑھایا اور شادی کردی۔

میری والدہ خود بتاتی ہیں کہ ہم صرف قرآن پڑھے ہوئے ہیں۔ اور گھر پر چوری چوری کتابیں منگوا کر پڑھتے تھے۔ اسکول یا کالج بھیجنے کا رواج نہ تھا۔ وہی رسم و رواج ابھی تک چلا آ رہا تھا۔ میں نے جب اس ماحول میں آنکھ کھولی تو دیکھا تعلیم سے بے بہرہ مند گھٹاٹوپ اندھیرے کے اس ماحول میں مجھے صرف ایک آواز آتی تھی۔ وہ تھی کہ لڑکیاں بوجھ ہوتی ہیں۔ بس انھیں جلدی جلدی دینی تعلیم اور گھریلو کاموں سے واقف کراؤ اور شادی کر دو۔ شادی کو لے کر ہمارے سماج میں بہت جلد بازی رہتی ہے۔ کہ لڑکی ابھی سن شعور کو بھی نہیں پہنچی کہ بس شادی کر دو۔ مجھے اس لفظ سے نفرت ہونے لگی تھی۔ لیکن میں کبھی اپنے دل کی بات گھر والوں سے نہ کہہ پائی۔ ڈرتی تھی کہ مجھے ڈانٹ نہ پڑ جائے۔ لیکن مجھے پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ جب میں مدرسے جاتی تو لڑکیوں کو کالج جاتے دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی۔ کہ چلو اچھی سوچ والے لوگ بھی سماج میں زندہ ہیں۔ میرے والد دہلی میں رہتے ہیں۔ اور ایک کھلے دماغ کے انسان ہیں۔ بس ماحول کو خوشگوار بنائے رکھنے کے لیے چپ رہتے ہیں۔ ورنہ انھیں ہمیں پڑھانے کا بہت شوق تھا۔ کیونکہ وہ دنیا دیکھے ہوئے ہیں۔ لیکن بس سماج اور مسلم برادری سے ڈرتے اور لحاظ رکھتے ہیں۔ میرے والد چاہتے کہ میری بیٹیاں خوب پڑھیں لیکن والد تھوڑے سخت ہیں، اس لیے میں اپنے جذبات اپنے اندر ہی دبا لیتی تھی۔ اور ایک لفظ بھی والد صاحب سے نہیں کہہ پاتی تھی۔ اور بچپن کے اس لمحہ کو یاد کر کے آنکھوں میں آنسو بھر لاتی ہوں۔ جب میں ڈاکٹر کی Dress پہن کر کھیلتی تھی۔ میرے آس پڑوس کے لوگ مذاق مذاق میں کہتے کہ یہ بڑی ہو کر ڈاکٹر بنے گی۔ لیکن میں جانتی تھی کہ یہ ناممکن ہے۔ اپنے ماحول کو دیکھتی پھر کالج کی پڑھائی۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اللہ پاک کا ہم پر کرم تھا کہ ہم فضیلت

ایک ہاسٹل میں رہ کر کررہے تھے۔ اورمیں نے وہاں پر BUMS کی Books خرید کر چوری چوری پڑھنا شروع کردی تھیں۔اور بہت سی دواؤں کے نام بھی یاد کرلیئے تھے۔اور ایک Box بنایا تھا First Aid Box اس میں میں نے ساری دوائی رکھ رکھی تھیں۔جب ہاسٹل میں کسی لڑکی کو سر درد ہوتا یا بخار ہوتا تو ہم اسے دے دیتے تھے۔

جب مدرسے کی چھٹی ہوتی تو میں مطالعہ کے درمیان جب دوسری لڑکیاں کھیل رہی ہوتی، یا بات کرتی ہوتیں تو اس وقت میں یہ سب سیکھتی اور میں نے ڈھیر ساری Books اپنی Pocket money سے خریدی تھیں۔ میرے سرنے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے دعا دی اور کہا۔تم ضرور کامیاب ہوگی۔انشاء اللہ اور میں نے پاپا کو اگلے دن سب بتا دیا۔میرے والد مجھے پڑھانا تو چاہتے تھے۔لیکن پیسے کی کمی تھی کہ اتنا خرچہ ہوتا تھا گھر کا اور میرے بھائی لوگوں کی پڑھائی پر اور میرے چچا زاد بھائی، بہن بھی پڑھ رہے تھے،اس لیے اتنا پیسہ نہ تھا۔کہ ہم کالج میں پڑھائی کرسکیں۔

اس کے بعد گاؤں میں آہستہ آہستہ پڑھانے اور پڑھنے کا رواج عام ہوگیا۔ جولوگ اپنے بچوں کونہیں پڑھاتے تھے۔ وہ اب انھیں پڑھانے لگے۔ اور میں نے اپنے ایک ٹیچر کی مدد سے ایک Scheme چلائی۔گھر گھر میں دوائی Supply کرائی۔ اور ہر گھر میں مجبوری کے تحت جن دواؤں کی ضرورت ہوتی ان کو رکھوایا۔میرا محلّہ مجھے ڈاکٹر بٹیا کہنے لگا۔اس کے بعد میرے انہیں Sir نے ہر Newspaper میں میرے لیے کھوج شروع کردی۔لیکن میری Marksheet کوئی کالج نہیں مانتا تھا۔ پھر بھی ہم نے ہمت نہ ہاری۔اور برابر اپنی کوشش جاری رکھی۔اب میرے ساتھ پورا گاؤں تھا۔اور میرا اللہ میرے ساتھ تھا۔ مجھے اپنے مدرسے کی ایک کتاب کا ایک سبق یاد آ گیا۔''سرسید احمد خاں'' کی کتاب میں میں نے پڑھا تھا ایک سبق ''امید کی ایک کرن'' اور اس میں انھوں نے لکھا تھا کہ ''انسان کو ہر وقت کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ناامیدی کفر ہے'' اسی جملہ نے مجھے ایک ہمت دی۔اور ایک جذبہ پیدا کیا۔پھر ایک دن اچانک میرے گھر کے دروازے پر کوئی تھا۔میں نے دروازہ کھولا تو میرے استاد محترم مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک Newspaper تھا۔ انھوں نے کہا۔ بٹیا تمہارے لیے اللہ نے ایک راہ کھول دی ہے۔ ایک کورس ہے ''Bridge Course'' جو تمہارے لیے مددگار ثابت ہوگا۔اس کے بعد میں اس کورس کے لیے تیاری کرنے لگی۔اور میں نے شکرانے کے نفل پڑھے اور میں اس دن بہت خوش تھی۔ کیونکہ اب مدرسے کی مارکشیٹ سے لڑکیاں BA اور LLB اور دوسرے کورس کرسکتی تھیں۔اور ہم بھی آگے بڑھ سکتے تھے۔ میرے لیے فارم میرے استاد ہی لائے تھے۔اور فارم بھر کر جمع کر دیا گیا۔اور میرے پاپا اور دوسرے لوگوں نے مجھے دلاسہ دیا۔اور میرے جذبہ کو اور مضبوط کیا۔ اب میں اپنے خواب کو پورا کرسکتی تھی۔ میرے پاس Golden Chance تھا۔اور جب میں فارم بھرنے کے لیے علی گڑھ آئی۔تو ایک نئی دنیا دیکھ رہی تھی ۔ یہ علی گڑھ تھا جو صرف کتاب میں پڑھا تھا۔اور ہم معلوم کرتے کرتے علی گڑھ آ گئے تبھی میں نے ''سرسید احمد خاں صاحب'' کا گھر دیکھا۔تو مجھے وہ بات آ گئی کہ جب میں نے ان کی کتاب پڑھی تھی تو سوچتی تھی کہ کب ان کے گھر کا دیدار ہوگا۔اور آج میں ان کے گھر میں کھڑے ہوکر پانی پی رہی تھی۔ مجھے بہت خوشی ہورہی تھی۔اگلے دن ہم فارم جمع کرنے کے لیے Bridge Course کی بلڈنگ میں گئے اور ہمارا فارم جمع ہوگیا۔

اب صرف مجھے جو فکر تھی وہ تھی ٹیسٹ کی تیاری کی ۲۳؍ جولائی کو ٹیسٹ تھا۔ میں نے کوثر میم سے فون کر کے Test کی تیاری کے لیے معلوم کیا اور انھوں نے مجھے کچھ Books کے نام بتائے۔ اور میں نے انھیں سے تیاری کی۔ اب دل میں ایک ڈر بھی تھا۔ اور ایک خوشی بھی تھی۔ لیکن ایک امید تھی۔ اور امی پاپا کی دعائیں تھیں۔ اور استاد محترم اور میرے پڑوسیوں کا ساتھ تھا۔

داخلہ امتحان کا دن: اللہ اللہ کر کے اگست کی ۱۲؍ تاریخ آ گئی۔ اور ہم ایک دن پہلے علی گڑھ پہنچ گئے۔ ۱۲؍ اگست کے دن گرمی شدید تھی۔ لیکن ہمارے ٹھہرنے کا انتظام بڑی اچھی طرح کیا گیا تھا۔ ۲؍ بجے ٹیسٹ تھا۔ ہم نے تھوڑا پڑھا بھی پھر ہم لڑکے لڑکیاں الگ الگ قطار میں لگ گئے۔ ہم کو Roll No. دیا گیا۔ اور ہم سب ایک لمبی تعداد میں Arts Faculty میں چلے گئے۔ وہاں تین Section تھے A, B, C میں اپنا Roll No. ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک بڑے سے ہال میں چلی گئی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ وہاں پر Already بہت سے لڑکے لڑکیاں موجود تھے۔ میں ڈرتی ڈرتی اندر آئی۔ تبھی میرے کانوں میں ایک آواز آئی۔ کیا تمہارا نام فرحانہ ہے۔ میں نے کہا! جی ہاں، میرا نام فرحانہ ہے۔ اور میں مڑی تو پیچھے ایک Sir کھڑے تھے۔ انھوں نے بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا۔ میرے اغل بغل میں دو تین لڑکے تھے۔ جو بہت ہی سمجھ دار معلوم ہو رہے تھے۔ مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ میں انگریزی میں بہت کمزور ہوں، کیا کرونگی۔ تھوڑی دیر بعد ایک Teacher آئے اور Test paper بانٹنے لگے۔ میں نے جو تیاری کی تھی اس کا ایک بھی سوال نہ تھا۔ میرا تو حال وہ ہوا جیسے کوئی اندھیرا میری آنکھوں کے سامنے ہو۔ پھر اچانک ایسا لگا کہ میرے استاد کھڑے ہو کر کہہ رہے ہوں۔ بیٹا امید مت چھوڑنا لہٰذا اپنے آنسوؤں کو پوچھتے ہوئے لکھنا شروع کیا۔ کچھ سوالوں

کے جواب آرہے تھے اور کچھ نہیں لیکن پوری ہمت کے ساتھ میں نے سب سوالوں کے جوابات لکھے اور time ختم ہوا اور میں واپس ہوگئی۔ گھر جا کر میں نے نماز میں رو رو کر دعاء کی۔ یا اللہ بس میرا نام آجائے۔ اور میں بے صبری سے اپنے نمبر آنے کا انتظار کرنے لگی۔

اور اچانک ایک دن میرے استاد محترم گھر آئے ہوئے تھے بولے بیٹا تمہارا Result کب آئے گا۔ میں نے کہا Sir مجھے معلوم نہیں تو انھوں نے اپنا موبائیل نکالا اور Internet پر دیکھا۔ تو کہنے لگے ارے Result تو آ گیا۔ اور تمہارا نام تو کہیں نہیں ہے۔ میں تو جیسے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اچانک میرے آنسوں کی لڑی بہنے لگی۔ تبھی Sir چلائے۔ ارے تمہارا نام تو۔۔۔۔ ہے اور چلو گرما گرم چائے پلاؤ۔ میں خوشی کے مارے کودنے لگی۔ اور آئے دن مجھے بس علی گڑھ کے سپنے آنے لگے۔ اور اب صرف میرا Interview باقی تھا۔

اور رفتہ رفتہ دن گزرتے گئے، اور آخر وہ دن آ گیا۔ جب Interview ہونے والا تھا۔ انتظار کی گھڑی ختم ہوگئی۔ اور ہم Interview کے ایک دن پہلے وہاں آئے تھے۔ ہمارے ٹھہرنے کا انتظام بہت اچھا تھا۔ اور ہم برج کورس کی Building میں رکے تھے۔ اور وہیں قیام پذیر ہو کر تیاری کر رہے تھے۔ اور میرا نمبر ۳۰ تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ پورے Confidence کے ساتھ Interview دونگی۔ دل خوف زدہ تھا اور مستقبل کی فکر ہمیں کھائے جا رہی تھی کہ کیا ہوگا؟ تبھی ایک Teacher جو سب کی Help کر رہے تھے اور تھوڑا سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے آئے اور انھوں نے ہماری بہت مدد کی۔ ایک Room میں ڈائریکٹر صاحب اور دو اور Teacher

بیٹھے تھے۔ ایک لمبی قطار اور لڑکے لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ پھر شام کے پانچ بج چکے تھے۔ اور میرا نام آ گیا۔ میں اللہ کا نام لے کر اندر داخل ہوئی۔ جب میں اندر داخل ہوئی تو Sir نے مجھے بیٹھنے کے لیے کہا۔ اور کہا ان کی کاپی نکالو اب تو میں اور ڈر گئی تھی۔ دوسرے Sir نے میری کاپی نکالی اور کہا۔ بیٹا تم نے English میں بہت اچھا کیا ہے۔ میں چونک گئی۔ اور مجھے تب یقین آیا۔ جب انھوں نے مجھے میری Test copy دکھائی۔ اور پھر مجھ سے سوال کئے Islam related اور دوسرے type کے میں نے پورے جذبے کے ساتھ ان کا جواب دیا۔ اور پھر انھوں نے مجھے جانے کو کہا۔ اس کے بعد ہم گھر آ گئے۔ اب دھیرے دھیرے ہم اپنے Select ہونے کا wait کر رہے تھے کہ ایک دن ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک فون آیا کہ ہم Bridge Course سے بول رہے ہیں فرحانہ پروین کا نام آ گیا ہے۔ ۲۶/ اگست کو لے کر آ جاؤ داخلہ کے لیے۔

۲۷/ اگست کو ہم پورے ساز و سامان کے ساتھ علی گڑھ پہنچے اور ہم نے Admission کے لیے فارم لیا اور پُر کیا۔ اور ہم نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ اور اب ہمیں ہاسٹل کی Problem تھی کہ ہاسٹل کیسے ملے۔ پھر بہت محنت کے بعد ہمیں RCA ہاسٹل ملا۔ یہ اچھی بات تھی کہ یہ ہاسٹل ہمارے برج کورس کے بس کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ ہم اپنے روم میں گئے اور اس کے بعد ہم نے اپنا سامان رکھا اور میں بہت خوش تھی کیونکہ کل کالج جانا تھا۔ اسی وقت پاپا مجھے چھور کر چلے گئے۔ میں روتی رہی۔ بس پاپا نے کہا۔ بیٹا محنت سے پڑھو! اور نام روشن کرو۔ پاپا کے جانے کے بعد میں نے اپنا سامان رکھا۔ اور میری روم میٹ ایک اپی تھیں۔ انھوں نے مجھے سمجھایا کہ دیکھو جب تم کچھ کرنا یا بننا چاہو تو کچھ چیزیں چھوڑنی پڑتی ہیں۔ لیکن کچھ دنوں تک میرا دل نہیں لگا تھا۔ اور گھر کے کھانے کی بہت یاد آ رہی تھی۔ اور کھانا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے اس کی بھی عادت پڑ گئی۔ کیونکہ

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بالِ پر روح الامیں پیدا

برج کورس میں میرا پہلا دن:

اب صرف مجھے صبح کا انتظار تھا کہ کل کالج جانا ہے۔رات بھر نیند نہیں آئی۔اور میں اس رات اپنی ساتھیوں کے ساتھ اپنا دل لگا رہی تھی اور میں صبح میں جلدی اٹھی۔اور نماز قرآن کی تلاوت کے بعد جلدی جلدی تیار ہوگئی اور سب لڑکیوں کے ساتھ کالج پہنچی۔کیا دیکھتی ہوں اس تعلیم میں اور میری تعلیم میں بہت فرق تھا۔کیونکہ یہاں میں Boys کے ساتھ پڑھتی۔جب میں اندر داخل ہوئی۔تو احمد صاحب نے کہا۔ اپنا رول نمبر دیکھ کر Class میں جانا۔اور ہم دبے دبے قدم سے Class کے باہر رول نمبر دیکھ کر اندر داخل ہوئے۔تو اندر ایک teacher پڑھا رہے تھے۔اور Class دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک Side لڑکے تھے اور ایک Side لڑکیاں تھیں۔مجھے گھبراہٹ ہورہی تھی۔ اور میں اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پھر Sir نے اپنا Introduction کرایا۔ان کا نام Ajaz تھا اور انھوں نے بتایا کہ وہ ہمیں English پڑھائیں گے۔ایسا انھوں نے بولا۔اور ان کی شرط تھی کہ کوئی میری کلاس میں اردو نہیں بولے گا۔ Total English میں بات ہوگی۔ اس کے بعد انھوں نے سب کا Introduction لیا۔میں نے بھی ڈرتے ڈرتے English میں اپنا Introduction دیا۔اور میری انگریزی میں کافی غلطیاں تھیں۔لیکن Sir نے کہا good اور اس جملے نے میرا اور حوصلہ بڑھایا اور کرنے اور سیکھنے کی ہمت دی۔اس پہلی کلاس کے بعد اور دوسری تیسری کلاس ہوئی۔ جو مجھے بہت اچھی لگی۔اور میں نے کافی کچھ سیکھا۔

شام کی کلاسز

کچھ دنوں تک کلاسیں Bridge Course بلڈنگ میں ہورہی تھیں۔اس کے بعد RCA Department میں ہونے لگیں۔وہاں تو منظر خوف زدہ کردینے والا۔ کمپیوٹر اور Science کی کلاس Screen پر ہورہی تھیں۔اور Total language انگریزی تھی۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ میں کچھ نہیں کر پاؤنگی۔کیونکہ میں Science سے ناواقف تھی۔پہلی پہلی مرتبہ تو سر سے گزرتا گیا۔لیکن میں نے ہمت نہ ہاری۔کیونکہ ڈاکٹری کا سپنا لے کر علی گڑھ آئی تھی۔اور سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔آہستہ آہستہ سب کچھ سمجھ آنے لگا۔

اس کے بعد ہماری کلاس اسی طرح ایک مہینہ چلتی رہی۔ پھراس کے بعد Maths اور Sociology, Economics, Political Science, History, Geography کی Classes شام تک ہونے لگیں۔ اور آہستہ آہستہ سب سمجھ میں آنے لگا۔ اور جب سال پورا ہوا اس کے بعد ایک Special Teacher ہمارے لیے رکھا گیا۔ وہ ہمارے فارم کو Fill کرتا اور جو غلطی ہوتی اسے ٹھیک کرتا اور اس کے بعد ہمارے فارم B.S.W., B.A. B.A. LL.B. میں بھر دیئے۔ اس کے بعد ہم طلبہ کے Final Exam ۱۹/ مارچ سے شروع ہوئے۔ تیاری زور وشور کی چل رہی ہے۔ اور وقت کی قلت کے سبب میں آپکی خدمت میں اپنے برج کورس کے سفر کو زیادہ طول نہ دے سکی۔ کیونکہ ہمارے پاس وقت کم ہے اور پڑھائی زیادہ ہے۔ اس لیے امید ہے کہ ہمارا سفر ایک کامیاب سفر ہوگا اور اس کے بعد ہم اپنے سفر کو مکمل کر کے اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔ اور انشاء اللہ میں اپنے والدین اور اپنے Teachers کی امید پر کھری اتروں گی اور ایک کامیاب انسان بنوں گی۔ اور ایک مثالی لڑکی بن کر ان کے سامنے سب پر چھا جاؤنگی۔ جیسا کہ میں اپنے والدین اور اساتذہ کی نظروں پر چھائی ہوئی ہوں۔ اور مثال بننا چاہتی ہوں ان لڑکیوں کے لیے جو میری طرح Madarsa Background سے آئی ہیں۔ ان کے لیے ایک راہ کھلے گی۔ اور سخت محنت کرونگی اور انشاء اللہ کامیابی میرے قدم چومے گی۔ ہمارے ڈائریکٹر صاحب اور ان کی اہلیہ اور تمام اساتذہ کرام تمام عزیز و اقارب اور میرے والدین کی دعائیں میرے ساتھ ہیں۔

اس طویل سفر میں ہم نے بہت کچھ سیکھا اور جانا کہ زندگی کیا ہے۔ اور اسے کامیاب بنانے میں تعلیم کی کیا اہمیت ہے؟ اور اپنے مسالک اور مذاہب کو جانا۔ نئے نئے لوگوں سے ملاقات کی۔ اور آخر میں جب برج کورس سے جدائی کی گھڑی آئی تو دل غمزدہ ہے۔ آنکھیں اشک بار ہیں۔ اس سفر میں ہمیں بہت پیار اور اپنایت ملی اور ایک احساس جو اپنوں میں ہوتا ہے وہ ہمیں ملا۔ لیکن کچھ کرنے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ اس لیے ہم بھی اپنے دل میں نئے نئے جذبات کو لے کر اپنی منزل کی طرف جا رہے ہیں۔ اور اس Bridge پر سے اتر کر نئے Modern Education میں جائیں گے۔ ہماری کامیابی کا مرکز یہی Bridge Course ہے۔

اجمل حسین

اکیسویں صدی کی مسلم دنیا علمی پسماندگی ، سیاسی عدم استقلال، معاشی زبوں حالی اور سماجی اختلاف وانتشار کے جن ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔اس قوم کے اندرون میں خانہ خرابی اور فتنہ پردازی کی دیمک نے اسی وقت اپنا کام کرنا شروع کردیا تھا جب یہ قوم مرکزیت اور اجتماعیت سے محروم ہوگئی تھی۔ اموی اور عباسی دور کے نظام خلافت کے تضاد نے اس قوم کے متحد شیرازے کو منتشر کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔اولاً استحقاق خلافت کے دعوے نے انھیں مختلف جماعتوں اور گروہوں میں منقسم کردیا پھر وارث رسول ہونے کے دعوے کی حیثیت سے ان جماعتوں کی باہمی کشمکش نے عصبیت اور گروہی انانیت کو پروان چڑھایا۔لیکن اگر مسلم تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجائیگی کہ ان تمام تر اختلاف وانتشار کے باوجود بھی وحی ربانی کے حاملین کے اس قافلے میں خال خال ایسے لوگ موجود تھے جنہیں ان تمام نزاعات سے کوئی واسطہ نہ تھا وہ بحیثیت فرد امت محمدیہ قرآنی احکامات پرعمل آوری اور فرمودات نبویہ کی پاسداری کو اپنے لیے دنیا وآخرت کی فوز وفلاح کا ضامن سمجھتے تھے۔

مذہبی اور قومی فلاح وبہبود کے جذبے سے سرشار یہ مختصر جماعت پوری امت کی ڈوبتی کشتی کے لیے پتوار کا کام کرتی رہی لیکن جلد ہی اس کے اندرونی مسلکی وفقہی اختلافات نے اتنا گہرا شگاف ڈال دیا کہ اس سفینہ محمدی کے بچانے کی تمام تر مساعی ناکام ہوگئیں۔اور نتیجہ کے طور پر اس کرہ ارض پر ان کی ذلت ونکبت نے انہیں سر اٹھا کر جینے سے محروم کردیا۔ان کی عدم موجودگی میں عالمی قیادت ایک طرح کی بے سمتی کا شکار ہوگئی اور جلد ہی دیگر اقوام عالم کو اس بے سمتی کا اندازہ ہوگیا لیکن صورتِ حال کی پیچیدگی اصلاح حال کی راہ میں مخل ہوگئی اور پوری کائنات انسانی ایک طرح کے ذہنی اضطراب اور معاشی زبوں حالی کے گرداب میں گرفتار ہوگئی۔

آج اگر ہم امتِ مسلمہ کے ازمنہ وسطیٰ اور دورِ جدید کو موازنے کی میزان پر رکھیں تو یہ یقین نہیں ہوگا کہ اتنی مختصر سی مدت میں پوری کی پوری قوم اس قدر مفلوج ہوگئی ہے کہ اس کے علاج کی تمام تر کوششیں وتدابیر معدوم وناپید ہوگئیں تھیں۔ اس اندوہناک صورت حال سے زیادہ کرب کی بات یہ ہے کہ امت مسلمہ جو دنیا کی وہ واحد جماعت ہے جسے ماضی، حال اور مستقبل کا کافی علم دیا گیا وہ اپنے ماضی سے کٹی ہوئی، حال سے غافل اور مستقبل سے بے پرواہ ہے۔ساتویں صدی عیسوی میں پہلی بار ایسا ہوا کہ اسلام کے ذریعہ وہ انقلاب آیا جس نے شرک کو مغلوب کرکے توحید کو غالب فکر بنادیا۔ یہ انقلاب اولاً عرب میں آیا۔ اسی کے بعد وہ ایشیا وافریقہ میں سفر کرتا ہوا یورپ میں داخل ہوگیا

اور پھر وہ اٹلانٹک پار کرکے امریکہ تک جا پہنچا۔ مسلم دنیا میں یہ انقلاب مذہب کے تحت آیا تھا، مغربی دنیا نے اپنے حالات کے زیر اثر، اس میں یہ فرق کیا کہ اس کو مذہب سے الگ کرکے ایک سیکولر (Secular) علم کے طور پر ترقی دینا شروع کیا اور پھر اس کو موجودہ انتہا تک پہنچایا۔

تاہم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود عربوں (مسلمانوں) کے اندر یہ ذہن کیسے پیدا ہوا۔ جب کہ وہ خود بھی پہلے اسی عام پسماندگی کی حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ جس میں ساری دنیا کے لوگ مبتلا تھے۔ اس کا جواب صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ توحید کا عقیدہ ان کے لیے اس ذہنی اور عملی انقلاب کا سبب بنا۔ دوسری قوموں کے پاس شرک تھا، وہ جمود و تعطل کے شکار تھے، اور عربوں کے پاس (اسلام کے بعد) توحید۔ اسی فرق نے دونوں کی تاریخ میں یہ فرق پیدا کردیا کہ ایک تاریخ کا معمول بنا رہا، دوسرا تاریخ کا عامل بن گیا۔ فطری امکانات کے باوجود، چاند تک پہنچنے میں اس تاخیر کا سبب کیا تھا۔ یہ سبب شرک تھا۔ یعنی مخلوق کو معبود سمجھ کر اس کی پرستش کرنا۔ قدیم زمانہ میں ساری دنیا میں شرک کا عقیدہ چھایا ہوا تھا۔ انسان، دوسری چیزوں کی طرح چاند کو اپنا معبود سمجھتا تھا۔ روشن چاند کو دیکھ کر آدمی کے ذہن میں اس کے آگے جھکنے کا خیال پیدا ہوتا تھا نہ کہ اس کو فتح کرنے کا۔ چاند کو مقدس سمجھ لینا اس میں رکاوٹ بن گیا کہ آدمی چاند کو مسخر کرنے کی بات سوچ سکے۔

اسلام اور اہلِ اسلام کی درخشاں تاریخ سے کون واقف نہیں، صدیوں پر محیط ان کا دورِ عروج آج کے مغرب کی بلندیوں کی بنیاد اور اساس ہے۔ درحقیقت ان کی سربلندیوں کا راز ''وانتم الاعلون ان کنتم مومنین''، میں مضمر تھا۔ تسخیر کائنات کے قرآنی فرمودات و ارشادات پر عمل آوری، مسلسل جدوجہد اور کدوکاوش نے نھیں اس بلند مقام پر پہنچایا تھا۔ عدل و انصاف کا حکم الٰہی اور فرمودات نبوی ان کے لیے مشعل راہ تھیں۔ اہل اسلام جب تک ان اختراعاتی ڈگر پر قائم رہے، کامیابیوں اور سربلندیوں نے ان کی قدم بوسی کی، لیکن جب سے ان کے اندر جمود و تعطل آیا اختر

اعاتی جذبات ماند پڑتے گئے، اسی وجہ سے وہ عروج سے زوال کی طرف گرتے چلے گئے۔ جب سے ان کی درس گاہوں میں قدماء کی کتب پر حاشیہ نویسی کا خیال پروان چڑھا، دینی و دنیوی تعلیم میں تفریق کی جانے لگی تو ان کے زوال کی ابتداء ہوگئی۔ ان کی وہ درس گاہیں جو بہ یک وقت بلا تفریق قرآن، فقہ، حدیث، فلکیات، نفسیات، طب اور ریاضیات کے ماہرین پیدا کرتی تھیں، وہی تسخیر کائنات کی روح مفقود ہوتی گئی اور اس کی جگہ علوم کی تقسیم دینی و دنیوی عمل میں آئی اور موجودہ درس گاہیں سلف کی کتابوں پر حاشیہ آرائی کا کارخانہ بن گئیں۔ غیروں نے ان کے علوم وفنون سے فیض یاب ہوکر علوم ومعارف کے خزانے سمیٹ لیے اور ان کے جمود وتعطل وتفرقہ بازی کا فائدہ اٹھا کر انھیں جہالت کے عمیق غار میں ڈھکیل دیا۔ آج وہی امت حیران اور ناواقف راہ بھٹک رہی ہے۔ اور دنیا کی تاریکیوں سے روشنی کی بھیک مانگ رہی ہے۔ چودہ صدیوں بعد آثار قیامت کے ظاہر ہونے کی رفتار تیز ہوتے ہوئے محسوس ہوتی ہے گویا کوئی ہار ٹوٹ جائے اور یکے بعد دیگرے دانے گرنے لگیں۔ ان حالات کا تقاضا تھا کہ قرآن وقول رسول کی روشنی میں امت کی صورت حال کا گہرائی سے جائزہ لیا جاتا، موجودہ حالات کی تبدیلی کو صحیح زاویہ سے دیکھا جاتا اور آئندہ کے لیے خطوط کار کی نشاندہی کی جاتی تاکہ یہ امت اپنے فرض منصبی کو کماحقہ سرانجام دے کر پوری انسانیت کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔

فرائض منصبی کی ادائیگی سعی پیہم اور فولادی عزم وحوصلے کے ساتھ ساتھ ایثار وخلوص اور باہمی افہام وتفہیم کی متقاضی ہے۔ موجودہ صورت حال کے پیش نظر سب سے پہلے ہمیں اپنے اندرون خانہ اصلاح کرنی ہوگی اور غیر قرآنی، غیر اسلامی، غیر عقلی اور غیر اخلاقی طرز عمل کا جائزہ لینا ہوگا ساتھ ہی ساتھ غور وفکر کا قبلہ تبدیل کرنا ہوگا۔ ظاہر سی بات ہے کہ اس کے لیے ہمیں اپنی انانیت اور فرسودہ روایات سے دست بردار ہونا ہوگا تبھی اس جیسے کسی اقدام کا ڈول ڈالا جاسکتا ہے بصورت دیگر صورت حال کی مزید پیچیدگی اور تباہی وبربادی کے نئے سیلاب سے بچنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ اور ہمیں اپنے عظیم الشان ماضی پر ایک سرسری نظر ڈالنی ہوگی اور اس مہم کی کمان وحی ربانی کے سپرد کرنی ہوگی۔

روایتی طرز فکر کو چھوڑ کر کے اکتشافی ذہن اور تنقیدی فکر ونظر کو اپنانا ہوگا۔ تبھی اس طرح کے اقدامات ہماری عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے کافی حد تک کارگر ثابت ہو سکتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کا وہ پر آشوب دور جو انگریزوں کے خلاف باقاعدہ جنگ کا اعلان تھا لیکن اس میں ہندوستانیوں کی ناکامی نے انگریزوں کے حوصلے اور بڑھا دیئے اور انھوں نے سارا الزام مسلمانوں کے سر تھوپ دیا اور پھر مسلمانوں پر وہ مظالم ڈھائے گئے کہ ان کی آبادی ویران ہوگئی اور ایک طرفہ ظلم کے نتیجے میں مسلمان انحطاط و پستی کے غار میں گرتے چلے گئے ان ناگفتہ بہ حالات نے کچھ ایسی تاریخ ساز ہستیوں کو جنم دیا جنھوں نے مسلم قوم کی ڈوبتی کشتی کے لیے ناخدائی کا فریضہ انجام دیا۔ انھیں تاریخ ساز ہستیوں میں سے ایک عظیم الشان شخصیت سرسید احمد خاں کی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد جو مظالم مسلمانوں پر ڈھائے گئے انھیں دیکھ کر وہ خون کے آنسو رونے پر مجبور ہوگئے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ماضی کا وہ تابناک دور تھا جب یہی مسلمان جو آج در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ کبھی دنیا پر حکومت کرتے تھے۔ بہر حال اس واقعہ وحادثہ نے ان کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ انھوں نے غدر کے تمام عوامل کا مشاہدہ کیا اور ۱۸۵۹ء میں اسباب بغاوت ہند لکھی۔

اس کے بعد سرسید احمد خاں نے اپنے آپ کو قوم کے لیے وقف کر دیا اور مسلمانوں کو قعر مذلت سے نکالنا اپنی زندگی کا مقصد متعین کر لیا پھر اس مقصد کے حصول کے لیے تعلیم کو سب سے اہم ذریعہ بنایا۔ کیونکہ انھوں نے یہ محسوس کیا تھا کہ ماضی میں دینی وعصری علوم کی تفریق نہ ہونے کی بنا پر امت مسلمہ ہر اعتبار سے بلند تھی اور جب سے امت مسلمہ کے ذہن میں اس چیز کی تفریق داخل ہوگئی ان کے زوال کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ رفتہ رفتہ وہ قعر مذلت میں جا پڑی۔ اگر آج بھی امت مسلمہ ماضی کے تجربہ سے فائدہ اٹھا کر علوم ومعارف میں اختراعی ذہن وصلاحیت پیدا کرتی ہے تو کامیابی ان کے قدم چومنے پر مجبور ہو جائیگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید کے اندر ارشاد فرمایا ہے کہ ''وأن ليس للانسان الا ما سعى ''اسی لیے انھوں نے تعلیم کو سب سے اہم ذریعہ بنایا چونکہ کسی بھی قوم کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے تعلیم سب سے اہم
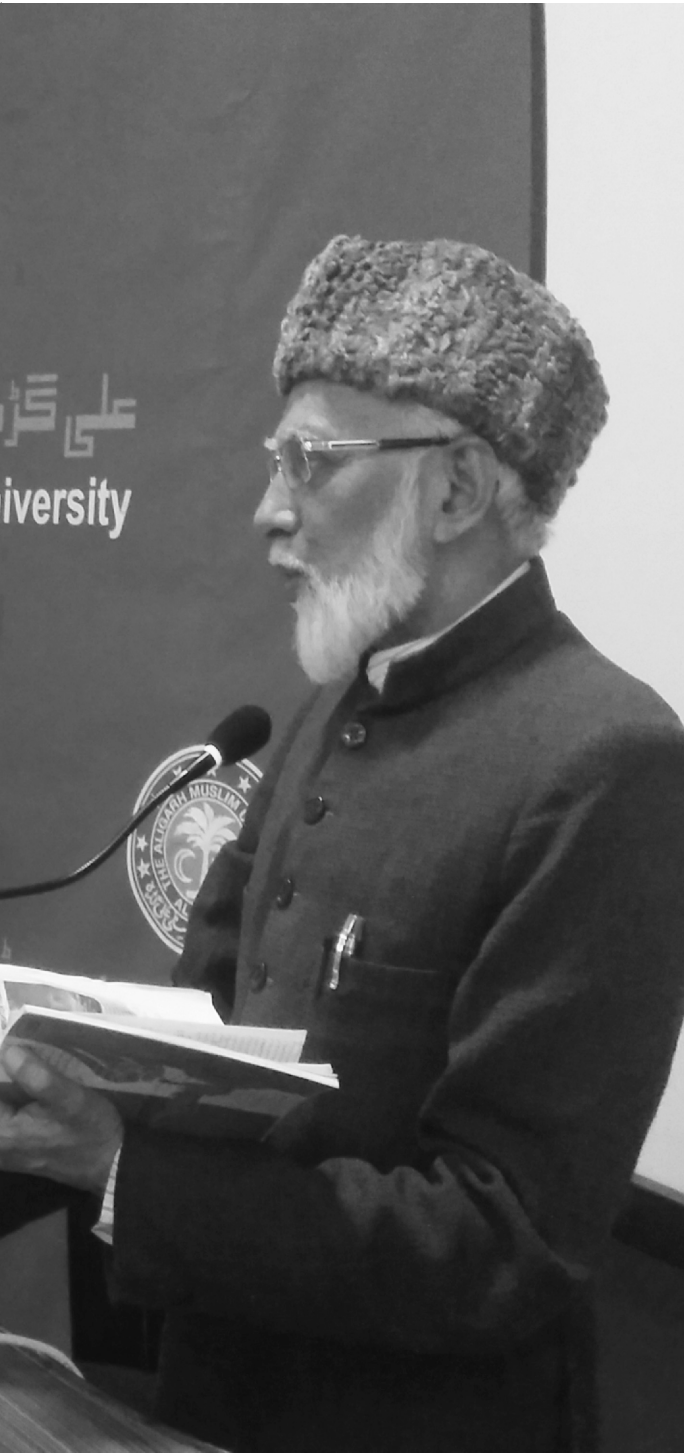
ذریعہ ہے۔قومی تعلیم اور قومی عزت ہم کو اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ یہ اپنی تعلیم کی ذمہ داری خود اپنے ہاتھ میں نہ لے لیں۔ کیونکہ گورنمنٹ کی قدرت سے باہر ہے کہ وہ ہمارے تمام مقاصد کی تکمیل کر سکے اور ہمارے لیے ہر قسم کے وسائل و ذرائع فراہم کر سکے۔جس طرح سے مغرب میں جب جدید علوم وفنون کی اشاعت کی تحریک نے مشرق ومغرب میں ہلچل پیدا کردی تھی اور سیاسی،تعلیمی اور معاشی زبوں حالی بتدریج ختم ہونے لگی تھی تو اس وجہ سے سر سید احمد خاں مغربی تعلیم کے مداح ہو گئے تھے اور وہ اس کو نسخۂ شفا سمجھ کر اپنے ہم مذہبوں میں عام کرنا چاہتے تھے جس کی وجہ سے انہیں مختلف طرح کی مخالفت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔لیکن وہ دینی ومذہبی تعلیم کے بالکل ہی مخالف نہیں تھے بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان کے ایک ہاتھ میں سائنسی علوم ہوں تو دوسرے ہاتھ میں مذہبی علوم اور پیشانی پر کلمۂ طیبہ کا تاج ہوں۔ان کی تفسیر قرآن کی تالیف بھی اسی منصوبے کا ایک اہم حصہ تھا اور اس تفسیر کے ذریعہ سے یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ قرآن مجید علوم جدیدہ کا بالکل مخالف نہیں ہے اور اس کے بیانات فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔

سر سید احمد خاں عربی وفارسی، اردو، انگریزی، جرمن، فرنچ ودیگر زبانیں اور ساتھ ہی ساتھ سائنس وٹکنالوجی سکھانے کے بھی داعی تھے بلکہ وہ دینی وعصری علوم کے امتزاج کے قائل تھے۔البتہ عصر حاضر میں ترقی کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے انگریزی کی تعلیم کو ضروری قرار دیتے تھے۔ان ہی تمام خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے انھوں نے ۱۸۷۵ء میں مدرستہ العلوم کی بنیاد ڈالی۔لیکن مدرستہ العلوم کے قیام سے قبل مسلمانان ہند کے لیے انھوں نے مختلف النوع جدوجہد وکاوش کی تھی، ان میں سے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، سائنٹفک سوسائٹی کا قیام اور تہذیب الاخلاق کا اجراء ہے اور یہ سب کچھ مسلمانان ہند کے عروج وترقی اور استحکام کے لیے کی جانے والی مدبرانہ ومخلصانہ کوششیں تھیں۔ ان کی محنت ومشقت سے مدرستہ العلوم محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (M.A.O.) میں تبدیل ہو گیا۔اور انھوں نے علمی، سیاسی، سماجی، تہذیبی وتمدنی اور تعلیمی گویا کہ تمام شعبۂ ہائے زندگی میں اپنے

روشن اور تابناک اصلاحی کارناموں کے بے مثال نقوش وآثار چھوڑ کر تمام فرزندان وطن بالخصوص مسلمانان ہند کو حیات آفریں پیغام سے روشناس کرایا۔

سرسید احمد خاں نے مسلمانان ہند کی ترقی کا جو خواب دیکھا تھا اور جس مقصد کے تحت مدرستہ العلوم کا قیام کیا تھا اس سے خصوصاً مدارس کے طلبا وطالبات کو فیضیاب ہونے کا موقع بہت کم ملا یا اگر ملا بھی تو بہت طول وطویل تھا۔ چونکہ مدارس کے طلبا وطالبات کو مدارس میں ایک لمبا عرصہ صرف کرنے کے بعد یونیورسٹی کی طرف رخ کرنے سے انھیں ازسرنو اپنی تنظیم کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ جس کی وجہ سے عمر کا ایک اچھا خاصا وقت لگ جاتا تھا اور کوئی ایسا طریقہ نہیں تھا کہ جسے اختیار کر کے قابل قبول وموزوں عصری تعلیم ایک قلیل مدت میں حاصل کی جا سکے۔ لہٰذا اسی کے پیش نظر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے موجودہ وائس چانسلر جنرل ضمیر الدین شاہ صاحب نے ۲۰۱۳ء میں ایک ایسے کورس کا آغاز کیا کہ جس کے ذریعہ سے مدارس کے طلبا وطالبات ایک قلیل مدت میں عصری علوم پر عبور حاصل کر سکتے ہیں۔ جس کا نام ہے ''برج کورس''۔ اور اس کورس میں داخلہ لینے کے اہل صرف اور صرف مدارس کے فارغ شدہ طلبا وطالبات ہی ہو سکتے ہیں۔ عموماً مدارس سے فراغت کے بعد عام طور سے انھیں سوشل سائنس اور قانون کے شعبوں میں داخلے نہیں ملتے تھے لیکن اس کورس کی تکمیل کے بعد طلباء اس کے لیے اہل ہوسکیں گے کہ وہ آرٹس، سوشل سائنس اور قانون کے شعبوں میں داخلہ لے سکیں۔ اور اب ایک سالہ برج کورس کو نہایت ہی تندہی اور لگن کے ساتھ یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد دو سالہ کرنے کی منصوبہ بندی میں مصروف ہیں تا کہ اس کورس کی تکمیل کے بعد طلباء میڈیکل، انجینئرنگ اور سائنس کے شعبوں میں بھی داخلہ کے اہل ہوسکیں۔

مسلمانان ہند کی تعلیمی پسماندگی، معاشی زبوں حالی، سیاسی عدم استقلال اور سماجی اختلاف وانتشار کو پیش نظر رکھتے ہوئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا یہ قدم قابل تعریف ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی جتنی بھی ستائش وتعریف کی جائے کم ہے۔ برج کورس کا قیام اپنے آپ میں ایک انقلابی اور اصلاحی اقدام کی حیثیت رکھتا ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے طلباء کا ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہو جانا

اور باہمی افہام وتفہیم کی ایک روایت قائم کرنا اس کورس کی شان ہے۔تعلیمی سال ۱۴-۲۰۱۳ء میں جب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ضمیرالدین شاہ صاحب نے برج کورس کے قیام کا اعلان کیا تھا تو اس وقت یونیورسٹی کے بعض حلقوں سے شیخ الجامعہ کے اس قدم کو غیر ضروری قرار دیا گیا تھا اور اس طرح کے اقدام کی بھرپور مخالفت کی گئی تھی۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک سالہ برج کورس کا آغاز اس غرض کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کیا گیا ہے کہ امتِ مسلمہ اپنی وقار وعزت کھوچکی ہے اور مسلمان جمود وتعطل کے شکار ہوچکے ہیں، ذہن بالکل محدود ہونے لگا ہے جس کی وجہ سے مسلکی، فروعی، فقہی، اختلافات وانتشار کے شکار ہونے لگے ہیں۔اور مختلف قسم کے فرقوں میں منقسم ہوگئے ہیں اور اس طرح کی صورتِ حال اسی وقت پیدا ہوتی جب ہم نے قرآن وسنت رسول کو بالائے طاق رکھ کر خود ساختہ قصوں اور کہانیوں کو تقدس کا درجہ دے دیا اور ان تمام چیزوں کو اپنے افکار ونظریات کا جزولاینفک قرار دے ڈالا۔ مسلکی انانیت اور فقہی نزاعات واختلافات نے ہم کو اصل اسلام سے دور کردیا اور نتیجہ کے طور پر ذلت وضلالت، نکبت وافلاس ہمارا مقدر بن گئی۔ برج کورس کا مقصد ایک طرف جہاں ان تمام مسائل کا حل تلاش کرنا ہے وہیں دوسری طرف امتِ مسلمہ کے منتشر شیرازے کو ایک بار پھر سے متحد کرنا ہے۔امت مسلمہ کے مختلف متحارب گروہوں کے درمیان امن آشتی اور آپسی اخوت وبھائی چارے کو فروغ دینا ہے۔ چونکہ برج کورس کی بنا ہی اسی بنیادی مقصد کے تحت ڈالی گئی تھی کہ امت مسلمہ کے مابین جو گیپ وخلیج ہے اس کا خاتمہ کیا جاسکے اور اس گیپ کو پر کیا جاسکے۔سرسید احمد خاں نے بھی اس یونیورسٹی کا قیام اسی مقصد کے لیے کیا تھا اور برج کورس کا ذریعۂ تعلیم انگلش ہے کیونکہ سرسید احمد خاں عصری علوم وفنون پر عبور حاصل کرنے کے لیے انگلش کی تعلیم کو ضروری قرار دیتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کورس میں سماجیات، سیاسیات، ریاضیات معاشیات، سائنس وٹکنالوجی، انفارمیشن اور کمپیوٹر کی بھی بنیادی تعلیم دی جاتی ہے گویا کہ یہ سرسید کی خوابوں کی تعبیر ہے۔

طلباء کو اپنا ماضی الضمیر ادا کرنے کے قابل بنانے انھیں تقریری وتحریری میدان میں اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لیے ایک پروگرام (La Madraza Literary and Cultural Society) کا قیام کیا گیا ہے۔اور طلباء کو غائر مطالعہ کے طرف راغب کرنے اور تحقیقات کی گہرائی تک پہنچنے کے لیے ایک خوش آئند صحت مند مختلف النوع مسائل پر بحث ومباحثہ کے لیے (Inter-faith and Intra-faith,Debate and Discussion Session) کا انعقاد کیا جاتا ہے۔جس کے ذریعہ سے طلباء کا ذہن وسیع وکشادہ ہوتا ہے اور تحقیقی جذبہ پیدا ہوتا ہے اور تنقیدی افکار وخیالات پروان چڑھتے ہیں۔اس سیشن میں طلباء بغیر کسی قیدوبند اور بندش کے اپنے جذبات وخیالات اور نقطۂ نظر کو منظر عام پر رکھ سکتے ہیں۔ نیز دوسرے کے خیال ونظریات کا بھی مدلل طریقے سے رد کرنے کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔

برج کورس سے اب تک تین بیچ کے طلباء کی فراغت عمل میں آچکی ہے۔ اس کورس کے طلباء اندرون ملک کی مختلف جامعات واداروں میں بہترین تعلیمی مظاہرے کی بنیاد پر زیر تعلیم ہیں۔ان کی علمی استعداد وقابلیت اور چیزوں کو سمجھنے کی صلاحیت کی بھی صورت دیگر طلباء سے کم نہیں ہے۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی، اردو، عربی، سیاسیات ومعاشیات وغیرہ میں موجود طلباء کی لیاقت وقابلیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا

ہے کہ انھوں نے اپنے شعبہ میں دیگر ذریعۂ تعلیم سے آئے ہوئے طلباء سے بہترین مظاہرہ کیا ہے۔ دوسال کے اس تجربے نے برج کورس کے قیام کو درستِ ٹھہرایا ہے اور یونیورسٹی کے بعض حلقوں سے اٹھ رہی آوازیں اب پوری طرح سے خاموش ہوگئی ہیں اور اس کورس کے مداح دن بدن بڑھ رہے ہیں۔ طلباء کا تعلیمی مظاہرہ نصابی سرگرمیوں اور اضافی نصابی سرگرمیوں پر مشتمل ہے۔ مختلف تہذیبی وثقافتی پروگراموں میں ان کی شرکت عام ہے۔ یونیورسٹی کے اس تعلیمی ماحول میں برج کورس کے روشن خیال طلباء کی موجودگی یہاں کی فضاء کو مزید خوش گوار ثابت کرنے میں مدد ہورہی ہے۔

میرا نام اجمل حسین بن محمد طاہر ہے۔ میرا تعلق ضلع پورنیہ صوبہ بہار کے ایک چھوٹے سے گاؤں ضیا گاچھی سے ہے۔ اللہ تعالی کے فضل وکرم سے میں ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہوا۔ اور میرا جنم جس ماحول میں ہوا تھا اس میں تعلیم یافتہ لوگ بہت کم تھے۔ درس وتدریس سے گنے چنے لوگوں کے علاوہ کسی کا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اللہ نے میرے دل ودماغ میں اس بات کو ڈالا کہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کروں گا اور ایک دن اس سماج کی جہالت ونادانی، معاشی زبوں حالی کا خاتمہ کروں گا اور علمی ماحول قائم کروں گا کیونکہ تعلیم ہی کے ذریعہ سے کوئی قوم ترقی کرسکتی ہے۔ اس کے بعد دوسرے دن میں نے والد محترم سے حصول تعلیم کی خواہش کا اظہار کیا تو والد صاحب اس بات کو سن کر متحیر ہوئے اور کیوں نہ ہوں کیوں کہ انھیں اس بات کا اندازہ تھا کہ آدمی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کیا کرسکتا ہے۔

دراصل میرے والد صاحب مدرسہ میں زیر تعلیم تھے لیکن گھر کی ذمہ داریوں کی وجہ سے انھیں تعلیم سے قطع تعلق کرنا پڑا تھا جس کی وجہ سے ہر میدان میں پیچھے رہ گئے۔ چونکہ موجودہ دور میں سماجی بیداری کا کام کرنے کے لیے قابلیت ولیاقت کے ساتھ ساتھ معاشی حالت کا بہتر ہونا بھی بے حد ضروری ہے۔ اسی لیے والد محترم میرے اس فیصلے سے بے حد خوش ہوئے اور مجھے ایک نظامیہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اس طرح سے میری تعلیم کا آغاز مدرسہ سے ہوا۔

جب میں گھر کے آس پاس کے مدرسہ میں زیر تعلیم تھا تو اسی دوران میرے ذہن میں یہ احساس وخیال پیدا ہوا کہ میں گھر کے پاس رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کرسکتا چنانچہ میں نے اتر پردیش کا رخ کیا اور اس اسٹیٹ کے ضلع جونپور کے ایک مدرسہ ''مدرسہ چشمۂ حیات'' میں داخلہ لے لیا جو کہ جامعہ سلفیہ بنارس سے ملحق تھا۔ جونپور آنے سے پہلے میں سلفیہ کے بارے میں سن چکا تھا کہ اس میں داخلہ لینا بہت مشکل ہوتا ہے اور اس کے لیے خوب محنت ومشقت کرنا پڑتا ہے تو میں نے حوصلہ رکھا کہ اگر اللہ نے چاہا تو انشاءاللہ سلفیہ میں پڑھنے کا موقع ملے گا۔ لیکن جونپور میں حصول تعلیم کے دوران موجودہ دور کو دیکھتے ہوئے میری خیالات بدل گئے اور ڈاکٹر وانجینئر بننے کا شوق پیدا ہوا اور اس شوق کو پورا کرنے کی خواہش سے مدرسہ سے میں راہ فرار اختیار کر کے گھر جا پہنچا اور اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کی پر والد صاحب میرے اس نازیبا حرکت سے ناراض وغصہ ہوگئے لیکن کچھ دنوں بعد میں نے والد صاحب کو راضی کرلیا اور اسکول میں داخلہ لے لیا۔ اللہ کے فضل وکرم سے میں نے جونپور کے اس مدرسہ میں جو کہ جامعہ سلفیہ سے ملحق تھا تعلیم مکمل کرنے کے بعد فائنل امتحان جامعہ سلفیہ میں دیا اور اس میں پاس ہوگیا پھر مجھے جامعہ سلفیہ میں حصول تعلیم کا موقع مل گیا۔ اس وقت مجھے ایسا محسوس ہوا جیسا کہ منزل کی طرف یہی میرا پہلا قدم ہے۔

جب میں سال ۲۰۱۳ء میں عالمیت مکمل کرنے کے بعد رمضان کی چھٹی میں گھر گیا تو اس وقت میرے والد صاحب کی طبیعت ناساز تھی اور گھر میں معاشی زبوں حالی بھی تھی اسی وجہ سے والد صاحب نے مجھ سے کہا کہ عالمیت مکمل ہوچکی اور اب تعلیمی سلسلہ منقطع کردو تو اس وقت مجھے ایسا لگا جیسے کہ مجھ پر بجلی گرگئی۔ تو میں نے کہا کہ ایک وقت بھوکے رہنے پر اکتفا کرلیں لیکن براہ کرم میرا تعلیمی سلسلہ منقطع نہ کریں، میں چند سال اور تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

ابھی میں فضیلت سال اوّل ہی میں تھا کہ میرے ایک دوست نے مجھے برج کورس کے بارے میں خبر دی کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مدارس کے بچوں (طلباء) کے لیے ایک مخصوص کورس کا افتتاح کرنے جارہی ہے جس کا نام ''برج کورس'' ہے اور یہ کورس صرف مدارس کے طلباء کے لیے ہی ہے، اس کورس کو کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ آرٹس، سوشل سائنس، اور شعبۂ قانون میں داخلہ لینے کے اہل ہوجائیں گے اور یہ کورس مدرسہ کے بچوں کے لیے بہت مفید ہے۔

جب میں نے اس خبر کو سنا تو میرے دل میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی لیکن دوسری طرف جب معاشی حالت کا خیال آجاتا تو میں مایوس ہوجاتا تھا۔ پھر بھی میں نے اس کورس کے بارے میں مزید تفصیلات معلوم کی اور اس کورس میں Apply کردیا۔ اور Entrance بھی پاس (Qualify) کرلیا۔ اس کے بعد میں نے والد صاحب سے مشورہ طلب کیا تو انھوں نے کہا کہ اس سال جانا ترک کردو کیونکہ ابھی معاشی حالت بہت نازک ہے۔ اس فیصلے کو سن کر میری آنکھوں سے نیند اڑ گئی تھی اور میں نے یہ تصور کیا کہ اب میرا علی گڑھ میں تعلیم حاصل کرنے کا خواب ادھورا رہ جائیگا او راس کشمکش میں تھا کہ ایسا سنہرا موقع ملا ہے اگر اس کو گنوادیا تو شاید پھر دوبارہ اب موقع فراہم نہ ہوسکے۔ انھیں تمام باتوں کو لے کر میں مضطرب ہوگیا اور لگ بھگ چار پانچ دنوں تک میری یہ صورت حال برقرار رہی۔

اسی اثناء میں داخلہ کا وقت ختم ہوگیا اور یکم نومبر سے کلاس شروع ہوگئی۔ جمعرات کے دن ایک صاحب سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے تعجب سے مجھ سے پوچھا کہ آپ علی گڑھ نہیں گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس سال جانا ترک کر دیا اور انشاء اللہ اگلے سال پھر کوشش کروں گا۔ تب انھوں نے مجھے سمجھایا اور علی گڑھ تک پہنچنے میں میری کافی حد تک مدد بھی کی۔ میں نے برج کورس آفس میں ۳۱ر اکتوبر کو فون کیا، چونکہ داخلہ بند ہو چکا تھا اسی لیے مجھ سے کہا گیا کہ اگر میں ار نومبر یعنی کہ دوسرے دن ہی پہنچ جاؤں تو مجھے موقع دیا جائیگا ورنہ نہیں، تو پھر کیا سوچنا تھا میں فوراً علی گڑھ کے لیے روانہ ہوگیا اور یکم نومبر کو مجھے داخلہ مل گیا۔ برج کورس میں داخلے سے قبل جس صورت حال اور کشمکش سے مجھے گزرنا پڑا اس کو میں نے اس شعر کے ذریعہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

تلاش منزل کی جستجو میں یہ حادثہ بھی عجیب دیکھا
فریب رستے میں بیٹھ جاتا ہے صورتِ اعتبار بن کر

برج کورس میں جو میں نے تجربے ومشاہدے کئے اپنے اس ایک سالہ علی گڑھ سفر کی روداد مندرج ذیل ہے۔

اللہ کے فضل وکرم سے مجھے برج کورس کے پہلے بیچ کا طالب علم ہونے کا شرف حاصل ہوا اور اس بات سے جرأت انکار نہیں کرسکتا کہ مدرسہ کے بعد برج کورس نے میری زندگی میں بہت اہم رول ادا کیا ہے۔ علوم دینیہ کے حوالے سے مدرسہ کا احسان نہیں فراموش کیا جاسکتا تو علوم عصریہ کے حوالے سے برج کورس کی خدمات کو بھلایا نہیں جاسکتا ہمختلف علوم وفنون سے آگہی نیز افکار ونظریات میں جدت وتوسیع برج کورس کے منفرد ماحول کے ذریعہ ہی ممکن ہوسکا ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا یہ قدم انشاء اللہ پوری امت مسلمہ کے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا بشرط کہ صورتِ حال کی نزاکت کے پیش نظر اس کی اہمیت وافادیت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ وسیع القلبی، وسیع المشربی، تنقیدی منہج فکری، برج کورس کے حوالے سے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ کیونکہ برج کورس ایک سال کی مختصر مدت میں مجھے

میری منزل تک نہیں پہونچا سکا البتہ اتنا ضرور کردیا ہے کہ میں اپنی آگے کی منزل خود تلاش سکوں۔ میری اب تک کی زندگی میں برج کورس کا میرا تعلیمی سفر سب سے خوش گوار تجربہ رہا ہے۔ برج کورس میں مختلف النوع علوم وفنون کے ساتھ میں نے انگلش کی تعلیم حاصل کی۔

ابتداً میں تو انگلش سے بالکل ناواقف تھا۔ انگلش کے قاعدے قانون، پڑھنا، لکھنا، بولنا وغیرہ میں بہت زیادہ کمی تھی، چنانچہ قلیل مدت میں ان سب کے بارے میں واقفیت حاصل کی، کیونکہ برج کورس کا ذریعہ تعلیم بھی انگلش ہے۔ ایسی صورت میں بغیر انگریزی زبان پر عبور حاصل کیے مزید پیش قدمی ناممکن تھی۔ اس ایک سالہ کورس میں مختلف علوم وفنون سے آگاہی ہوئی، اس کورس میں آنے سے قبل سیاست ، معاشیات، ریاضیات، سماجیات، کمپیوٹر سے بالکل ناآشنا تھا اور نہ ہی خود ان علوم وفنون کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ برج کورس سے قبل میری سوچ وطرز فکر بالکل محدود تھی تنقیدی وتحقیقی فکر ونظر کی وسعت سے محروم تھا لیکن جب اس کورس میں تعلیم حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا تو مختلف علوم وفنون سے آگاہی ہوئی اور کھل کر اپنے نقطۂ نظر کو پیش کرنے کا موقع ملا، تنقیدی وتحقیقی فکر ونظر میں وسعت پیدا ہوئی۔

چاہے کوئی بھی علم ہو سیاسیات، سائنس، ریاضیات، جغرافیہ وغیرہ ان پر اس وقت تک عبور حاصل نہیں کرسکتے ہیں جب تک ہم جمود وتعطل کے دلدل میں پھنسے رہیں گے، کیونکہ یہ ان چیزوں یعنی علوم وفنون پر عبور حاصل کرنے سے مانع ہیں۔ چنانچہ علم کی ترقی کے لیے آزادانہ تحقیق کا ماحول انتہائی طور پر ضروری ہے۔ قدیم زمانہ میں مختلف قسم کے خود ساختہ عقائد کی وجہ سے آزادانہ تحقیق کا ماحول باقی نہیں رہا تھا۔ قدیم زمانہ میں بار بار ایسا ہوا کہ ایک ذہین اور صاحب علم آدمی غور وفکر کرتے ہوئے کسی حقیقت تک پہنچا مگر جب اس نے اپنا خیال لوگوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اس کو اپنے توہماتی عقائد کے غیر موافق پاکر اس کے مخالف بلکہ دشمن بن گئے نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا فکر مزید آگے نہ بڑھ سکا۔

یونان کے فلسفی سقراط کو زبردستی زہر کا پیالہ پلا کر ہلاک کردیا گیا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ وہ ان دیوتاؤں کو نظر انداز کرتا ہے جن کو شہر ایتھنز کے لوگ پوجتے ہیں۔ وہ مذہب میں نئے نئے طریقے نکالتا ہے۔ وہ یونان کے نوجوانوں کے ذہن کو خراب کررہا ہے۔ اسی طرح سے جب گلیلیو نے زمین کی گردش کے نظریہ کی تائید کی تو روم کا کلیسا اس کا سخت دشمن ہوگیا۔ اور اس پر مذہبی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ اس کو اندیشہ ہوا کہ اس کو موت سے کوئی کم سزا نہیں دی جائے گی۔ چنانچہ اس نے فلکیاتی نظریہ سے توبہ کرلی۔

اوراس نے رومی کلیسا کی عدالت کے سامنے رجوع کا اعلان کیا۔

یہ کوئی واقعہ نہ تھا۔اس زمانہ میں مسیحی علماء کا یہی عام طریقہ تھا۔نئی حقیقتوں کی کھوج اور فطرت کے رازوں کی تلاش جس کا نام سائنس ہے، ان کو انھوں نے صدیوں تک ممنوع بنائے رکھا۔ ایسی چیزوں کو کالاعلم ، جادو، اور شیطانی تعلیم بتایا جاتا تھا۔ ان حالات میں ناممکن تھا کہ تحقیق وجستجو کا عمل مفید طور پر جاری رہ سکے۔قرون وسطیٰ میں یہ کام پہلی بار مسلمانوں کے ذریعہ شروع ہوا۔ کیونکہ قرآن کی تعلیمات نے ان کے ذہن سے وہ تمام رکاوٹیں ختم کردیں جوگلیلیو جیسے لوگوں کی راہ میں حائل تھیں۔اس کی ایک مثال نظام شمسی کی گردش کا معاملہ ہے۔اس معاملہ میں صحیح نقطۂ نظر کی حوصلہ افزائی پہلی بار اسلامی انقلاب کے بعد ہوئی اور پھر مزید ترقی کرتے ہوئے جدید دریافت تک پہنچی۔

اب اس برج کورس کے ذریعہ سے سرسید احمد خاں کے خواب کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کیونکہ سرسید یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے ایک ہاتھ میں قرآن،تو دوسرے ہاتھ میں سائنس اور پیشانی پر کلمہ طیبہ کا تاج، لہٰذا اسی خواب کے مدِّنظر، برج کورس انتظامیہ اس کوشش میں ہے کہ برج کورس میں مدارس کے طلباء کو سائنس کی بھی تعلیم دی جائے تا کہ یہی طلباء سائنسی علوم میں مہارت حاصل کر کے نئے نئے اختراعات وانکشافات کریں۔

اس کورس کے تئیں لوگوں کی تنقید اور طرح طرح کی باتیں سنیں تو میں پس وپیش کے ایک عمیق سمندر میں جا گرا تب میرے ایک موزوں دوست اور خیر خواہ نے جو اس وقت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم ہیں، مجھے اس عمیق سمندر سے نکالا اور مجھے امید کی نئی کرن دی اور اس راستے پر چلنے کے لیے مجھے آمادہ کیا اور پس وپیش کے سمندر سے نکال کر میری کشتی کو ساحل بکنار کیا۔

اوراب مجھے اس کورس پر بے حد ناز ہے کیونکہ میں بھی اس کورس کا حصہ ہوں اور جس کے خوشگوار ماحول نے میری اس طرح تربیت

کی اور مجھے اس قابل بنادیا کہ اب میری فکر ونظر میں وسعتِ پیدا ہوگئی ہے۔اس ایک سالہ برج کورس کے ذریعہ سے منزل تک تو نہیں پہنچ سکا لیکن میرے لیے اتنی راہ ہموار ہوگئی کہ میں اپنی منزل خود تلاش کرسکوں۔ اس کورس میں میں نے سب سے اہم چیز یہ پائی کہ میرے فکر ونظر میں تبدیلی آئی کیونکہ اس سے قبل میں ایک محدود دائرہ میں رہ کر سوچا کرتا تھا لیکن اب میری سوچ وفکر میں تبدیلی آئی ہے جس کی وجہ سے اب میں کسی بھی امر سے متعلق حتیٰ الامکان تحقیق وجستجو کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

اس کورس کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں مختلف فرقوں کے طلباء تعلیم حاصل کرتے ہیں اور تمام طلباء ایک چھت کے نیچے بیٹھ کر بنا کسی تنفر اور عداوت ودشمنی کے اخوت وبھائی چارے کے پیغام کو سچ ثابت کرتے ہوئے تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ اورا پنے اپنے خیالات ونظریات کو پیش کرنے کے لیے (Saturday Debate) کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں شیعہ، سنی، دیوبندی، سلفی اور اہل حدیث اپنے اپنے خیالات کو پوری آزادی کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور ہر کسی کو ان کے رد میں مدلل طریقے سے جواب دینے کا بھی حق حاصل ہوتا ہے۔موجودہ وقت میں اس طرح کے پروگرام کا ہونا بہت ضروری ہے تا کہ اس میں مختلف فرقے کے لوگ حاضر ہوں اور اختلافی مسائل کے بارے میں تبادلۂ خیال ہواور حق تک آسانی سے پہنچا جا سکے۔اس Saturday Debate کا صرف یہ مقصد تھا کہ طلباء کا ذہن وسیع وکشادہ ہو ان کے اندر تحقیقی جذبات پروان چڑھے اور کسی مسئلے سے متعلق اس کی تہہ تک پہنچنے کے قابل ہواور اپنے ماضی الضمیر کی بہترین طریقے سے ادائیگی کرسکے۔

برج کورس کے ذریعہ سے میں روزانہ نئی نئی چیزوں سے واقف ہوتا رہتا یہاں تک پہلی مرتبہ مجھے عالمی مسائل سے آگاہی حاصل ہوئی بحیثیت فرد امتِ مسلمہ عالمی سطح پر مسلمانوں کی صورتِ حال ،مشرق وسطیٰ، قضیہ فلسطین،شامی خانہ جنگی، عرب انقلابات اور اس جیسے متعدد مسائل میرے غور وفکر کا مرکز ہے۔ اصل صورتِ حال سے واقفیت میرے ذہن ودماغ اور غور وفکر کا

حصہ رہی۔ ان تمام چیزوں کے بارے میں بنیادی واقفیت حاصل کرنے کے بعد مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ ہم بطور امت تنزل وانحطاط کے اس دور سے گذر رہے ہیں جو اب تک ہماری تاریخ میں کبھی نہیں ہوا۔ عالمی سیاست میں ہم کٹھ پتلی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس قدرتی وسائل و ذرائع کی بہتات ہونے کے باوجود بھی ہم دوسروں کے محتاج ہیں۔ ہمارے اندرون کی خانہ جنگی، آمریت، ظلم وجبر اور سیاسی انارکی ہماری شناخت بن چکی ہے۔ انحائے عالم میں وجود پذیر ہونے والے واقعات و حادثات اقوام عالم کے سامنے ہماری منفی شبیہہ پیش کرنے کے لیے کافی ہیں۔ داعش، القاعدہ، بوکوحرام، طالبان اور اس طرح کی نہ جانے کتنی تنظیمیں اسلام کے نام پر لوگوں کے قتل وغارت گری کا ارتکاب کر رہی ہیں۔ حالانکہ اگر قرآن کی طرف رجوع کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن ہمیں کسی قتل وغارت گری کا حکم نہیں دیتا۔

موجودہ حالات کے پیش نظر امتِ مسلمہ کی صورتِ حال قابلِ رحم ہے ایسی صورت میں امت کے باہوش افراد کا یہ فریضہ ہے کہ وہ قوم کو بیدار کریں نیز ان کے اندر وہ جذبہ پیدا کریں جو قرون اولیٰ ووسطیٰ کے مسلمانوں کا ہوا کرتا تھا۔ اورانھیں خواب غفلت سے بیدار کرنا وقت کا اہم تقاضہ ہے اگر اب بھی ہم بیدار نہیں ہوئے تو یقیناً ہلاکت وتباہی ہمارا مقدر بن جائے گی۔

بہر حال میں اگر خلاصۂ کلام کے طور پر اپنے اس ایک سالہ تجربہ کو بیان کروں تو میں بلاجھجک یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس ایک سال میں اپنے اندر اتنی تبدیلی اور ترقی دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی اور مجھے زندگی جینے کی ایک نئی امید جاگی اور یہاں کے پروگرام جیسے (La Madraza and Cultural Society) نے میرے اندر کی تحریری وتقریری صلاحیت فکر ونظر میں وسعت اور تنقیدی وتحقیقی جستجو اور شخصی قابلیت میں جلابخشی اور میں احساس کمتری کے سمندر سے نکل کر امید کی ایک نئی کشتی پر پھر سے سوار ہوگیا۔ جس کا نام علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہے۔

محمد اسلم

میری پیدائش ضلع سنت کبیر نگر کے ایک گاؤں پسائی میں ہوئی، میرا گھر ایک دینی گھرانا تھا میں جب مدرسہ جانے کے قابل ہوا تو میرے والد محترم نے میری تعلیم کا آغاز گاؤں کے ایک مکتب سے کرایا۔ جہاں میں نے اسلام کے بنیادی اصول اور قرآن کریم کو صحیح طریقہ سے پڑھنا سیکھا۔مکتب کی تعلیم پانچ سال میں مکمل ہوئی۔ اس کے بعد میری خواہش عصری تعلیم حاصل کرنے کی ہوئی کیونکہ میرے اکثر ساتھی عصری تعلیم حاصل کرنے کے لیے کالج میں ایڈمیشن کرا چکے تھے۔لیکن میرے والد محترم کی خواہش یہ تھی کہ میں ایک عالم دین بنوں تاکہ بڑے ہوکر اسلام کی خدمت کرسکوں چنانچہ والد محترم نے اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے اچھے مدرسہ کی جستجو کی اور انھوں نے میری پڑھائی کے متعلق مختلف علماء سے رابطہ بھی کیا اور معلومات حاصل کیں آخر کار میرے گاؤں کے ایک استاذ نے جو جگن پور فیض آباد میں پڑھاتے تھے میرے والد کو مشورہ دیا کہ آپ اپنے فرزند کو وہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیں وہاں پڑھائی کا بہترین نظام ہے اور عالیہ اولی تک کی کلاس ہوتی چنانچہ اس وقت میرے والد نے مجھے جگن پور میں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

جب مدرسہ میں ایڈمیشن شروع ہوا تو میں اپنے علاقہ کے ایک عالم دین کے ساتھ مدرسہ میں آیا اور وہاں میں نے اپنا ایڈمیشن درجہ عربی اول میں کرایا جب باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا اور عربی کی دو تین کلاسیں کیں تو مجھے بہت زیادہ پریشانی پیش آئی، اس کی وجہ یہ تھی کہ عربی کی کتابیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں ایک پریشانی یہ تھی دوسری پریشانی میرا حصول علم کے لیے پہلی مرتبہ گھر کو چھوڑنا تھا کیونکہ گھر کی بہت یاد آتی تھی، یاد ہے کہ میں نے بچپن میں اپنے استاذ محترم سے ایک حدیث سنی تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو بندہ علم دین کی تلاش میں کسی راستہ پر چلے گا اللہ تعالی اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیں گے، اور یہ بھی حدیث سن رکھی تھی کہ دنیا کی تمام مخلوق یہاں تک سمندر کی مچھلیاں بھی طالب علم کے لیے دعا کرتی ہیں تو اس کو یاد کرکے مجھے خوشی ہوتی اور غم ہلکے ہوجاتے۔ اور میں یہ سوچتا کہ اللہ نے طالب علم کو کتنے بلند مقام اور اعزاز واکرام سے نوازا ہے۔لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد میری پریشانی دور ہوگئی اور کتابیں کافی حد تک سمجھ میں آنے لگیں۔ وہاں جانے کے بعد مجھ پر اللہ کا بہت ہی بڑا احسان وانعام ہوا کہ مجھے وہاں حافظ قرآن بننے کا موقع ملا۔ جس کا آغاز کچھ اس طرح ہوا جو طالب علم حافظ نہیں ہوتا ان کو اخیر کے تین پارے یاد کرائے جاتے ہیں میرے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آیا میں نے بھی اس کا آغاز اپنے سے ایک سینئر

ساتھی کے پاس کیا جب میں نے ان کو بہت کم دنوں میں تینوں
پارے یاد کر کے سنا دیئے تو ان کو کافی خوشی ہوئی اور انھوں نے
سوچا کیوں نہ میں اس طالب علم کو دھیرے دھیرے حافظ قرآن
بنادوں چنانچہ انھوں نے مجھ سے ایک دفعہ اس کا ذکر کیا تو مجھے کافی
خوشی ہوئی اور میں نے اسی وقت حافظ قرآن بننے کا عزم کرلیا۔
ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ مدرسہ کے مہتمم کو میرے اس عمل
کے بارے میں پتہ چلا تو ان کو کافی خوشی ہوئی اور مجھ کو بلا کر مجھ
سے چند آیتیں زبانی سنیں اس کے بعد انھوں نے میری کامیابی
کے لیے دعا کی۔ ساتھ ساتھ انھوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ جب
تمہارے حفظ کی تعلیم مکمل ہوجائیگی تو مدرسہ کی جانب سے آپ
کے لیے ایک پروگرام کا انعقاد ہوگا اور آپ کو ایک سائیکل بطور
انعام پیش کی جائے گی اس وقت مجھے کافی خوشی ہوئی اور میں نے
پہلے سے بھی زیادہ محنت کرنا شروع کردی یہاں تک کہ عصر کے
بعد بھی میں قرآن یاد کرنے لگا کیونکہ مجھے اس کے علاوہ سبق یاد
کرنے کے لیے بہت ہی کم وقت ملتا تھا اور عربی کی کتابیں بھی
پڑھنی ہوتی تھیں۔ ان دونوں کورس (عالمیت اور حفظ) کو حاصل
کرنے کے لیے مجھے کافی مشقتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا
لوگوں کی جانب سے بہت کچھ سننے کو ملا یہاں تک کہ عربی کی کلاس
کے درمیان ایک استاد نے مجھے بہت ہی زیادہ لعن وطعن کیا۔ یہ
معاملہ اس وجہ سے پیش آیا کہ انھوں نے جو سبق یاد کرنے کو کہا تھا
اس کو میں یاد نہ کرسکا انھوں نے مجھ سے کہا کہ دونوں چیزیں (عا
لمیت، حفظ) ساتھ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے یا تو تم پہلے عا
لمیت کرلو یا پھر حفظ کرلو ورنہ ایک دن ایسا ہوگا کہ نہ تم ادھر کے
رہوگے اور نہ اُدھر کے رہوگے۔ اس وقت مجھے کافی افسوس اور درد
ہوا اور یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو ٹپک گئے اس کے بعد جب
کلاس ختم ہوئی تو میں نے سارا قصہ اپنے حفظ کے استاد کو بتایا۔ ا
س وقت انھوں نے مجھے بہت ہی اچھے طریقہ سے سمجھایا، ساتھ ہی
یہ بات بھی کہی کہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی چیز کو
حاصل کرنے کے لیے اس طرح کی باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے
کیونکہ اب جو چیز حاصل کررہے ہو وہ بہت ہی کم لوگ کر پاتے

ہیں لہٰذا آپ اپنی پڑھائی کو جاری رکھیں انشاء اللہ کامیابی آپ کو ضرور ملے گی اور آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔ آخر کار میری زندگی کا سب سے اچھا دن اس وقت آیا جب میں ڈھائی سال کی مدت میں حافظ قرآن بنا اور مجھے کامیابی ملی۔ چنانچہ مدرسہ کی جانب سے ایک پروگرام منعقد ہوا اور اس میں مجھے انعام کے طور پر سائکل کی جگہ تین ہزار روپے عطا کئے گئے اس دن مجھے ہر طرف سے مبارکبادی دی جا رہی تھی۔ چنانچہ میں نے اس پیسے سے کتابیں خریدیں اور میری ایک ذاتی چھوٹی لائبریری قائم ہوگئی جگن پور میں میں نے پانچ سال تک تعلیم حاصل کی اب مجھے عربی اچھی سمجھ میں آنے لگی تھی۔

میں نے آگے کی تعلیم جاری رکھنے کے لیے دارالعلوم ندوۃ االعلماء کا رخ کیا ندوۃ العلماء ایک عظیم اسلامی درسگاہ ہے جو بہت ہی مشہور ہے میں نے وہاں اپنا داخلہ عالیہ ثانیہ میں کرایا۔ مجھے یہاں آکر پڑھائی کا بہترین ماحول ملا اور بہت ساری سہولت فراہم کی گئیں وہاں کا سب سے اچھا نظام یہ ہے کہ ہر ہاسٹل میں لائبریری ہے جہاں پر مختلف قسم کی کتابیں دستیاب ہیں۔

ندوۃ میں میری سرگرمیاں یہ تھیں کہ میں وہاں کے اکثر پروگراموں میں شرکت کرتا تھا خاص طور سے وہ پروگرام جو عربی زبان سے متعلق ہوتے تھے یہاں تک کہ میں نے اپنی عالمیت کے آخری سال میں ہزاروں عربی کے اشعار یاد کر لیے تھے یہ چیز مجھے ندوۃ العلماء سے حاصل ہوتی۔ ندوہ کے آخری ایام میں میں نے عزم کر رکھا تھا کہ میں ضرور یہاں سے فارغ ہونے کے بعد عصری تعلیم حاصل کرونگا لیکن میرے ساتھ ایک پریشانی یہ تھی کہ میرے پاس سوائے ندوۃ کی ڈگری کے کوئی اور چیز نہیں تھی جس سے میں عصری تعلیم حاصل کروں کیونکہ اس سے سوائے عربی، فارسی، اردو اور اسلامک اسٹڈیز میں داخلہ کے اور کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کسی اور موضوع میں داخلہ لے سکتا تھا اور یہ چیزیں میں نے مدرسہ میں پڑھ رکھیں تھیں مجھے انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کوئی موقع نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے اس سلسلہ میں اپنے ساتھیوں سے بات چیت کی انھوں نے مجھے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف رہنمائی کی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے فارغین مدراس کے لیے ایک سالہ برج کورس قائم کیا ہے جس کا مقصد فارغین مدارس کو عصری تعلیم سے جوڑنا ہے۔

برج کورس کا قیام یکم نومبر ۲۰۱۳ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب ضمیر الدین شاہ کے ہاتھوں عمل میں آیا اس کورس کو کھولنے میں سب سے زیادہ جن کی کوششیں کارفرما ہیں وہ برج کورس کے ڈائریکٹر جناب پروفیسر راشد شاز کی ذات گرامی ہے جن کو اس کورس کے کھولنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور فارغین مدارس کو عصری تعلیم سے جوڑنے کا دروازہ کھولا اللہ آپ کے اس عمل کو قبول فرماتے اور اس کو ترقی دے۔

برج کورس کھولنے کے دو اہم مقاصد

(۱) فارغین مدارس کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم سے جوڑنا تاکہ وہ آرٹس، سوشل سائنسز، منجمنٹ اور قانون میں داخلہ لے سکیں اور دنیا کے اندر عصری تعلیم سے فائدہ اٹھا کر اچھے طریقہ سے دین کا کام کرسکیں۔

(۲) آج امت مسلمہ اللہ کے اس فرمان ''واعتصمو ابحبل الله جمیعا ولا تفرقوا'' کو بھول گئی ہے اور مختلف گروہ اور فرقوں میں بٹ گئی ہے ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا کیونکہ آج امت مسلمہ قرآن کے فرمان ''انما المؤ منون اخوۃ'' اور اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ''المومن للمؤ من کالبنیان ''اور''المسلم اخو المسلم ''ہونے کے باوجود افتراق وانتشار کا شکار ہے کوئی شیعہ ہے کوئی اہل حدیث کوئی بریلوی ہے تو کوئی دیوبندی ان سب کو ختم کرنے کے لیے برج کورس کا قیام ہوا ہے۔

برج کورس کے متعلق میں نے اخبار میں یہ چیز پڑھی تھی کہ اس نے اس سال اپنے کورس کو دو سال میں کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ فارغین مدارس میڈیکل اور انجینئرنگ میں بھی اس کے ذریعہ اپنا داخلہ لے سکیں یہ خبر سن کر مجھے کافی خوشی ہوئی اور میں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے برج کورس میں ایڈمیشن لینے کا فیصلہ کیا اور اس کا فارم بھرا میں نے اس یونیورسٹی میں اس کے علاوہ ایک اور فارم بھرا اور وہ .B.A کا تھا۔ برج کورس کے امتحان میں پاس ہو گیا ابھی انٹرویو باقی تھا اسی دوران .B.A کا رزلٹ بھی آ گیا اس میں میری Waiting 29 تھی۔ چنانچہ میں Chance Memo کے لیے آیا اور اس کا فارم بھرا برج کورس میں بھی میں نے انٹرویو دے دیا تھا اور مجھے اس کا بھی انتظار تھا۔ میں صبح سے شام تک کھڑا رہا لیکن 225 پر آتے آتے سیٹیں ختم ہوگئی تھیں اس وقت مجھے بہت ہی افسوس ہوا اور وہ غالباً سنیچر کا دن تھا وہاں سے واپس آ کر میں نے اپنے ایک دوست سے بات کی اور برج کورس کے Result کے بارے میں سوال کیا چنانچہ اس نے مجھے بتایا کہ برج کورس کا Result آ چکا ہے اسی وقت میں اپنے دوستوں کے ساتھ Result دیکھنے کے لیے برج کورس کی بلڈنگ میں آیا اور میں نے اس میں اپنا نام دیکھا تو مجھے بہت خوشی ہوئی اور میرے سارے غم مجھ سے دور ہو گئے۔ چنانچہ اس میں یہ اعلان بھی تھا کہ برج کورس میں ایڈمیشن کا آغاز ۲۴، ۲۵ راگست کو ہوگا لہٰذا تمام

FIRST HIGH PROFILE
International Conference
Intellectual Crisis of the Musli
Rethinking Traditional

منتخب طلباء اپنے کاغذات کے ساتھ صحیح ٹائم پر حاضر ہوں اس کے بعد میں نے گھر کا رخ کیا گھر سے میں صحیح وقت پر یہاں آیا اور میں نے اپنا ایڈمیشن کرالیا۔

برج کورس میں میری پہلی کلاس ۲۷/ اگست ۲۰۱۵ء سے شروع ہوئی اس دن استاذ نے ہم سے ایک دوسرے کا تعارف کرایا میں نے بھی اپنا تعارف انگریزی میں کرایا چنانچہ ان کو اس سے بہت زیادہ خوشی ہوئی پھر انھوں نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ماشاءاللہ آپ مدرسہ کے فارغین ہیں لہٰذا آپ مجھے بھی سکھائیں اور میں آپ کو اپنی پڑھی ہوئی چیز پڑھاؤں گا یہ سب باتیں کہنے کے بعد استاذ نے انگریزی کی کتاب کا آغاز کیا اور اس کی بنیادی معلومات بیان کیں شروع میں انگریزی کی کلاس سب سے زیادہ ہوتی تھیں کیونکہ مقصد یہی تھا کہ مدرسہ کے طلبہ انگریزی زبان سیکھیں لہٰذا میں نے اس میں خوب محنت کی اور انگریزی پہلے سے ٹھیک ہوگئی۔

لیکن جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ اس سال سے برج کورس دو سال کا کر دیا گیا ہے جس میں میں نے Biology, Physics, Chemistry پڑھی اس کی کلاس آر سی اے کی بلڈنگ میں ظہر کے بعد ہوتی تھی ظہر کے بعد وہاں جانے میں کافی پریشانی ہوتی تھی اس وجہ سے کہ وہ تھوڑی دوری پر واقع ہے دوسری پریشانی یہ تھی کہ میں نے کبھی بھی ظہر کے بعد کلاس نہیں کی تھی کیونکہ ندوۃ العماء میں پڑھائی صرف سوا ایک بجے تک ہوتی اس کے بعد چھٹی ہوجاتی لیکن میں ان تمام پریشانیوں کو جھیلتے ہوئے وہاں پابندی سے جا کر کلاس کرتا تھا، یہ چیزیں زیادہ سمجھ میں نہیں آتی تھیں کیونکہ جتنے بھی موضوعات پڑھائے جا رہے تھے وہ بالکل نئے تھے اس وجہ سے سمجھنے میں بہت پریشانی ہوتی تھی۔ ان موضوعات کو کچھ دن پڑھانے کے بعد ایک ٹسٹ رکھا گیا جس میں اکثر طلبہ کامیاب نہیں ہوسکے اس کمی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سال اس کورس کو بند کر دیا گیا ہے اور آئندہ اس کا بندوبست کیسے کریں اس پر انتظامیہ غور وخوص کر رہی ہے۔

برج کورس میں آنے کے بعد میں نے ایک اسٹیج Inter-faith and Intra-faith Understanding کے نام سے پایا جس کے تحت ایک پروگرام ہوتا ہے جس میں ایک دوسرے مکتبہ فکر کے علماء کی باتیں ہوتی ہیں اس کو تمام لوگ سنتے ہیں کہ آخر کیا وجہ ہے، ہم سب ایک امت اور ایک نبی کے ماننے والے ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ شروع شروع میں اس پروگرام سے بہت زیادہ الجھن ہوتی تھی اور میں کسی اور مکتبہ فکر کے لوگوں کی باتیں سننا نہیں چاہتا تھا میں اس سے دور بھاگتا تھا لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد مجھے احساس ہوا کہ مجھے اس پروگرام میں ضرور بیٹھنا چاہیے اور دوسرے لوگوں کی باتیں ضرور سننی چاہیے بالآخر میں نے بھی اس پروگرام میں بیٹھنا شروع کیا اور مجھے اس پروگرام سے اچھا خاصا فائدہ ہوا میرے اندر ایک دوسرے کے خلاف جو نفرتیں اور عداوتیں تھیں وہ دور ہوگئیں اب میں ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتا ہوں ساتھ میں کھانا کھاتا ہوں یہاں تک میں ایک دوسرے کے پیچھے نماز بھی پڑھتا ہوں چاہے وہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔

ہمیں یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ لوگوں کے سوچنے کا نظریہ تو الگ ہوسکتا ہے اور ایک دوسرے کے درمیان اختلاف ہوسکتا ہے لیکن جھگڑا نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنی ہے جس میں یہ مضمون وارد ہے۔ ''اختلاف امتی رحمة'' کہ میری

امت کے درمیان اختلاف رحمت کا باعث ہے صحابہ کرام کے درمیان بھی اختلاف ہوا خود حضرت عائشہ اور عمر بن خطاب کے درمیان اختلاف ہوا لیکن انھوں نے کبھی بھی ایک دوسرے کو کافر قرار نہیں دیا اور نہ ہی ایک دوسرے سے خفا ہوئے لیکن معاملہ آج بالکل اس کے برعکس ہے آج ہم چھوٹی سے چھوٹی باتوں کے لیے ایک دوسرے کو کافر قرار دے دیتے ہیں اور اس میں بہت فخر محسوس کرتے ہیں۔

برج کورس نے اس چیز کو ختم کرنے کے لیے عالمی طور پر ایک کانفرنس منعقد کیا یہ پروگرام ۱۷ر دسمبر کو منعقد کیا گیا جس میں مختلف مذاہب فکر کے علماء نے شرکت کی۔ تمام لوگوں نے اختلافی مسائل کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اتحاد و اتفاق پر زور دیا اور کہا کہ آج امت مسلمہ کو اگر سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے تو وہ آپسی اتحاد ہے۔ انھوں نے بتایا کہ برج کورس اس کا بہترین پلیٹ فارم ہے جس میں مختلف مسلک کے علماء زیر تعلیم ہیں اور وہ اس کے لیے مسلسل محنت میں لگے ہوئے ہیں۔

برج کورس کے اندر ۱۸ر دسمبر کی شام میں ایک پروگرام ہوا جس کے مہمان خصوصی انڈونیشیا کے ڈاکٹر سید حامد البار تھے اور پروگرام میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر جنرل ضمیر الدین شاہ برج کورس کے ڈائریکٹر پروفیسر راشد شاز اور تمام اساتذہ وطلبہ نے شرکت کی اس پروگرام میں مجھے انگریزی میں اپنے خیالات ظاہر کرنے کا موقع ملا۔ وہ دن میری خوشی کا سب سے اچھا دن تھا اس وجہ سے کہ میں نے اتنے بڑے لوگوں کے سامنے پہلی مرتبہ اپنے خیالات کا اظہار کیا وہ بھی انگریزی زبان میں اس سے پہلے میں نے کبھی بھی اپنے خیالات کا اظہار انگریزی زبان میں نہیں کیا تھا یہ چیز میں نے برج کورس میں آنے کے بعد سیکھی اور میری انگریزی بھی کافی اچھی ہوگئی۔ اس پروگرام میں

وائس چانسلر نے فارغین مدارس کی اور ان کی محنت کو سراہا۔ اور انھوں نے ہم سے یہ خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے اندر محنت کرنے کا جذبہ ہے اور آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں لہٰذا آپ لوگ دل لگا کر پڑھائی کیجیے اور اگر کوئی پریشانی ہو تو آ کر مجھ کو بتایئے، مہمان خصوصی ڈاکٹر سید حامد البار نے مدارس کی اہمیت اور علماء کے مقام پر بات کی انھوں نے برج کورس کے طلبہ وطالبات سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے مدرسہ میں جو تعلیم حاصل کی ہے اس کو برقرار رکھتے ہوئے عصری تعلیم حاصل کریں۔تاکہ آپ امت کے لیے دونوں جگہ مفید ثابت ہوں اور اللہ کے نزدیک آپ کا مرتبہ بلند ہو۔ پروفیسر راشد شاز نے مہمان کا استقبال کیا اس کے بعد Tea Party کا انتظام ہوا جس سے تمام لوگ لطف اندوز ہونے۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک پڑھائی کا سلسلہ جاری رہا پھر یونیورسٹی میں موسم سرما کی چھٹی کا اعلان کر دیا گیا میں نے سرما کی چھٹی گھر پر گزاری میں نے وہاں کیمیا گری نامی کتاب کا مطالعہ کیا کیونکہ گھر سے آنے کے بعد اس کا امتحان تھا اس کتاب کو پڑھ کر مجھے کافی خوشی ہوئی کیونکہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ہر انسان کے اندر کچھ کچھ محنت کرنے کا جذبہ ضرور ہوتا ہے ۔ میرے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آیا، موسم سرما کی چھٹی گزارنے کے بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف روانہ ہوا اور اپنی پہلی جگہ پر پہونچ گیا۔

۲۱ر جنوری کو برج کورس میں ایک پروگرام ہوا جس میں پاکستان آئے مہمان مؤرخ سلیم منصور خالد نے شرکت کی ۔ انھوں نے برج کورس کے طلبہ وطالبات سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ برج کورس جس نہج پر علماء کی تربیت کر رہا ہے وہ وقت

کی اہم ضرورت کیونکہ آج مسلمان مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور برج کورس اتحاد کا ایک بہترین پلیٹ فارم ہے۔ برج کورس کے ڈائریکٹر جناب پروفیسر راشد شاز نے برج کورس کے مقصد کی طرف توجہ دلائی اور اپنے خطاب میں یہ کہا کہ برج کورس کا قیام مستقبل میں امت مسلمہ کی قیادت کے لیے کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب سے تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ایک دینی تعلیم، دوسری عصری تعلیم مسلمانوں نے صرف دینی تعلیم حاصل کیں اور دینوی تعلیم سے کنارہ کشی اختیار کی جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ یہ امت زوال کا شکار ہوئی اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے شاندار ماضی سے سبق لے کر علوم کے اندر اختراعی ذہن پیدا کریں تو آج بھی ہمارا کھویا ہوا سرمایہ حاصل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ مسلمان گذشتہ ایام میں دینی اور عصری تعلیم کے اتحاد کی وجہ سے اوج ثریا پر پہونچے ہوئے تھے اور ساری دنیا پر ان کی حکومت تھی اور اس میں بڑے ماہرین پیدا ہوئے ابن سینا، البیرونی، فارابی، امام غزالی، ابن تیمیہ جیسے لوگ پیدا ہوئے۔

اب جب کہ برج کورس کا باقاعدہ آغاز ہو چکا ہے اس میں ہم کو نئے نئے موضوعات سے سامنا ہو رہا ہے مثلاً History, Political Science, Economics, Geography, Sociology, Maths, Computer ان میں سے اکثر موضوع میرے لیے نئے ہیں ان تمام موضوعات کو پڑھانے کا مقصد یہ ہے کہ طلبائے برج کورس کے سامنے ان کا مختصر تعارف ہو جائے اس کے بعد طلبہ اپنی پسند کے مطابق آرٹ اور سوشل سائنس کے جتنے شعبے ہیں اس میں ایڈمیشن لے سکیں۔ History کی پہلی کلاس جب میں نے کی تو مجھے پڑھ کر اس سے کافی دلچسپی پیدا ہوئی اور مجھے گذشتہ ایام کی تاریخ پڑھنے کا جذبہ ہوا اس سے پہلے میں نے تاریخ کی جتنی کتابیں پڑھیں وہ خود سے پڑھیں کیونکہ تاریخ کا موضوع مدرسہ میں مطالعہ میں شامل ہے اس کو ایک موضوع کے تحت نہیں پڑھایا جاتا جیسے اور موضوع پڑھائے جاتے ہیں۔ برج کورس میں آنے کے بعد نئے طریقہ پر دوبارہ تاریخ پڑھنے کا موقع ملا مجھے اس سے کافی دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔ کیونکہ استاذ کے پڑھانے کا انداز بہت ہی اچھا ہے وہ جب پڑھاتے ہیں تو اس کی ایسی تصویر کشی کرتے ہیں گویا کہ تمام چیزیں سامنے نظر آ رہی ہوں۔ جغرافیہ یہ ایک بہت ہی اہم موضوع ہے جس سے کسی علاقہ میں کتنی آبادی ہے اس کے متعلق اس میں بات کی جاتی ہے اس سے ہم پتہ لگاتے ہیں کہ کونسا ملک کہاں اور کس کے پاس واقع ہے۔ اس کی جب سے میں نے کلاس کی ہے تو یہ موضوع بھی میرے نزدیک بہت ہی دلچسپ معلوم ہوا ہے کیونکہ استاذ پورے نقشہ کو سامنے لا کر پیش کرتے ہیں جس سے سمجھنے میں کافی دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔

Political Science یہ موضوع بھی بہت اہم اور دلچسپ ہے استاذ نے جب اس کی پہلی کلاس لی تو انھوں نے ہم سے پوچھا کہ اس موضوع کو پڑھانے کا کیا مقصد ہے اس کی اس دور میں کیا اہمیت ہے چنانچہ انھوں نے اس کے متعلق بات کی اور مسلمانوں کے زوال کے تعلق سے یہ بات بھی کہی کہ مسلمان آج سیاست سے بہت دور ہوتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے وہ ہر طرف ظلم کے شکار ہیں ان پر غلط الزام لگا کر ان کو گرفتار کیا جا رہا ہے۔ لیکن ان کی مدد نہیں کر رہا ہے کیونکہ مسلمان سیاست سے دور ہیں۔ لہٰذا ضرورت اب اس بات کی ہے کہ آپ اس دنیوی سیاست کو سمجھیں اور اس میں حصہ لیں اور جانیں کہ لوگ کیسے کیسے سیاست کر کے

دوسروں کو پھنساتے ہیں۔اور آپ اس کے لیے ''عملی'' میدان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں کیونکہ آپ پہلے سے ہی اسلامی سیاست سے واقف ہیں۔

Economicsاس کو ہم اپنی زبان میں اقتصادیات کے نام سے جانتے ہیں یہ موضوع بہت ہی زیادہ اہمیت کا حامل ہے استاذ سے جب میں نے اس کی اہمیت اور ضرورت سنی تو مجھے کافی حیرانی ہوئی کیونکہ میں نے یہ موضوع کبھی پڑھا نہیں تھا استاذ ہمیں اس میں اس کی ساری تفصیلات پڑھا رہے ہیں انھوں نے ہم کو بتایا کہ جب کسی ملک کا اقتصادی نظام اچھا ہوتا ہے تو وہ ملک ترقی کرتا ہے اور جب کسی ملک کا اقتصادی نظام اچھا نہیں ہوتا تو وہ ملک پستی کی طرف چلا جاتا اور لوگ بھوکوں مرنے لگتے ہیں انھوں نے ملک کی کرنسی کیسے گھٹتی ہے اور کیسے بڑھتی ہے اس کے بارے میں بھی بتایا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اس کے کیا وجوہات اور اسباب ہوتے ہیں یہ تمام چیزیں جان کر مجھے کافی خوشی ہوئی۔کیونکہ یہ تمام چیزیں میں نے کبھی سنی نہیں تھیں اور میں سوچتا تھا کہ آخر انڈیا کا روپیہ سعودیہ کے ریال سے کیوں سستا ہے اب مجھے اس کے بارے میں پتہ چلا ہے یہ چیزیں میں نے یہاں سے سیکھی۔

Sociologyاس موضوع کا آغاز ابھی جلد ہی ہوا ہے اس میں میں نے ابھی بنیادی معلومات سیکھیں ہیں کہ کیسے ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے اور ایک معاشرہ کو وجود میں لانے کے لیے کن کن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔جب یہ چیزیں بتائیں جارہی تھیں تو اس وقت میرا ذہن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے معاشرہ کی طرف گیا کہ کیسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں ایک اچھا معاشرہ قائم کیا تھا۔اور کیا اصول اپنائے تھے تو دونوں معاشروں میں مجھے کافی فرق نظر آیا آج ہم جب معاشرہ پر نظر ڈالتے ہیں تو بہت طرح کے لوگوں کا سامنا کرتے

ہیں جن سے ہم واقف نہیں ہوتے کہ کیسے ان کے درمیان رہ سکیں کیونکہ ہم کو ان کے درمیان میں رہ کر ہی زندگی گزارنی ہے اس میں پارٹی کے متعلق بھی بات ہوئی ہے کہ کونسی پارٹی کیوں اور کس لیے وجود میں آتی ہے اس کے اسباب سے بحث کی جاتی ہے۔

کمپیوٹر کلاس

کمپیوٹر کی کلاس نہایت ہی اہم ہے کمپیوٹر کے استاذ نے ہمیں کمپیوٹر کی تاریخ اور موجودہ زمانے میں اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی کمپیوٹر آج ہر آدمی کی ضرورت بن گیا ہے آج سارے کاموں کا دارومدار کمپیوٹر پر ہے کمپیوٹر آج ایک طاقتور چیز بن گیا ہے میں نے کمپیوٹر کی بہت ساری معلومات حاصل کیں اس کی تاریخ کے بارے میں معلومات حاصل کیں لہٰذا میں نے اس کو بہت ہی دل لگا کر سیکھا۔

Maths

اس کلاس میں میں نے بہت کچھ سیکھا۔ شروع شروع میں استاذ سمجھاتے تو سمجھ میں نہیں آتا لیکن اب الحمد اللہ میں نے اس میں بہت کچھ سیکھ لیا میں نے یہاں آنے سے پہلے مکتب میں حساب کے بارے میں پڑھائی کی تھی اس کے بعد سے مجھے برج کورس میں دوبارہ سیکھنے کا موقع ملا ہے۔

یہ تمام موضوعات جو برج کورس میں داخل نصاب ہیں، بہت ہی اہم ہیں۔ برج کورس میں آنے کے بعد میں نے بہت ساری چیزیں حاصل کیں برج کورس ایک سال کے اندر بہت سارے موضوعات کا تعارف کراتا ہے اس نے مجھے ایک بہترین پلیٹ فارم دیا میں نے یہاں آکر بہت کچھ سیکھا سارے موضوعات نئے تھے لیکن رفتہ رفتہ میں نے اس سے دلچسپی پیدا کی جس کی وجہ سے مجھے سارے موضوعات کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہوئیں۔ برج کورس میرے لیے بہت ہی مفید ثابت ہوا کیونکہ اس نے مجھے عصری تعلیم حاصل کرنے کا ایک اچھا راستہ دکھایا جس کے ذریعہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکوں کیونکہ اس سے پہلے میرے دائرے بہت ہی محدود تھے لیکن اس نے تو میرے لیے بہت سارے دروازے کھول دیے۔ اس برج کورس کے کرنے کے بعد میں BCA, BSW, LLB, BBA , BA اور اس کے بہت سارے ڈپلومہ کورس میں بھی داخلہ لے سکتا ہوں مجھے یہاں آکر بہت ہی فائدہ ہوا۔ میں سمجھتا ہوں کہ برج کورس کا قیام سرسید کے خوابوں کی تعبیر ہے اور یہ بات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی تاریخ پڑھنے سے پتہ چلتی ہے کہ سرسید نے جس وقت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی بنیاد ایک مدرسۃ العلوم کی شکل میں

ڈالی تھی اس کا اصل مقصد ہی یہی تھا وہ مسلمانوں کے ایک ہاتھ میں سائنسی علوم دوسرے ہاتھ میں مذہبی علوم اور پیشانی پر کلمہ طیبہ کا تاج دیکھنا چاہتے تھے۔ سرسید بنیادی طور پر مذہبی تعلیم کے مخالف نہیں تھے وہ مدارس عربیہ کے نصاب میں تبدیلی چاہتے تھے ان کی یہ کوشش تھی کہ مسلمان کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی ہم آہنگی پیدا کریں کیونکہ عصری تعلیم بھی بہت ضروری ہے وہ چاہتے تھے کہ مسلمان دوسری زبان فرنچ، جرمن، وغیرہ میں بھی مہارت حاصل کریں اب یہ چیز سامنے آرہی ہے کیونکہ سرسید نے مسلمانان ہند کی ترقی کا جو خواب دیکھا تھا وہ آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں برج کورس کی شکل میں مکمل ہورہا ہے جو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی ہم آہنگ ہے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ فارغین مدارس اس میں کامیاب ہوں گے لیکن جب انھوں نے طلبہ وطالبات کے رزلٹ دیکھے کہ وہ صد فیصد کامیاب ہوئے ہیں تو ان کو بہت حیرت ہوئی۔ چنانچہ اب وہ برج کورس کو اپنا پسندیدہ کورس مانتے ہیں اور اس کی طرف توجہ برابر دیتے رہتے ہیں برج کورس کا دوسال کا رزلٹ بہت ہی اچھا رہا اور یہ تیسرا سال برج کورس کا ہے جس کا میں ایک ادنیٰ سا طالب علم ہوں اس سال بھی وائس چانسلر کئی مرتبہ آئے اور انھوں نے ہم کو پڑھائی کی جانب توجہ دلائی۔ اس کورس کے کھولنے میں بہت زیادہ لوگوں نے مخالفت کی لیکن موجودہ وائس چانسلر نے ان کی ساری بات رد کردی اور کہا کہ فارغین مدارس کو بھی اس یونیورسٹی سے فائدہ ہونا چاہیے تاکہ وہ یہاں آکر عصری تعلیم حاصل کریں اور ان کو بھی اچھے روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ اب جب کہ برج کورس کے تقریباً چھ مہینے گزر چکے ہیں اس درمیان میں نے بہت کچھ سیکھا ہے اور اپنے اندر بہت زیادہ بدلاؤ پایا ہے اور میں یہاں آکر خوش ہوں کیوں کہ مجھے یہاں آکر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا ہے۔

برج کورس کا تقریباً ایک مہینہ اور باقی ہے چھ مہینے اتنے تیز رفتار کے ساتھ گزر گئے اس کا احساس بھی نہیں ہوا اور باقی دن بھی بہت تیز رفتاری کے ساتھ گزر رہے ہیں ایسا لگ رہا ہے کہ پورا دن گھنٹوں میں ختم ہو رہا ہے اور اس وقت فارم بھی آ گئے ہیں تمام لوگ اپنے دلچسپی کے مطابق فارم بھر رہے ہیں لیکن میرے لیے اس وقت یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا ہے کہ میں کس موضوع کا انتخاب کروں اور کس کو چھوڑوں کیونکہ تمام موضوع بہت ہی اہم اور دلچسپ ہیں۔ایسے وقت میں میں نے اپنے اساتذہ اور دوسرے ساتھیوں سے اس کے متعلق بات چیت بھی کی ہے چنانچہ اکثر لوگوں نے .B.A کا فارم انگلش میں بھرنے کا مشورہ دیا ہے اور انھوں نے بتایا ہے کہ یہ موضوع تمہارے لیے بہت ہی ضروری ہے اس کے بعد میں نے اپنا فارم بھی فل کر دیا ہے۔اور اس کی تیاری بھی شروع کر دی ہے۔اللہ سے دعاء ہے کہ مجھے اس میں کامیاب کرے۔

اس کا انتخاب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میں اس زبان کو سیکھ کر دین کی خدمت کرسکوں اور برج کورس کا جو مقصد ہے اس میں کامیاب ہوسکوں کیونکہ آج اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں کی جارہی ہیں اور دین اسلام کا جس طرح مذاق اڑایا جارہا ہے مستشرقین اللہ کے رسول جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو پروپیگنڈہ کررہے ہیں اس کا میں جواب دے سکوں اور اللہ سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ اس کام کے لیے مجھے انتخاب کرے اور میرے ذریعہ سے اپنے دین کا کام لے۔

اخیر میں اب ڈائریکٹر برج کورس جناب راشد شاز صاحب کا اور تمام اساتذہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنھوں نے میرے مستقبل کو تابناک بنانے کے لیے بہت ساری مشقتیں اٹھائیں اور دوسروں کی جانب سے بہت کچھ سنا لیکن پھر بھی انھوں نے میرے بارے میں سوچا ایک اچھا پلیٹ فارم برج کورس کی شکل میں دیا۔

VICTORIA GATE
MUHAMMADAN ANGLO ORIENTAL COLLEGE
ALIGARH

Intellectual Crisis of the
Rethinking
2015 | Kennedy
KHURSHEED UL ISLAM
(WRITER & POET)
NOTABLE WORK:
BASHARAT PEER
(WRITER & NOVELIST)
NOTABLE WORK:
and Cultural

نہال احمد

تمہیدی کلمات

یہ بات کتنی ہی تلخ اور ناخوشگوار ہو، لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ موجودہ عالمِ اسلام مجموعی طور پر خود شناسی اور خود اعتمادی کی دولت سے محروم ہے۔ وہ ذہنی اور علمی حیثیت سے مغرب کے اسی طرح غلام ہے، جس طرح ایک ایسا پسماندہ ملک غلام ہوتا ہے جس نے غلامی میں آنکھیں کھولی ہوں فلسفۂ تاریخ کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے، کہ فکری، تہذیبی اور تعلیمی غلامی سیاسی غلامی سے زیادہ عمیق اور مستحکم ہوتی ہے۔

جب پاسبانِ اسلام اپنی ’’خودی وخود اعتمادی‘‘ سے تہی دامن ہو جاتے ہیں، اور ہماری مسلمانیت ملکی سرحدوں کی طرح سے فاصلے پیدا کر لیتی ہے، جب ملّی ضمیر اور قومی مفاد کی گردن پر چھری چلا دی جاتی ہے، اور جب معروف کی جگہ منکر کا بسیرا ہوتا ہے اور منکر ہی ’’مسلمہ عوامی چاہت‘‘ بن جاتا ہے، راہ اور منزل کا کوئی واضح نقشہ یا تو ہوتا ہی نہیں یا ہوتا بھی ہے تو رواں دواں زندگی کے بے پناہ مسائل کے بحرِ ذخار میں کھو جاتا ہے، اس وقت اس سرچشمہ حیات سے قریب ہونے کے لیے ایک زبردست فکری عملی وانقلابی جست کی ضرورت ہوتی ہے، ایک ایسی جست

جو ہمیں سیدھے اندلس، قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ، بغداد تک پہونچا دے، وہاں کے علمی، ادبی سماجی ثقافتی اور اصلاحی جلال و جمال کا مشاہدہ کرائے۔

مسلمانوں کے اس دور زریں کی جاوداں تاریخ سے کچھ لینے پر آمادہ کرنے کے لیے الحمد اللہ سرزمین ہند کے ایک مشہور ومعروف ادارہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے برج کورس قائم کیا اور علماء وفضلاء کو ایک ایسے پلیٹ فارم پر یکجا کیا جہاں وہ بہ یک وقت دینی ودنیوی علوم وفنون میں مہارت پیدا کرسکیں اور ان کی زندگی کی ہر شاخ فکر اسلامی اور مومنانہ بصیرت کی بادسحر گاہی سے نم ہو، اتنے عظیم اور بلند مقاصد کے لیے لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ اور ڈاکٹر راشد شاز نے جو انقلابی قدم اٹھائے ہیں، زبانیں ان کے لیے صد آفریں کے سوا کیا کہیں گی اور قلم صد مرحبا کے علاوہ اور کیا لکھیں گے!

برج کورس سے پہلے میری تعلیمی زندگی

میری پیدائش آج سے تقریباً اکیس سال قبل ضلع پورنیہ کے ایک چھوٹے سے قصبہ میں ہوئی۔ میرے والد محترم ایک کاشتکار ہیں، بھائی بہنوں میں بڑے ہونے کی وجہ سے میری ابتدائی تعلیم پر خاصی توجہ دی گئی، اور جب میں سن شعور کو پہونچا تو میرے والد اور میری والدہ میں میری آگے کی تعلیم کو لے کر اختلاف ہو گیا کہ میں کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کروں یا کسی اسکول میں۔ بالآخر والد محترم کے اصرار پر میں نے اپنا داخلہ ضلع مظفر نگر کے ایک مدرسہ میں لے لیا، یہ ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا، جہاں عربی دوم تک کی تعلیم دی جاتی تھی، لہٰذا میں نے وہاں سے اپنی تعلیم پوری کی۔ اس کے بعد میں نے سہارنپور میں دو سال اور دار التعلیم والصنعت، کانپور میں تین سال باضابطہ محنت اور پوری لگن کے ساتھ پڑھائی کی، وہاں کی تعلیمی، تہذیبی، دعوتی، اصلاحی اور بظاہر، پُر امن فضا میں مطالعہ کا ذوق وشوق پروان چڑھا اور دل میں ایک داعیہ پیدا ہوا کہ مسلمانوں کے ماضی، حال و مستقبل پر کچھ لکھوں کیونکہ اس وقت حنفی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ وسنی کی آپس میں ایک عجیب طرح کی رساکشی اور کشمکش تھی۔ سب ایک دوسرے کے طریقۂ کار کو غلط ٹھہراتے تھے، اور ایک دوسرے کے فقہی مسائل کو غلط اور پر پیچ طریقہ سے بیان کرتے تھے، میں جب قرآن کریم کی آیت ''وما خلقت الجن والانس الالیعبدون'' پر غور کرتا کہ اللہ عزوجل نے انسان کو اپنی معرفت کے لیے پیدا کیا تو پھر ہم مقلد اور غیر مقلد کے مسئلہ پر مناظرہ ومناقشہ کیوں کریں؟ کیا انسان کی تخلیق کا مقصد یہی کچھ ہے؟ کیا وہ ایک باشعور اور ذمہ دار مخلوق نہیں ہے؟ کیا اسے محض دل میں مچلتی ہوئی اپنی خواہشات کا غلام بنے رہنا چاہیے؟ یہ سب کچھ ایسے سوالات تھے جو فوری جوابات کے طالب تھے، ایک تشفی بخش جواب! ایک غیر جانبدارانہ جواب! ایک ایسا جواب جو ہمیں قرآن وسنت کی معرفت میں ایک سنگ میل ثابت ہو!

بلی کا بکرا

۲۰۰۳-۴ء میں مدرسہ عربیہ فخر العلوم مظفر نگر کے دور طالب علمی کی بات تھی، اس وقت میں تقریباً نو سال کا تھا، باتوں کی سمجھ کم تھی، جذباتی تھوڑا زیادہ تھا، مدرسہ کے پاس وسائل محدود ہونے کی وجہ سے ہمیں کھانا گاؤں میں جا کر کھانا پڑھتا تھا، تعلیم کی شروعات میں ہی ہر طالب علم کو مسلمان گھروں میں بھیج دیا جاتا اور وہ طالب علم روز اول سے لے کر آخر تک اسی گھر میں کھانا کھاتا، کھانا کھلانے والوں میں ہر طرح کے لوگ ہوتے تھے، کچھ تو خوشی

سے غریب بچہ سمجھ کر کھلا دیتے تھے، اور کچھ معاشرہ کی طعن وتشنیع سے بچنے کے لیے کھلاتے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ میں اس مدرسہ تک کیسے پہونچا؟ کیا اس میں میری رضا مندی شاملِ حال تھی؟ تو میں اس بات کو واضح کردوں کہ میرے گاؤں سے قریب ایک گاؤں تھا۔ یہی کچھ دوکلومیٹر کا فاصلہ تھا، ایک مولوی صاحب تھے جن کی میرے والد محترم سے اچھی خاصی پہچان تھی، انھوں نے میرے والد محترم سے اصرار کیا کہ آپ اپنے فرزند کو میرے ساتھ بھیج دیجئے، ایک شاندار مدرسہ ہے ضلع مظفر نگر میں! طلبہ کی اچھی تعلیم وتربیت کے ساتھ ہنرمند بھی بنایا جاتا ہے، صنعت وحرفت میں بھی ماہر بنایا جاتا ہے، بالآخر والد صاحب نے مجھے ان کے ساتھ بلی کا بکرا بنا کر بھیج دیا۔ ایک تو زندگی میں پہلی بار گھر سے باہر آیا اور دوسری یہ کہ مصائب کے پہاڑ مجھ پر ٹوٹ پڑے، تین دنوں تک بغیر کچھ کھائے پیئے روتا رہا، مولوی صاحب نے کئی بار کھانے کی ضد کی اور دو تھپڑ بھی رسید کئے لیکن میں بھی ضدی تھا گاؤں میں ایک شریف فیملی کے پاس لے جایا گیا شاید وہ گوجر قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ میری غیر رضامندی کے باوجود انھوں نے روٹی، گھی اور کچھ الگ طرح کی سبزی تھی اور ساتھ میں لسّی بھی لاکر سامنے رکھ دی۔ میں نے تھوڑا کھایا اور یہ عزم مصمم کرلیا، کہ اب کبھی نہیں جاؤں گا، کیونکہ یہ مجھے مانگنے کا طریقہ لگتا تھا کہ کسی انجان کے یہاں جاکر کھانا کھایا جائے، اور کاسئہ گدائی لے کر پھرا جائے۔ اور جس کی وجہ سے میں تھوڑے دنوں میں راہِ فرار اختیار کرنے میں کامیاب ہوا، اور گھر جاکر پوری داستان لوگوں کو سنائی، والد صاحب نے مولوی صاحب کو بڑی کھری کھوٹی سنائی۔ میرے والد محترم اسی دن سے مولوی حضرات سے بدظن ہوگئے کہ بتاتے کچھ ہیں اور دکھاتے کچھ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج پوری امت قعرِ مذلت کی کھائی میں

جاگری اور ہم آج اس کی بگڑی ہوئی تصویر کے مقام سے بھی فروتر ہیں، ہم چونکہ خاندانی مسلمان ہیں، دین وشریعت ہمارا ورثہ ہیں، اس لیے ہمارا فلسفۂ حیات بھی جداگانہ ہے، کچھ لو اور کچھ دو ہماری زندگی کا نصب العین ہے، جاہلانہ اقتدار کو ناراض کرنے کی تب وتاب ہم میں نہیں اس لیے ہم مسلمان اور مولوی ہونے کا تو دعویٰ کرتے ہیں لیکن اسلام کے مکمل نظام حیات کو اپنے سینے سے لگا بھی نہیں سکتے۔ اگر ہم سچے دل سے غور کریں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہماری مسلمانیت خدا کے باغیانہ نظام وتہذیب کی پنا ہیں ڈھونڈھتی ہے، ہمارا ایمان ضمیر فروشی کے اڈے کو تلاش کرتا ہے۔ ہماری غیرت عافیت کوشی کے بہانے تراشتی ہے، ہماری مذہبیت صلح جویانہ راہوں کی جستجو میں رہتی ہے اور ہماری سیاست دروغ مصلحت آمیز کے اصول پہ عمل پیرا ہے۔ افسوس! آج ہم میں کوئی ایسا نہیں جس کی پیشانی پر غیرت وحمیت کے بل پڑ جائیں، آج ایک ارب مسلمان بھی دنیا میں سہی مگر حال یہ ہے کہ ہم سے اپنی سجدہ گاہ تک کی حفاظت نہ ہوسکی، قوم یہود قبلہ اول لے اڑی، عیسائیوں نے مسجد قرطبہ چھین لی، برہمنوں نے بابری مسجد کا ستیاناس کرکے رکھ دیا، اور ایک ہم ہیں کہ ڈیڑھ دو صدیوں سے کاسئہ گدائی لیے بھٹک رہے ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں دوسالہ قیام

ایک صبح جب نسیم سحر کی کلی چٹخی تو ایسا محسوس ہوا کہ مجھے ڈھیر سارے سوالات کے جوابات مل جائیں گے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے، جب میرا داخلہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہوا۔ عالم اسلام کا ایک ایسا مشہور ومعروف اور شہرہ آفاق ادارہ جنھوں نے شیعہ، سنی، حنفی، دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث کے بجائے ''کونوا عباد اللہ اخوانا'' پرزور دیا، اور مسلکی اختلافات وانتشار کو بہت حد تک دور کرنے کی کوشش کی۔ اور جو زبانِ حال سے یہ کہتا ہے۔

اب کیا ستائیں گی ہمیں دوراں کی گردشیں
اب ہم حدود جورو جفا سے نکل گئے

یہاں کی دوسالہ تعلیمی واصلاحی زندگی میرے لیے ایک سنگ میل ثابت ہوئی، بخاری شریف، ترمذی شریف، مسلم شریف، ابوداؤد شریف، اور عربی ادب نیز عالم اسلام کے اہم ترین اخبار ورسائل کو پڑھنے کا موقع ملا، اور مصر، شام وفلسطین کے حالیہ ترین واقعات پر کچھ سوچنے اور سمجھنے کا اشتیاق ہوا، دوران مطالعہ میرا سابقہ جدید سیاسی، سماجی، معاشی واقتصادی اصطلاحات سے پڑا، اب یہاں مجھے شدت سے احساس ہوا کہ

جدید تعلیم از حد ضروری ہے، تا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا وجود بقائے عالم کا ضامن بن جائے اور ہم ایک زندہ جاوید اور حیات بخش پیغام کے علمبردار بن جائیں، امامت وقیادت کے اس فرض کی طرف واپس آئیں جو کبھی مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کئے بغیر دور جدید کے پُر پیچ مسائل کو نہیں سمجھا جا سکتا، اور نہ ہی مغربی دنیا کے اعتراضات کا تشفی بخش جواب دیا جا سکتا ہے، لہٰذا میں نے عزم بالجزم کر لیا کہ نئے دور کے لیے نئے ذہن ودماغ کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر اور نئی زبان کے پرشکوہ آہنگ سے مالا مال ہو کر میدان میں کود پڑوں!

میری زندگی کی تقلیب نو

اٹھاؤ تیشۂ ادراک اہل فکر ذرا
نئے دماغ تراشو نئی صدی کے لیے

جیسے ہی جیسے فراغت کے ایام قریب آتے گئے میرے ذہن ودماغ میں ایک الگ طرح کی بے چینی بڑھتی گئی وہ کوئی اور بے چینی نہیں تھی بلکہ جدید تعلیمی درسگاہوں میں داخلہ لینے کی بے چینی اور تڑپ تھی، اور جس کے لیے میں نے اپنی استطاعت کے بقدر تیاری کی اور قرآن کریم کی آیت ''واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ'' کو سامنے رکھا، لیکن میری وہ تیاری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور دہلی یونیورسٹی کے داخلہ امتحان کے لیے کافی نہ تھی۔

لہٰذا ذہن ودماغ کا زاویہ اور فکر ونظر کا گوشہ مزید پختہ کرنے اور آسانی کے ساتھ پرانے خیالات کے ڈھانچے کو ڈھا کر نئے افکار اور نئے عقائد کی عمارت سبک رفتاری کے ساتھ کھڑی کرنے کے لیے میں نے اپنا رخ سر سید احمد خاں کی عظیم میراث اور عالم مشرق ومغرب کے مشہور ومعروف اور مقبول ترین ادارہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کیا، تا کہ سر سید رحمۃ اللہ علیہ کی پھلواری سے اپنے ذوقِ جمال کی تسکین کی خاطر چند پھول چن لوں اور انھیں مشک وعنبر میں ڈبو کر نوجوان نسل کے حضور اخلاص ومحبت کی طشتری میں رکھ کر پیش کر سکوں۔

''شعارنا الوحید الیٰ الاسلام من جدید'' کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے ایک ایسے کورس میں ایڈمیشن لیا، جو قدیم صالح اور جدید نافع کا سنگم تھا، جو ہمیں یاد دلانا چاہتا تھا کہ موجودہ نئی دنیا کے اسٹیج پہ ہمارا کردار کیا ہے؟ جس کو ہم برج کورس کے نام سے جانتے ہیں، جو صرف امتِ مسلمہ ہی نہیں بلکہ پوری عالم انسانیت کے لیے ایک نگینہ کی حیثیت رکھتا ہے، جس کی بنیاد وسعت ظرفی، وسعتِ نظری اور امتِ مسلمہ کو جسد واحد اور بنیان مرصوص بنانے پر ہوئی ہے۔ بہرحال اپنے کو ایک ''مبارک خطرہ'' اور ایک انقلابی مردمومن بنانے کی تگ ودو کرنے اور عظیم مقصد کی یافت کے لیے میکدۂ عالم سے منھ موڑ کر برج کورس کے دروازہ پر دستک دی۔

برج کورس کی تعلیمی زندگی۔ انگریزی زبان وادب

برج کورس میں مکمل طور پر داخلہ کے بعد شروع کے چند ہفتے میرے لیے غیر مانوس تھے، ہر چیز میرے لیے نئی تھی، اور اس نئے ماحول میں خود کو ڈھالنا تھوڑا دشوار تھا، لیکن جوں جوں، برج کورس کے مثبت اثرات سامنے آتے گئے، ذہن ودماغ میں ایک الگ طرح کی تازگی اور سرور والی کیفیت تھی۔ سب سے دلچسپ بات میرے لیے یہ تھی کہ یہاں انگریزی زبان وادب، تحریر وتقریر پر کافی مشق کرائی جاتی تھی، اور باکمال اساتذہ ہر وقت تربیت کرنے اور بتانے کے لیے تیار رہتے تھے، ان کی اپنائیت، محبت وخلوص نے

انگریزی زبان وادب اور تخلیقی تحریر میں ید طولی حاصل کرنے کی میرے اندر ایک روح پھونک دی۔ روزانہ تین سے چار گھنٹہ مسلسل انگریزی پڑھنا تھوڑا مشکل ضرور تھا، لیکن دیار مہر وفا کے راہی بننے اور اسلامی نظام حیات کے ابدی سرچشمہ سے از سر نو سیراب ہونے کے لیے تھوڑی تکلیف اٹھانا تو لازمی تھا۔

میں یہ ذکر کرنا یہاں مناسب سمجھتا ہوں کہ انگریزی بولنے، لکھنے، پڑھنے، اور سماعت کرنے کا شوق بچپن سے ہی میرے اندر تھا، مدرسہ کی گیارہ سالہ زندگی میں مجھے اس بات پر ملال تھا کہ کوئی لائق وفائق معلم انگریزی زبان وادب پڑھانے کے لیے نہ ملا، ویسے تو عوام الناس میں خوش فہمی جتانے کے لیے اور انھیں سبز خواب دکھانے کے لیے یہ بتایا جاتا ہے کہ مدارس میں بھی انگریزی زبان وادب پڑھائی جاتی ہے، کمپیوٹر کی تعلیم دی جاتی ہے، لیکن یہ سب آٹے میں نمک سے بھی کم تر ہے۔

برج کورس کے قلیل عرصہ میں اپنے خواب کو شرمندہ تعبیر ہوتے دیکھ کر دلی خوشی ہوئی، دو مہینے کے مختصر اوقات میں، میں اس قابل تھا کہ مافی الضمیر کی ادائیگی انگریزی زبان میں کرسکوں، اور مناظرہ ومناقشہ میں شرکت کرسکوں، تخلیقی تحریر (Creative Writing) نے ایک غیر معمولی طریقہ سے تحریر کا انداز دیا، خاص طور پر اسائمنٹ نے انگریزی میں لکھنے، اور گفت وشنید کرنے کی عادت پیدا کردی تھی، میں شعبۂ انگریزی کے تمام اساتذہ اور برج کورس کے ذمہ داران حضرات کا ہمیشہ شکر گزار رہوں گا کہ انھوں نے مجھے انگریزی زبان وادب کے لائق اور تربیت یافتہ اساتذہ کی خدمات فراہم کرائے۔

برج کورس میں سوشل سائنسز اور کمپیوٹر سائنس

انگریزی زبان وادب کے ساتھ ساتھ برج کورس میں سوشل سائنسز مثلاً تاریخ ، جغرافیہ ، سیاسیات ، معاشیات واقتصادیات ، سماجیات اور کمپیوٹر سائنس کی تعلیم نے سونے پہ سہاگے کا کام کیا۔ کیونکہ ان مضامین کا ہماری زندگی سے گہرا تعلق ہے، روزمرہ ہونے والے واقعات اور انکا تاریخی تجزیہ کرنا اسی وقت ممکن ہے جب ہمارا رشتہ ان مضامین سے ہو، خصوصاً سیاسیات، بین الاقوامی تنظیم اور تاریخ پڑھنے کا کچھ اور ہی مزہ تھا، اور الحمدللہ ایک قلیل عرصہ میں وہ تمام بنیادی معلومات حاصل کیں

جو ایک سوشل سائنس کے طلبہ کو کرنا چاہیے۔ لیکن ایک بات کا شکوہ ہمیشہ رہے گا کہ ہمیں سوشل سائنسز کے اساتذہ کرام بہت تاخیر سے مہیا کرائے گئے، ہوسکتا ہے کہ اس کے پیچھے انتظامیہ کی اور منتظمین حضرات کی کوئی مجبوری رہی ہوگی۔

کمپیوٹر سائنس اور انفارمیشن ٹکنالوجی ایک ابھرا ہوا مضمون ہے اور یہ ہماری روزمرہ کی زندگی کا جزولاینفک ہے۔ الحمدللہ اس مضمون کو پڑھانے کے لیے منتظمین برج کورس نے خصوصی طور پر استاد کا اہتمام کیا، انھوں نے کمپیوٹر کی بنیادی تعلیم سے لے کر انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا ویب سائٹس اور دیگر ضروری معلومات فراہم کرائے، اس کے علاوہ معلومات عامہ پر بھی زور دیا گیا، بہرحال ہمیں جتنا استفادہ کرنا چاہیے تھا وہ اگرچہ نہیں ہوسکا، لیکن پھر بھی میں اس مضمون کے استاد محترم کا ممنون ومشکور ہوں گا، کہ انھوں نے کمپیوٹر سائنس اور انفارمیشن ٹکنالوجی کی وہ باتیں بتائیں جو ایک مخلص، باکمال، اور غیر معمولی صلاحیت کے مالک استاد ہی بتا سکتے ہیں۔

اب مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ کمپیوٹر کی تعلیم فارغین مدارس اسلامیہ کے لیے نہایت ضروری ہے، اس برق رفتار زندگی میں اگر کوئی ٹکنالوجی میں پیچھے ہے تو گویا کہ وہ زندگی کے ہر میدان میں پیچھے رہے گا، اور بار بار شعر یاد آتا تھا کہ ؎

مشینوں کا زمانہ ہے، تمہیں اب کون پوچھے گا
کٹا کے دستکارو، انگلیاں اب تم بھی سو جاؤ

(Inter-faith and Intra-faith understanding)

بین المسالک وبین المذاہب تفہیم اور اس کے مثبت اثرات

برج کورس میں ایک اہم مضمون بین المذاہب وبین المسالک مفاہمت بھی ہے، سننے میں تو بڑا عجیب سا لگا، لیکن جب کلاسیز میں اس مضمون پر توجہ مبذول کی تو یہ بہت حد تک میری دلچسپی کا مرکز بن گیا، کیوں کہ اب تک جو پڑھا تھا، اس کو سوچنے، سمجھنے اور تجزیہ کرنے کا خیال ہی دل میں پیدا نہ ہوا تھا، جو نظر سے

کر ری، آمنا وصدقنا سمجھ کر مان لیا۔ سوالوں کا تو ایک طوفان ذہن میں اٹھتا تھا لیکن اس پر ایک طرح کا پہر بیٹھا ہوا تھا، سوچنے اور سمجھنے کی آزادی جو اسلام نے ہمیں دی تھی وہ کہیں گم ہوگئی تھی، اور شاید یہی وجہ تھی کہ تنقید کرنے کی جرأت ہمارے اندر سے جاتی رہی۔

بین المسالک وبین المذاہب مفاہمت کی کلاسیز میں کچھ عنوان پر ازسرنو توجہ مبذول کرائی گئی، خصوصاً ''کیا اسلام اور مغرب میں اتحاد ممکن ہے''؟ مسلمان کون ہیں؟ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ کیا اسلام مغرب کو تباہی سے بچا سکتا ہے؟ یہ سب عنوان میرے لیے نیا تھا، اور کبھی اس طرح سوچنے کی جسارت بھی نہیں کی۔ ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہمارے فہم وادراک میں کوئی کمی رہ گئی تھی، ہمارے کردار میں کوئی واضح تفاوت پایا جاتا تھا، ہمارے حواس میں کوئی خاص قسم کا پردہ پڑ گیا تھا، ہماری عقل سلیم میں کوئی نہ کوئی کھوٹ ضرور تھا ہمارے نصب العین اور مقصد کے لگن میں ضرور کہیں نہ کہیں اضمحلال آ گیا تھا۔ حد یہ ہے کہ ہماری اسلامی شخصیت آج پارہ پارہ ہے، جو اس حقیقت کا غماز ہے کہ یقیناً مشرکانہ خیالات نے ہم میں راہ پالی ہے، اور ہماری بنیاد میں ایک بھیانک قسم کی دراڑیں پڑ گئی ہیں۔

لہٰذا بین المسالک وبین المذاہب مفاہمت کی کلاسیز میں حاضری دینے سے ایک الگ طرح کی تبدیلی اپنے اندر محسوس کی اور جو اشکالات سامنے آتے گئے ان کا بھی ازالہ ہوتا گیا، بلا مبالغہ یہ برج کورس کا ہی تریاق تھا جس نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔

تحریر وتقریر میں ازسرنو دلچسپی

جب میں دار التعلیم والصنعت، کانپور میں تھا تو تحریر وتقریر سے زبردست دلچسپی تھی، اور اکثر مسابقاتی پروگراموں میں حصہ لیتا تھا، لیکن جیسے ہی دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا تو جذبۂ تقریر وتحریر ماند پڑ گیا، اور غیر درسی سرگرمیوں سے کٹ کر رہ گیا۔ لیکن برج کورس میں ایڈمیشن کے بعد میری غیر درسی سرگرمیاں یعنی تحریر وتقریر میں احیاء اور تجدید کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اللہ کے فضل وکرم سے میں نے برج کورس کے ہر تحریری اور تقریری پروگرام میں شرکت کی، میری آواز جو کچھ ساعت کے لیے کسی صحرا میں گم ہوگئی تھی، ایک بار پھر سے اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ واپس آ چکی تھی۔ جامعہ ہٰذا میں کئی تقریبات میں اپنی الگ سوچ وفکر کی وجہ سے تنقید کا سامنا کرنا پڑا، عوام نے طرح طرح کی باتیں بنائیں، لیکن میں نے ان سب نقد وتنقید سے آگے بڑھ اپنی خارجی سرگرمیوں کو جاری وساری رکھا، اور الحمد اللہ حالیہ ۲۸/جنوری ۲۰۱۶ء کو یونیورسٹی سطح پر تقریری مسابقہ میں اول انعام کا حقدار بنا، یہ صرف اور صرف برج کورس یہاں کے مشفق اساتذہ کرام کی محنت ومشقت اور شفقت کے نتیجہ میں ممکن ہوسکا۔

تربیتی واصلاحی پروگراموں میں شرکت

برج کورس میں تعلیم کے دوران مختلف طرح کے پروگراموں میں شرکت کرنے کا موقع ملا، جیسے ہفتہ واری پروگرام میں کسی اہم موضوع کو لے کر مذاکرہ کرنا، مناقشہ کرنا، اور مختلف رائے دینا، ایک چیز جو مجھے باعث صدافتخار لگی وہ یہ کہ ان پروگراموں کے ذریعہ طلبہ میں بہت حد تک اتحاد قائم ہوگیا تھا، کیونکہ اس میں پڑھنے والے جہاں ایک طرف سلفی، دیوبندی، ندوی، بریلوی، اہل حدیث تھے تو دوسری طرف ان کے رائے او رسوچنے کا انداز بھی مختلف تھا۔

اس پروگرام کے انعقاد کا مقصد یہ تھا کہ ہم ان مسائل پر گفت وشنید کریں جن کے بارے میں ہم الجھن کے شکار ہیں یا منھ کھولنے سے ڈرتے ہیں، جیسے ''اسلام میں حریت فکری'' پردہ، تقلید، اور اجتہاد وغیرہ، ان مسائل پر المدرستہ سوسائٹی کے تحت ایک صحت مند ڈبیٹ ہوتا تھا اور ہر طرف سے عقلی ونقلی دلیلوں کی بوچھاڑ ہوتی تھی جس کے نتیجے میں ہمیں ایک نئی طرح سے سوچنے out of the box thinking کا موقع ملا، اور اپنی عقل کے موافق سوچنے کی پوری کوشش کی۔

برج کورس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہاں عالمی شخصیات کو تقریر وتحریر کی دعوت دی جاتی رہی ہے اور کوئی نہ کوئی شخصیت سے ملاقات وگفت وشنید اور تبادلہ خیال کے لیے طلبہ کو موقع فراہم کرتے ہیں، برج کورس کے قلیل عرصہ میں ایسی بہت سی مغربی اور مشرقی شخصیات سے مستفید ہونے کا موقع ملا جو میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا۔ ''امت مسلمہ کا فکری بحران'' کے عنوان کے تحت فرسٹ ہائی پروفائل کانفرنس نے اسی سلسلے کی کڑی میں چار چاند لگائے۔ دراصل یہ پروگرام آئندہ نسلوں کی تربیت کرکے اور ان کی ذہن سازی کرکے اپنے مقصد کو بروئے کار لاسکتے ہیں۔

برج کورس سر سیدؒ احمد خاں کے خوابوں کی تعبیر

جیسے ہی جیسے فارغین مدارس کی فراغت کے ایام قریب آتے ہیں، ویسے ہی مستقبل کے تئیں ان کی بے چینی بڑھتی رہتی ہے، اور زمانے کی برق رفتاری کو دیکھ کر احساس کمتری کے شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کمی اور احساس کمتری کو دور کرنے کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے ۱۹۷۰ء کے اواخر میں پیش رفت کرتے ہوئے پہلی بار فارغین مدارس کے لیے اپنا دروازہ کھولا بعد میں سید حامد صاحب نے دینی مدارس کا دورہ کیا اور اس کارِ عظیم کو مزید آگے بڑھایا، لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا، کیونکہ تعداد کے ساتھ ساتھ مضامین بھی محدود تھے۔ ہندوستانی مسلمان کی ترقی کا خواب سر سید احمد خاں نے دیکھا تھا، اس سے علماء وفضلاء مدارس کو مستفید ہونے کا کم موقع ملا، اور اگر ملا تو عمر کا ایک لمبا عرصہ مدارس میں گزرنے کی وجہ سے کچھ خاص نہیں کر پاتے تھے۔

کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

ایک ایسی انقلابی تحریک کی ضرورت تھی جو جدید وقدیم درسگاہوں کی خلاء کو پُر کر سکے، اس سلسلے میں موجودہ شیخ الجامعہ لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ کا تاریخی اقدام بہت اہمیت کا حامل ہے، جنھوں نے برج کورس کا قیام کر کے نہ صرف ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ترقی کے دروازہ کھول دیئے ہیں بلکہ شام، اندلس، بغداد کی درسگاہوں کی یاد تازہ کر دی۔ امید ہے کہ برج کورس کے ماڈرن اسلامک اسکالرز کو وہ طوفان نصیب ہو جو طبیعتوں کے بحر منجمد میں اضطراب بپا کرے ان کی ذاتی خواہشات محبت کی سوزش اور اخلاص وللٰہیت کی حرارت سے تحلیل ہو کر رہ جائیں۔ مادہ پرستی کی زنجیریں درد وتپش کے شعلۂ جوالہ سے پگھل جائیں، عرفان، کردار اور جہاد کے جذب وشوق میں ڈوب کر وہ زندگی کا سراغ پائیں!

تلخ حقائق

ایک بار پھر سے فارغین مدارس جہاں گیری، جہاں داری، جہاں بانی اور جہاں آرائی کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں، حلقہ یاراں میں ریشم کی سی نرمی اور رزم حق و باطل میں فولاد کی سی سختی پھرا ن کی طینت بن جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ فنکارانہ طریقے سے تراشے ہوئے محدود اصولوں اور متضاد راویوں کے خول میں ہم بند رہیں۔ جیسا کہ آج جماعتوں کے سطحی مفادات نے ہماری قوتوں، حوصلوں اور امنگوں کے رس کو نچوڑ رکھا ہے، رنگ ونسل ذات پات اور علاقائی مصلحتوں نے جس طرح ہمارا ذہنی سانچہ بنا رکھا ہے، وہاں وسیع تر اتحاد وتعاون کی سنجیدہ کوششوں کے لیے گنجائش بہت کم ہے۔ عصر حاضر کے انسان کے اس تصور کہ ''صرف مادی ترقی کے جذبہ کو ساتھ لے کر آگے بڑھنے سے موجودہ مصائب پر قابو پایا جاسکتا ہے'' نے ہمارے ایمان مفصل کی جگہ لے لی ہے، ''اسلام اور شرک کا نیا آمیزہ'' ہے۔ حصول جاہ اور معیار زندگی کی بلندی کا ایسا اُجلا تصور ہمارے دل و دماغ اور فکر ونظر پر حاوی ہے، جو ہمیں کوڑے مار مار کر ''کل سے زیادہ آج اور آج سے زیادہ کل کی طرف بھگائے لے جا رہا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری زندگی میں بے کیفی خوب پروان چڑھ رہی ہے، ہر کس و ناکس، اطمینان قلب اور روحانی سکون کے سرچشمہ سے بے گانہ ہوتا جا رہا ہے۔

دوسری طرف ہم فکر وعمل کے تضادات کے ایسے شکار ہوئے ہیں کہ ہماری مسلمانی شخصیت حد درجہ پھوہڑ اور بھدی ہو کر رہ گئی ہے، مقصدِ حیات سے غافل ہو کر خود نمائی کے کوڑھ اور دنیا بٹورنے میں ہم ایسے مبتلا ہو گئے ہیں کہ حقیقت حال کا پتہ لگانے اور محاسبہ نفس کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ تو پھر موجودہ نئی دنیا کے اسٹیج پر ہمارا کردار کیا ہے؟ کیا ہم نے ستم رسیدہ سوالی قوم کا کردار اپنے لیے پسند کیا ہے؟ جو عقلیں کل تک اپنی تہذیب وتمدن کی ضیاپاش کرنیں دنیا میں بکھیر رہی تھیں وہ آج باطل کے ٹمٹماتے چراغوں سے روشنی مانگ رہی ہیں!

برج کورس کی ضرورت کیوں؟

آج ہر شخص اپنے آپ کو مسلمان اور دعوت کا علمبردار کہتا ہے، مگر ہماری معاشی الجھنیں ہمارے پاؤں کی بیڑیاں ہیں، فقر وفاقہ کا خوفناک مگر موہوم تصور ہمیں دنیا کے مایا جال سے نکلنے نہیں دیتا، ہمارے ذہنوں پہ معیار زندگی کا ایسا کڑیل جن حاوی ہے، جو کسی صورت سے قناعت کی بوتل میں بند نہیں ہو پاتا، ہماری ذہنی، فکری اور جسمانی توانائیوں کا سارا رس ان ہی پریشانیوں نے چوس لیا ہے۔ ہر نئے دن کی نئی صبح دنیا سے ہمارے فاصلہ کو سمٹا دیتی ہے، اور اسی تناسب سے ہمارے خدا اور رسولؐ سے ہمارے فاصلے بڑھا دیتی ہے۔ لہٰذا اس روایتی خلاء کو پُر کرنے، بیتاب دل کو نغموں میں ڈھالنے، شہد کی نظافت، گلاب کی لطافت اور تسنیم و کوثر کی حلاوت سے لوگوں کو شاد کام کرنے کے لیے سرزمین ہند پر فارغین مدارس کے لیے ایک بار پھر برج کورس کا قیام عمل میں آیا۔

الحمدللہ برج کورس کا دو سالہ عملی تجربہ بڑا خوش آئند رہا، اور سو فیصد کامیابی ملی، طلبہ نے مختلف کورسوں جیسے لاء، اکونومکس، انگریزی، سیاسیات، سائکولوجی، کمپیوٹر سائنس اور دیگر اہم مضامین میں نہ صرف علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا بلکہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی یونیورسٹی، اور انٹیگرل یونیورسٹی میں بھی اپنی کامیابی اور کامرانی کا جھنڈا پھہرایا۔

خود میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ میرا داخلہ لاء میں ہوجائے گا، اس کامیابی میں موجودہ وائس چانسلر کے ساتھ، برج کورس کے ڈائریکٹر ڈاکٹر راشد شاز اور تمام منتظمین حضرات کی مسلسل محنت کا بڑا حصہ ہے، ان کے اس اخلاص وایثار کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ ہمارے پاس ان کے حق میں دعا کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

کہکشاں، جگنو، کرن، افشاں، ستارے، چاندنی
سب ہمارے نقش پا کو دیکھتے رہ جائیں گے

حرف آخر

آج ایک بار پھر تمام شیعہ، سنی، حنفی، دیوبندی، بریلوی، وغیرہ برادری کے اختلاف کو بالائے طاق رکھ کر اتحاد واتفاق کے دامن کو پکڑنا ہوگا، جسد واحد اور بنیان مرصوص کو اپنی عملی زندگی میں لانا ہوگا۔

اب وقت آگیا ہے کہ طلبۂ برج کورس جدید تعلیم سے لیس ہوکر انسانیت کو راہ حق کی دعوت دیں، اور قرطبہ، غرناطہ، بغداد کی درسگاہوں کی یاد تازہ کرادیں، اور مدارس اسلامیہ بھی ہوش کے ناخن لے لیں، ندامت سے سر جھکا کر آنسوؤں کے چند قطرہ بہالیں، اور خذ ماصفا و دع ما کدر کو اپنالیں۔ مقصد جو میرے سامنے ہے وہ بس اس قدر کہ موڈرن اسلامک اسکالرز کے قلب ونظر کا ہر زاویہ شمع ایمان اور نور یقین سے منور ہو، ان کی زندگی کی ہر شاخ فکر اسلامی اور مومنانہ بصیرت کی باد سحر گاہی سے نم ہو۔۔۔۔۔۔۔۔

ان کو وہ اضطراب وطوفان نصیب ہو جو طبیعتوں کے بحر منجمد میں شورش برپا کردے!

مشیر احمد

میری پیدائش ایک متوسط گھرانے میں ہوئی میرے والد ایک مدرسہ میں استاد تھے میرے گھر کا ماحول دینی تھا اور میری والدہ کا خواب تھا کہ میں حافظ اور عالم بنوں اس لیے میری والدہ اکثر مجھ سے کہا کرتی تھیں کہ بیٹا محنت اور خوب دل لگا کر پڑھو تا کہ مستقبل میں تمھیں میری طرح پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے، اس لیے میں نے مکتب جانا شروع کر دیا۔ابتدائی دنوں میں میں بھی ایک عام بچہ کی طرح مکتب کی سرگزشت اپنے والدین کو بتاتا تھا۔

ایک مرتبہ کی بات ہے ایک قاری صاحب جن کے پاس میں نے حفظ شروع کیا الحمداللہ ایک ماہ میں ڈھائی پارہ حفظ کرلیا ایک دن میرے گاؤں میں کرکٹ ٹورنامنٹ کا فائنل میچ تھا میں میچ دیکھنے کے لیے مدرسہ سے بھاگ گیا اور میچ دیکھ کر جب میں مدرسہ واپس گیا تو قاری صاحب بولے کہ بیٹا کہاں گئے تھے تو میں نے سچ سچ بتا دیا کہ میرے محلّہ میں کرکٹ میچ چل رہا تھا اس کو دیکھنے کے لیے گیا تھا اس کے بعد قاری صاحب بولے کہ بیٹا بقیہ پارہ سناؤ اور شروع سے لے کر جہاں تک سبق ہے وہاں تک سناؤ میں ابھی بچہ تھا شروع کر دیا ایک پارہ جب سنا دیا تو کوئی غلطی نہیں ہوئی جب میں دوسرا پارہ سنانا شروع کیا تو ایک دو غلطی مجھ سے ہوگئی۔اسی بات پر قاری صاحب نے میری خوب پٹائی کر دی میں قاری صاحب کے سامنے سے غصہ میں اٹھا اور کہا ہمیں حفظ نہیں کرنا ایسے پاگل انسان سے جو صرف اتنی سی غلطی پر بچے کو جانوروں کی طرح پیٹتے ہیں پھر میں گھر واپس آ گیا اور سارا واقعہ والد صاحب سے بتایا میرے والد صاحب بھی ایک مولوی تھے انھوں نے کہا کہ استاد ہے تو پٹائی تو کریں گے ہی۔ میں نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اسی لیے ہم مدرسہ میں پڑھیں گے نہیں۔

پھر میں نے ایک دو سال کے لیے پڑھائی چھوڑ دی۔ والد صاحب مجھ سے کہا کہ تم جانوروں کی دیکھ بھال کرو کیوں کہ اب تمھیں پڑھنا لکھنا نہیں میں بھی جانوروں کی دیکھ ریکھ میں لگ گیا ایک دفعہ میں ہل جوت رہا تھا کہ اچانک میرے ذہن میں ایک سوال قائم ہوا کہ جتنا میں ایک دن میں محنت کرتا ہوں اس کے بعد بھی سب کے طعنے سنتا ہوں اگر ہم اسی طرح مدرسہ میں پڑھیں گے تو کوئی برا بھلا بھی نہیں کہے گا اور وقت مقررہ پر تو کھانا مل ہی جائے گا یہاں تو اتنا کام کرنے کے باوجود بھی وقت پر کھانا نہیں ملتا ہے۔ پھر میں نے والد صاحب سے کہا کہ میں پڑھوں گا پھر والد صاحب نے ندوہ کی ایک شاخ میں میرا داخلہ کرا دیا میں وہاں پڑھتا رہا۔ جب میں ثانیہ خامسہ میں پہونچا تو فقہ کی کتابوں سے واسطہ پڑا جن سے اب تک واسطہ نہ پڑا تھا۔ تو اس میں صرف

مسئلہ چار ہی اماموں کا آتا تھا۔ایک دن میں نے اپنے استاد سے سوال کیا کہ کیا صرف یہی چار امام ہیں اس کے علاوہ بھی تو امام ہوسکتے ہیں آپ اس کے بارے میں باتیں کیوں نہیں کرتے اور آخر میں کہتے ہیں کہ حنفی کے نزدیک یہی ہے اور سب سے زیادہ بہتر بھی یہی ہے۔استاد صاحب نے جواب دیا کہ نامعقول کہیں کا، نامعقول ہو اور نامعقول کی طرح سوال بھی کرتے ہو۔ پھر میں نے اسی سال اس مدرسہ کو چھوڑ کر لکھنؤ کا سفر کیا اور چار سال لکھنؤ میں رہا۔دوسال ندوہ کی شاخ میں اور دوسال دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں گذارا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں دوسال

ایک دن جب میرا داخلہ دارالعلوم میں ہوگیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ہمارے ہرسوال کا جواب یہاں ضرور مل جائیگا کیوں کہ یہ عالم اسلام کا ایک مشہور ومعروف ادارہ ہے جنھوں نے شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث کے بجائے۔ کونوا عباداللہ اخوانا کا برملا اعلان کیا ہے او رمسلکی اختلافات وانتشار کو بہت حدتک دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہاں کی دوسالہ تعلیمی واصلاحی زندگی میرے لیے باعث افتخار رہی جہاں مجھے بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف اور عربی ادب اور فقہ کی کتابوں اور عالم اسلام کے اہم اخبارورسائل اور خاص کرالرائد پڑھنے کا موقع ملا۔اور سوچنے سمجھنے کی بھی وسعت پیدا ہوئی۔ جب دارالعلوم کی لائبریری میں معاشیات، سیاسیات، اور سماجیات سے متعلق چیزیں پڑھیں تو مجھے اس وقت ایسا محسوس ہوا کہ اگر اس طرح کی کتاب انگریزی میں پڑھتے تو کتنا مزہ آتا انگریزی بھی آجاتی اور معلومات بھی حاصل ہوجاتی۔ اسی لیے یونیورسٹی اور کالج میں تعلیم حاصل کیے بغیر دورجدید کے پرپیچ مسائل کو حل نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی دنیا کے اعتراضات کا جواب دیا جاسکتا ہے۔اسی لیے میں نے یونیورسٹی کی طرف جانے کا ارادہ کرلیا۔

برج کورس وقت کی اہم ضرورت

پندرہویں صدی ہجری کے آغاز اور اکیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں عالم اسلام تفرقہ وانتشار پریشانی وزبوں حالی اور فکری اضمحلال کی آخری منزل میں تھا نئے تغیرات اور نئے حوادث کا سامنا کرنے اور نئے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت علمائے دین میں (جوملت کے حقیقی قائد تھے) اور اس طریقۂ تعلیم سے جو ان کو پیدا کرنے کا واحد ذریعہ تھا تیزی سے مفقود ہوتی جارہی تھی۔ مسلم معاشرہ دومتوازی طبقوں کے درمیان تقسیم ہوگیا تھا ایک طرف علمائے دین تھے جوعربی مدارس سے قدیم طرز پر پڑھ کر نکلے تھے، دوسری طرف مغربی تعلیم یافتہ حضرات جو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ساختہ پرداختہ تھے۔ ان دونوں کے درمیان اجنبیت اور بیگانگی کی خلیج تھی اور یہ خلیج دن بدن بڑھتی جارہی تھی۔ اندیشہ تھا کہ وہ اس حد تک پہونچ جائے کی کسی ملانے والے پل کے بغیر ان کی ملاقات اور کسی ترجمان کے بغیر افہام وتفہیم ممکن نہ ہو۔

معاملہ انھیں دونوں طبقوں میں منحصر نہ تھا۔ ملت کے مختلف مذہبی فرقے اور فقہی مسلک ایک دوسرے کو تحقیر یا خوف ونفرت کی نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہوگئے تھے، مناظروں اور مجادلوں کا بازار گرم تھا اور وہ کبھی کبھی جارحانہ شکل اختیار کرلیتے تھے، معاملہ صرف اثبات وتردید تک محدود نہ تھا، بلکہ تفسیق وتکفیر تک کی گرم بازاری تھی۔

جہاں تک نصاب درس کا تعلق ہے اس میں کسی کمی یا زیادتی کی گنجائش نہیں سمجھی جاتی تھی، علمی حلقوں پر بالعموم ذہنی عزلت اور گوشہ نشینی کی فضا طاری تھی اور جدید دنیا کے علوم وافکار اور علمی تحقیقات کے لیے کوئی روزن کھلا نہیں رہ گیا تھا، تیز رو اور تغیر پذیر زندگی سے صرف اسی وقت واسطہ پڑتا تھا، جب علماء سیاست کے راستہ پر گامزن ہوتے۔ مسلم معاشرہ کی پاسبانی ونگرانی اور مغربی علوم کے حملوں اور اس کے تشکیکی اثرات سے مسلمان نوجوانوں کی حفاظت کے فریضہ سے علماء کنارہ کش ہوتے جارہے تھے اور تعلیم یافتہ طبقہ مغرب کے حاشیہ برداروں اور فکری وتہذیبی شکست کے نقیبوں کے رحم وکرم پر تھا۔

اس نازک بحرانی دور میں وقت کے ایک روشن ضمیر، صاحب دل، ذی ہوش رہنما لیفٹیننٹ جنرل ضمیرالدین شاہ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں برج کورس کھولا تاکہ جس میں منتخب اہل نظر اور اہل درد جن کو فراست ایمانی اور درد اسلامی کا حصہ وافر ملا تھا سر جوڑ کر ایک جگہ بیٹھے اور انھوں نے اس کا ایک حل تجویز کیا جو برج کورس کی شکل میں سامنے آیا۔ جہاں اہل دل اہل نظر کے ساتھ، علمائے دین جدید تعلیم یافتہ حضرات کے ساتھ مذہب حنفی کے علمبردار علمائے اہل حدیث کے ساتھ، گوشہ نشین علماء رؤساء ماہرین تعلیم کے ساتھ شانہ بشانہ اور صف بصف نظر آئے۔

برج کورس کے بانی جنرل ضمیرالدین شاہ نے حقیقت میں سرسید علیہ الرحمہ کے خوابوں کی تعبیر کو پورا کیا۔ برج کورس نے جن بنیادوں پر اپنے سفر کا آغاز کیا، وہ تھیں: مسلمانوں کا باہمی اتحاد، اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے مختلف اجتماعی اصلاحی وتعلیمی کوششوں میں ہم آہنگی، اعلیٰ سیرت وکردار کی تشکیل، رسوم قبیح کا خاتمہ، مسلمانوں کے مختلف امور ومسائل کے حل کے لیے مشترکہ پلیٹ فارم کی تشکیل اسلامی اصولوں اور شریعت اسلامی کے مقاصد کو سامنے رکھ کر ایسی تبدیلیاں جوعصر حاضر کے تقاضوں کی تکمیل کرسکیں۔ علماء کی سطح کو بلند اور ان کے فکر ومعلومات کی افق کو وسیع کرنا اور ایسے Scholar کو تیار کرنا جو قدیم وجدید دونوں طبقوں

کے اعتماد کے اہل اور احترام کے مستحق ہوں اور وہ مسلمانوں کی ذہنی، فکری، علمی قیادت کے اس منصب پر فائز ہوسکیں، جو عرصہ سے خالی چلا آرہا ہے اور اس کورس کا مقصد یہ بھی ہے کہ یہ ایک اخاذ ذہن ایک سلیقہ مند طبیعت ایک پرمحبت دل، ایک مشاق قلم، اور ایک سخت کوش مصنف کو پیدا کرنا ہے جو اسلام کی صحیح اور سچی ترجمانی کرسکے۔

برج کورس کی تعلیمی زندگی

میں مدرسہ کی دینی تعلیم پوری کرنے کی بعد انگلش کے بنیادی باتیں سیکھنے لگا مگر چونکہ میرا ارادہ کسی عصری درسگاہ میں داخلہ لے کر پڑھنے کا تھا تو میرے پاس مدرسہ کے سرٹیفکیٹ کے علاوہ کوئی سرٹیفکیٹ بھی نہیں تھا جو کہ کسی عصری درسگاہ میں داخلہ دلوانے کے لیے کافی ہو۔ اتفاق سے ان ہی دنوں میں ایک کورس برج کورس کے نام سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شروع ہوا تھا اور میرے کچھ ساتھی یہاں پر پہلے سے پڑھ رہے تھے اس لیے مجھے اطلاع ہونے میں دیر نہ ہوئی۔ اور یوں مجھے ایک پلیٹ فارم مل گیا جس سے میں اپنے خواب کو پورا کرسکوں اور الحمدللہ میں نے اس میں داخلہ لے کر پڑھائی شروع کردی پہلے دو تین ہفتے اجنبیت اور بیگانگی کا احساس ہوا۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ خلیج بھی دور ہوگئی۔ اور سب سے پہلے ایک میم نے انگلش پڑھائی۔ اس سے بہت کچھ سیکھا اور مشفق و مربی جناب انور سر جو کہ تمام طلبہ برج کورس کے لیے ہمدرد اور روح رواں ثابت ہوئے جو اپنی پوری محنت و لگن کے ساتھ تمام طلبہ کو انگریزی پڑھاتے ہیں اور اس کو ہمیشہ اپنی روز مرہ کی زندگی میں بولنے کی تلقین بھی کرتے ہیں اور جناب عرفان الٰہی پیرزادہ اور جناب اعجاز صاحب جو اپنی پوری مہارت کے ساتھ ہر وقت لڑکوں کو صحیح راستہ کی تلاش اور انگریزی زبان میں مہارت کیسے حاصل کی جائے اس کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔ انگریزی زبان وادب کے ساتھ ساتھ جناب ڈاکٹر عارف صاحب جو اپنی پوری توانائی لڑکوں کو حساب سکھانے میں جھونک دیتے ہیں اور حساب ہم لوگوں کے لیے ایک ایسا مضمون تھا جس سے پہلی بار یا یوں کہہ لیجئے کہ زندگی میں پہلی بار یہ سننے کا موقع ملا کہ پلس پلس، پلس ہوتا ہے اور مائینس مائینس، پلس ہوتا

ہے۔ یہ ایک نئی چیز تھی ہم طلبہ برج کورس کے لیے اور کافی محنت بھی کی لیکن ایسا وقت آیا کہ ان کے گھنٹہ کو بدل دیا گیا کیوں کہ اس کے علاوہ بہت ساری چیزیں بھی پڑھانی تھیں اس کے بعد Economics معاشیات بھی پڑھائی گئی جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک طالب علم جو .Ph.D کر رہے ہیں جناب ڈاکٹر وسیم صاحب نے شروع کرائی ابھی Micro اور Macro اکانومی تک پہونچے ہی تھے کہ اس کا گھنٹہ ختم ہو گیا۔ اور اسی دوران سب سے اچھوتے مضمون Inter-faith اور understanding Intra-faith کی شروعات ہوئی۔ اور یہ ہمارے مشفق و مربی اور برج کورس کے روح رواں پروفیسر راشد شاز صاحب نے شروع کرائی جس میں دو مذاہب کے درمیان کیسے اتحاد ممکن ہو اس کو بتایا جاتا ہے۔ اس سے پہلے اس طرح کے مضمون سے بالکل نا آشنا تھا۔

بین المذاہب اور بین المسالک مفاہمت

بین المذاہب اور بین المسالک مفاہمت کے سلسلہ میں ڈاکٹر راشد شاز صاحب کہا کرتے تھے کہ ''پچھلی کئی صدیوں سے عالم اسلام بہت سارے مسائل سے گذر رہا ہے اور جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے اسپین کے بعد ہندوستان سے مسلم حکومتوں کا خاتمہ جیسے سانحات سے عالم اسلام ابھی سوگوار ہی تھا کہ اس کی تاریخ کے صفحات پر انہزام وانہدام خلافت کا ایسا زبردست سانحہ رقم ہوا کہ اس کے تباہ کن اثرات آج بھی قائم ہیں بالخصوص بیسویں صدی مسلمانوں کے انحطاط سے عبارت ہے خلافت کے خاتمہ کا فائدہ کل تک سب سے زیادہ یوروپ کے بعض ممالک نے اٹھایا تھا اور آج اس کا سب سے بڑا حصہ دار امریکہ ہے جو اپنی لوٹ کھسوٹ میں سے یوروپ اور اسرائیل کو بھی وقتاً فوقتاً فیضیاب کرتا رہتا ہے۔ مزید برآں عروج اشتراکیت نے امریکہ اور روس کے درمیان سرد جنگ کا آغاز کر دیا تھا۔ جس کے سبب ایک مختصر مدت کے لیے مسلمان پس پردہ ہو گئے تھے اور اس قلیل عرصے میں مسلمانوں کو نسبتاً کم تباہیوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن امریکہ اور روس کے درمیان جاری اس سرد جنگ کے دوران خود اختیار کردہ شکست کے بعد روس امریکہ کے نشانے سے ہٹ گیا تھا۔ بین الاقوامی سیاست پر قابض ہونے کے لیے امریکہ کے سامنے اب صرف ایک ہی چیلنج رہ گیا تھا اور وہ تھا اسلام۔ چنانچہ اب مسلم مملکتیں ہی اس کا ہدف قرار پائیں۔

لیبیا، افغانستان اور عراق کے بعد اب دوسرے مسلم ممالک اس کے نشانے پر ہیں۔ جہاں داخلی انتشار اور خانہ جنگیوں کے ذریعے ان ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی امریکہ، اسرائیل، اور یوروپ کی یہودی سازشیں اپنے عروج پر ہیں''۔

اور اسی طرح کے دوسرے تاریخی بیانات سے ہم لوگوں کو سرشار کیا ہم نے یہاں آکر جانا کہ اگر ہم لوگ تاریخ کا مطالعہ وسیع القلبی سے کرتے اور ہر ایک چیز کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرتے تو آج معاملہ ہی کچھ اور ہوتا۔

ایسی بلندی، ایسی پستی

ہم مسلمانوں کی سابقہ حالت جب کہ ہم زیرِ اثر احکام وضوابط اسلام تھے من کل الوجوہ کیا باعتبار عبادات وعادات وتہذیب واخلاق اور بحیثیت زہد وتقویٰ واصولِ تمدنی، ایسی دلربا اور نورانی تھی، جس کا نظارہ اسلام کے مخالفین کی نگاہ کو چکاچوند کردیتا تھا اور جب سے ہم نے بدنصیبی سے دامن دین متین چھوڑ دیا اور آپس میں فرقوں میں بٹ گئے اور اغیار کی صحبت اور رسوم اور نفسانی خواہشوں کے زیرِ اثر ہوگئے۔ ہم سب کو رسوم مضرہ اور بدعات ضالہ نے احاطہ کرلیا اور ہمارے وہ سب کمالات ضائع ہوگئے جن کے بیان سے روئے قلم سیاہ اور صفحہ کاغذ کوتاہ ہے۔

ہم وہ مسلمان قوم ہیں کہ جن کی کتاب پاک جامع علوم ومعاش اور مزکی تمام عیوب ہے۔ ہمیں چاہیے کہ جو مسلمان فرقوں اور گروہ میں بٹ گئے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی کرتے ہیں اس سے بچیں اور ایک دوسرے کو قریب سے جاکر دیکھیں ان سے گفتگو کریں اور جتنے مسائل میں اختلاف ہے اس کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اتحاد کی راہ اپنائیں تو پھر انشاء اللہ اس روئے زمین پر مسلمانوں کی پھر سے قیادت شروع ہوجائے گی۔

تنقید واختلاف کا وجود

حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے درمیان ۱۰۰ مسائل میں باہم اختلاف تھا۔ اور انھوں نے دوسرے صحابہ کے درمیان رایوں کے اختلاف کا ذکر کیا ہے اور کسی نے بھی اس اختلاف کو برا نہیں مانا۔ تمام لوگوں نے اس کو ایک فطری معاملہ سمجھا۔ جس سے نہ باہمی محبت ختم ہوئی اور نہ مسلمانوں کی جماعت میں کوئی انتشار پیدا ہوا۔ یہ اسلام کی وہ صورتِ حال ہے جو اصحاب رسولؐ کے زمانہ میں تھی۔ یعنی وہ زمانہ جس کو اسلام کی تاریخ میں معیاری دور کہا جاتا ہے اس زمانہ میں ہر مسلمان آزادانہ طور پر اختلاف رائے کرتا تھا۔ یہ اختلاف رائے اکثر نہایت شدید الفاظ میں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اختلاف اور تنقید کرنے والے کو روکا جائے یا اس کو کوئی ناپسند یدہ کام سمجھا جائے۔

اس کے برعکس موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو دیکھیے تو صورتِ حال بالکل مختلف نظر آئے گی۔ آج اگر کسی مسلم شخصیت پر تنقید کر دی جائے تو مسلمان فوراً مشتعل ہو جاتے ہیں۔ وہ ناقد کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے دور صحابہ اور موجودہ زمانہ میں اس فرق کا سبب کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ صرف ایک اللہ کو بڑا بنائے ہوئے تھے۔ اللہ کے بعد تمام انسان ان کی نظر میں برابر تھے۔ اس لیے انسانوں پر تنقید سے ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ اس کے برعکس موجودہ زمانہ کے مسلمان اللہ کے ساتھ دوسرے انسان کو بھی بڑا بنائے ہوئے ہیں۔ ان انسانی بڑوں کے لیے انھوں نے مبتدعانہ طور پر ''اکابر'' کا لفظ وضع کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے مسلمان اپنی محبوب شخصیتوں پر تنقید سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ دین میں معیار بہر حال اصحاب رسول ہیں۔ مسلمان اگر اس کے سوا کوئی اور معیار بنائیں تو بلاشبہ وہ بدعت ہے اور بدعت اسلام میں مقبول نہیں یہ تمام باتیں اس پروگرام میں کہی گئی تھیں جو برج کورس کی جانب سے ۱۷/دسمبر ۲۰۱۵ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے Polytechnic ہال میں منعقد ہوا تھا۔ جس میں ملک اور بیرون ملک کے دانشوران موجود تھے جس میں ملیشیاء کے ڈاکٹر حامد البر اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے Glen T. Martin اور ہندوستان کے مولانا اصغر علی سلفی اور غیر مسلم دانشوروں میں سے سوامی اگنیویش اور دوسرے بڑے Scholars بھی موجود تھے۔ اور اسی سے سب سے زیادہ ہم کو سوچنے اور سمجھنے کی قوت ملی۔

اور دوسری بات یہ کہ جب ہم لوگ گھر جا رہے تھے تو ہمارے ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر راشد شاز صاحب نے ایک کتاب دی جس کا نام کیمیا گری تھا جس سے ہم کو مقصد متعین کرنے میں مدد ملی۔ لوگ اس طرح کے اقدامات کرنے والے پر طرح طرح کے الزامات عائد کرتے ہیں اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو پروفیسر شاز اپنے شاگردوں کے لیے ہمہ وقت فکرمند رہتے ہیں کہ ہماری قوم کے نوجوان زیادہ سے زیادہ آگے بڑھیں اور پوری دنیا پر حکومت کریں اور اسلام کے پرچم کو ہر گوشہ اور ہر خطہ میں لہرائیں۔

برج کورس میں Science اور History

جب برج کورس میں Political Science اور History کی شروعات ہوئی تو میں گھر میں تھا جب میں یہاں آیا اور ان دونوں مضامین کے ماہرین جناب ڈاکٹر محبّ الحق صاحب اور جناب ڈاکٹر علام صاحب سے پڑھایا جو اپنی پوری مہارت اور لگن کے ساتھ طلبائے برج کورس کو اپنی وہ چیزیں دینا چاہتے ہیں جو انھوں نے اپنی زندگی میں حاصل کیں ہیں۔

ایک دن کی بات ہے کہ میں ڈاکٹر محبّ الحق صاحب کے گھنٹہ میں سو گیا اور ان کی نظر ہمارے اوپر پڑ گئی۔ مجھے جگایا اور کہا اگر آپ ہی سو جائیں گے تو پھر دنیا کی امامت کون کریگا پھر اسی موضوع پر ایک دلچسپ واقعہ سنایا جس نے میری زندگی میں کھل بلی پیدا کر دی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میرے ایک ساتھی نے جب I.C.S. کا امتحان پاس کیا تو وہ دوبارہ اپنے مادرِ علمی میں آیا اور ہم کو اور ہمارے دوسرے ساتھی کو ناشتہ اور مٹھائی کھانے کی دعوت دی۔ یہ دعوت شمشاد مارکیٹ کے ڈھابہ پر تھی جب ہم لوگ دعوت کھا کر واپس ہو رہے تھے اور سامنے S.P. کا مکان تھا ایک چوکیدار رائفل لے کر اس کے گھر کی نگرانی کر رہا تھا تو ان کے ساتھی جو آئی۔ سی۔ ایس میں امتحان میں پاس ہوئے تھے انھوں نے ایک بہت ہی چونکا دینے والی بات کہی کہ اس چوکیدار کو دیکھ رہے ہو جو ابھی جاگا ہوا اس S.P. صاحب کی نگرانی کر رہا ہے اور S.P. مزہ میں سو رہا ہے۔ جس وقت اس کو جاگنا چاہیے تھا اس وقت یہ سو رہا تھا اسی لیے آج یہ جاگ رہا ہے۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ ابھی جاگ جاؤ۔ اگر ابھی سو گئے تو پوری زندگی جاگنا پڑے گی۔ اس واقعہ نے میری زندگی میں بہت ہی تبدیلی پیدا کی جہاں میں کسی بھی کام کو وقت مقررہ میں نہیں کرتا تھا اس کو میں کرنے لگا ہوں۔ اور وقت کی اہمیت میری نظر میں دوگنی ہوگئی ہے اب میں جو بھی کام انجام دیتا ہوں تو میری نگاہوں کے سامنے یہ واقعہ گردش کرتا رہتا ہے۔ جس سے میں پوری چاق و چوبند کے ساتھ اپنے کام کو انجام دیتا ہوں۔

برج کورس سرسید علیہ الرحمہ کے خوابوں کی تعبیر

سرسید علیہ الرحمہ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ مسلمانوں کے ایک ہاتھ میں سائنسی علوم ہوں تو دوسرے ہاتھ میں مذہبی علوم اور پیشانی پر کلمہ طیبہ کا تاج۔ سرسید علیہ الرحمہ چاہتے تھے کہ مدارس اسلامیہ میں درس نظامیہ کے نصاب میں تبدیلی ہو۔ کتاب وسنت کے ساتھ عصری علوم وفنون سے ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ وہ عربی اور فارسی کے ساتھ اپنے بچوں کو انگریزی، فرنچ اور جرمن زبانیں سکھانے کے داعی تھے۔ مدرستہ العلوم موجودہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے قیام کا دراصل یہی مقصد تھا۔ انھوں نے بانگ دہل

علمائے کرام اور ذمہ داران مدارس سے خطاب کر کے کہا کہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کے اندر ایسی بیداری پیدا کریں کہ سائنس کے تئیں تنفر دم توڑ دے۔ اسی طرح اس سوچ پر بھی انھوں نے تنقید کی کہ انگریزی پڑھنا وقت کی اہم ضرورت نہیں کیوں کہ اس کے بغیر دنیا کی متمدن قوموں کے روبرو کھڑے ہونے سے ہم قاصر رہیں گے اور سرسید علیہ الرحمہ کے اس خیال کی ''مسلمانوں کی ترقی کا راز ان کی علمی ترقی میں ہے'' بعض جلیل القدر علماء نے تائید کی۔ سرسید بنیادی طور سے دینی وعصری علوم کے امتزاج کے قائل تھے۔ چنانچہ انھوں نے مدرستہ العلوم میں طلبہ کے لیے دینیات کو لازمی مضمون قرار دیا۔ البتہ عصر حاضر میں ترقی کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے انگریزی کی تعلیم کو ضروری قرار دیا۔

مسلمانان ہند کی ترقی کا جو خواب سرسید نے دیکھا تھا طبقہ علماء اور مدارس کے طلبہ کو اس سے فیض حاصل کرنے کا موقع کم ملا یا ملا بھی تو بہت طول طویل تھا۔ مدارس کا لمبا سفر مکمل کرنے کے بعد طلباء کو از سر نو اپنی تنظیم کرنے کی ضرورت ہوتی تھی جس کی بناء پر عمر عزیز کا خاصا وقت لگ جاتا تھا۔ کوئی ایسا مختصر راستہ نہیں تھا جسے اختیار کر کے اعلیٰ عصری تعلیم حاصل کی جا سکے۔ اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے موجودہ وائس چانسلر ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ نے برج کورس کا آغاز کیا۔ جو سرسید علی الرحمہ کے خوابوں کی ایک کڑی ہے۔

اب میں وائس چانسلر کی اس حسین کوشش اور برج کورس کے تمام اساتذہ اور منتظمین کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور یہاں کے منتظمین جو ہمہ وقت طلباء کی پڑھائی سے لے کر کھیل ورزش اور رہنے سہنے کی بہترین سہولت دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں۔
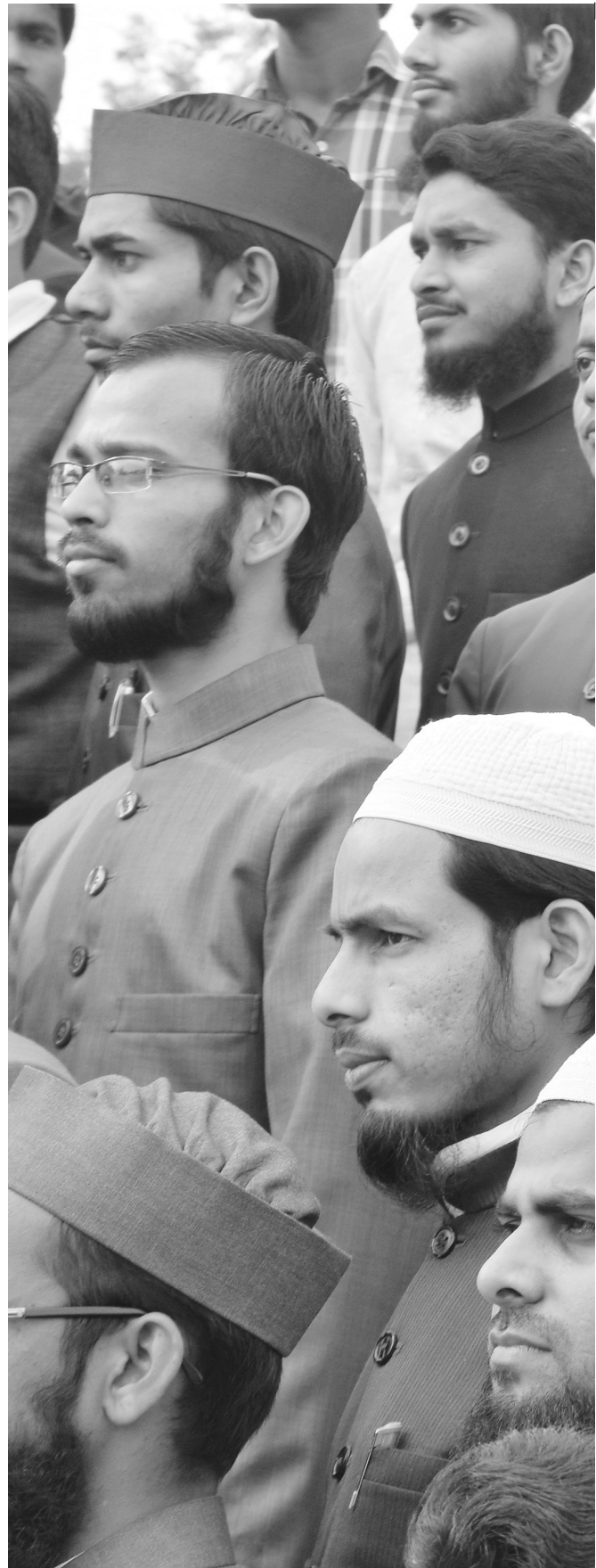
عمیر خاں

برج کورس میں میرا تعلیمی سفر یکم نومبر ۲۰۱۳ء کو شروع ہوا سب سے پہلے برج کورس میں جب میں نے کلاس کی تو اس میں میم نے لکچر انگلش میں دیا تو مجھے لگا کہ یہاں بھی کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا کیونکہ مجھے انگریزی بالکل نہیں آتی تھی جب مجھے انگریزی نہیں آتی تھی تو لکچر کیسے سمجھ سکتا تھا اور میں نے سوچا کہ اپنے آپ کو کیسے اس ماحول میں ڈھالا جائے لیکن مجھے خوشی جب ہوئی جب میں نے دیکھا کہ زیادہ تر طلبہ میری طرح ہیں۔ بہرکیف پڑھائی آگے چلتی رہی اور میم کا پڑھانے کا طریقہ اس کے بعد ڈائریکٹر صاحب کا سمجھانے کا انداز اس کے بعد اساتذہ کا آنا جانا اور حوصلہ بڑھانا میرے اور میرے دوستوں کے لیے کسی رحمت سے کم نہیں تھا۔ کیونکہ انگریزی ماحول میں انگریزی سننا بولنا سمجھنا سیکھنا سب میرے اندر بہت تیزی سے تبدیلی لا رہا تھا اور میرے اندر بھی کچھ کرگزرنے کا جذبہ جاگ رہا تھا اور میں بہت پرجوش تھا اور یہاں پڑھائی کے دوران۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ یہاں تقریباً تمام مسالک کے طلبہ ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اور ہفتہ کے روز لکچر بھی ہوتا تھا جسے Saturday Debate کہتے ہیں۔ Saturday Debate میں ان تمام باتوں پر غور و خوض کرنا تھا جس کی وجہ سے ہم مسلکوں میں تقسیم ہوگئے اور ہمارا شیرازہ بکھر گیا اور دشمن نے ہمارے ہاتھ سے اقتدار اور حکمرانی کی تمام کنجیاں چھین لی اور ہمیں رسوائی اور ذلت کے سوا کچھ نہیں ملا۔ ہم نے مسلکوں کے درمیان خلیج کو جانا اور یہ بھی جانا کہ یہ اختلاف کس وجہ سے ہوئے تو ہمیں صاف نظر آیا کہ اس میں ہماری کمی زیادہ ہے اور ہم اپنے اپنے مکتب فکر میں رہے باہر نکلنا گوارا نہیں کیا صرف اپنے مسلک کو پھیلانے کے لیے اختلاف کو ہوا دینے کے لیے اپنے خول میں بند رہے۔ اب برج کورس نے ہم کو نئی سوچ دی جس سے فکری ارتقائی منازل بھی طے ہوئے اور فکری نہج میں تبدیلی بھی آئی جن موضوعات پر کبھی سوچا نہ تھا اب وہ ضروری محسوس ہونے لگا میری کوشش ہوگی کہ ہم جتنے بھی برج کورس کے فارغین ہیں یا جو اب فارغ ہو رہے ہیں یا جو ہوں گے، سب مل کر آئندہ نسل کی ذہن سازی کریں گے اور اپنی امت کو یکجا کرنے اور برج کورس کے ذریعہ ہو رہی کوشش کو کامیاب کرنے کے لیے ایک جماعت بن کر کام کریں گے۔ اور انشاءاللہ پھر تاریخ بدلے گی پھر اسلام کے جیالے اور مدارس کے یہی طلبہ جن کو آج ہمارے اپنے لوگ تنگ نظری سے دیکھتے ہیں دنیا کا نقشہ تبدیل کریں گے۔ اور برج کورس علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اس کا گواہ ہوگا۔ وہ دن دور نہیں جب برج کورس کے یہی طلبہ IAS, PCS کے امتحان میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرکے ہندوستان کی

باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لیں گے اور سرسید کا خواب پورا ہوگا کیونکہ ان کے ہاتھ میں قرآن ہوگا سائنس سے بھی اچھی طرح واقف ہوں گے اور کلمہ بھی زبان سے انشاءاللہ جاری ہوگا۔لیکن یہ کام صرف برج کورس ہی کرسکتا ہے اور راشد شاز صاحب جیسے لوگوں کے ذریعہ ہی ممکن ہوسکتا ہے ورنہ پھر امت مسلکی اختلافات میں الجھ جائے گی اور رسوائی جو ہم دیکھ رہے ہیں کہ مدرسے سے عالم ہوکر یا مفتی ہوکر آنے والا ہر طالب علم اپنے آنے والے مستقبل کے لیے فکرمند ہوتا ہے اور لوگ اپنے بچوں کو مدرسے صرف اس وجہ سے نہیں بھیجتے کیونکہ ان کے دلوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ فارغ ہوکر ہمارا بچہ دوہزار اور پندرہ سو میں امامت اور موذنی کا کام کرے گا اور قوم کے جاہل لوگ اس کو اپنا غلام سمجھیں گے اور کبھی جھاڑ ولگانے کو لے کر تنازع ہوگا تو کبھی اذان وقت پر نہ دینے کو لے کر اور کبھی نماز میں دیر ہونے پر۔ المدرسہ میگزین میں مولانا مناظر احسن گیلانی کے حوالے سے کیا خوب لکھا ہے کہ ان کا حال اصحاب کہف کی طرح ہورہا ہے کہ اصحاب کہف جب بادشاہ کے ظلم سے تنگ آکر ایک غار میں جا بسے تھے اور جب باہر آئے تو دنیا بدل چکی تھی۔ وہی حال ہمارے قوم کے رہبروں کا ہے جب وہ مدرسوں سے باہر آتے ہیں تو دنیا ان کے لیے عجیب ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ میں احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔لیکن اب ان کو فکرمند ہونے کی ضرورت انشاءاللہ نہیں ہوگی کیونکہ ہم انشاءاللہ اب مدرسہ مدرسہ جائیں گے اور برج کورس سے ہونے والے فائدے سے ان کو روشناس کرائیں گے۔اور دنیا میں ان کے لیے حسین مستقبل ہوگا اور آخرت تو ان لوگوں کی پہلے ہی بہتر ہوگی اور لوگ اپنے بچوں کو کثیر تعداد میں مدرسوں میں داخلہ کروائیں گے کیونکہ ان کے سامنے دین اور دنیا دونوں جہاں میں کامیابی و کامرانی حاصل کرنے کا برج کورس ذریعہ ہوگا۔ اور دینی مدارس کے بچے سیاست میں، معیشت میں، قانون میں، آرٹس اور سوشل سائنسز کے مختلف شعبوں میں انشاءاللہ کافی آگے ہوں گے۔

برج کورس نے جیسے میرے اندر خود اعتمادی پیدا کی ہے میں سمجھتا

ہوں کہ سب لڑکے خود اعتماد ہوں گے اس کا ثبوت پہلی بار میں تقریباً تمام برج کورس کے طلبہ کا داخلہ یونیورسٹی میں ہونا ہے الحمدللہ ہم تمام طلبہ برج کورس سالِ اوّل یونیورسٹی کے مختلف کورسوں میں تعلیم حاصل کررہے ہیں میں بی۔اے سال دوم میں ہوں اور اردو کا طالب علم ہوں۔سب کچھ اچھا لگ رہا ہے سوچ کی آزادی بھی ہے اور دنیا میں مستقبل کو کیسے سنوارا جائے اس کی فکر بھی۔اساتذہ بھی ہیں وہ ہم کو ہر طرح سے Guide کررہے ہیں اور ہم انشاء اللہ کچھ کر کے دکھائیں گے۔ جب اسلام نے حق پسندی صداقت طلبی اور علم دوستی کا مزاج پیدا کیا اور قرآن وسنت نے علم اور سچائی پر جوزور دیا اور جس طرح آفاق وانفس کے مطالعے کے لیے لوگوں کو ابھارا اور زمین میں پھیلے ہوئے آثار اور تاریخی حقائق کے مشاہدے کی دعوت دی۔قرآن میں ہے کہ اقرأ پڑھو، کیا پڑھو انسانیت کے بارے میں آسمانوں کی بلندی ہواؤں کی تیزی بادلوں کی گھن گرج زمین کی تہہ پڑھو، اللہ کی ساری مخلوق کے بارے میں تاکہ ایک ہی جگہ سے محصور ہوکر نہ رہ جاؤ اللہ نے تو قرآن میں فرمایا جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو روئے زمین میں پھیل جاؤ، اور رزق کو تلاش کرو علم و تحقیق کرو۔الحمدللہ برج کورس میں ایک سال میں طالب علم کو اتنی انگریزی آجاتی ہے کہ طالب علم کسی سے بھی انگریزی میں بات کرسکتا ہے اپنے امتحان میں انگریزی کا پرچہ حل کرسکتا ہے اور شیخ الجامعہ بھی خود طلبہ کے جوش کو بڑھانے کے لیے تشریف لاتے رہے اور کسی نہ کسی کو بھیجتے بھی رہے۔اور میں یہ بات بھی بتاتا چلوں کے جتنا اچھا یہ کورس شروع ہوا اس کی اتنی ہی مخالفت ہوئی خاص کر مدارس میں جب کہ یہ مدارس کے طلبہ کی فلاح و بہبود کے لیے کھولا گیا لیکن تنگ نظری اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ باقاعدہ یہ بات کہی گئی کے برج کورس کے ذریعہ مدارس کے طلبہ کو اسلام سے گمراہ کیا جاتا ہے ان کو مدرسے کے خلاف بولنے کے لیے کہا جارہا ہے۔ایک دفعہ راشد شاز صاحب کی طرف سے حکم ہوا کہ ہم ایک میگزین تیار کررہے ہیں تو آپ لوگ (یعنی طلبہ برج کورس) اپنے اپنے اوپر گزری داستان اور برج کورس میں کیسے داخل ہوئے لکھو، سب نے لکھا میں نے بھی لکھا لیکن جب میگزین چھپ کر آئی اور وہ لوگوں میں مشہور ہوئی تو گویا میرے اوپر قیامت نازل ہوگئی ابو نے بات کرنا بند کردیا اور بھائی نے کلام کرنے میں دوری بنالی۔لکھا میں نے وہی تھا جو ہوا تھا لیکن کیا کروں اور اس سے بھی بڑھ کر مدارس سے فون آنے لگے کہ آپ کو شرم نہیں آئی، کیا کیا لکھ دیا تم نے اپنے اس مضمون میں، مجھے اپنے کہے پر پچھتاوا ہونے لگا کیونکہ میرے اوپر بہت دباؤ تھا کہ کس کے کہنے پر تم نے یہ سب کیا ہے۔میں دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ غلط کیا میں نے یہ سب لکھ کر لیکن میں آج سب سے حساب وکتاب کرنے کو تیار ہوں کہ میں اس علم کے ذریعہ قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں اور میرا ایمان بھی قائم ہے نماز روزہ بھی اور قرآن کی تلاوت بھی کرتا ہوں۔پھر سوچتا ہوں کہ کیا میں اس وقت اسلام کے دائرے میں نہیں تھا جب برج کورس کررہا تھا لیکن سوچتا ہوں غلط کیا کررہا تھا دنیاوی علوم حاصل کرنا گناہ نہیں ہے میں جب بھی ٹھیک تھا اب بھی ٹھیک ہوں۔فرق صرف اتنا ہے جب میں پریشان تھا لوگوں کو جواب دیتے دیتے تھک جاتا تھا کہ برج کورس میں غلط کچھ بھی نہیں لیکن مخالفین میرے گھر والوں کو ڈھال بنا کر اور ان کو بلا بلا کر راشد شاز صاحب کی اور میرے لکھے مضمون کی برائی کرتے تھے۔

ایک دفعہ جب میں برج کورس سے فارغ ہوا تو میرا چھوٹا بھائی جو مدرستہ العلوم الاسلامیہ شاخ دارالعلوم ندوۃ العماء لکھنؤ میں طالب علم

تھا مجھے بلا کر لے گیا میں جب وہاں گیا تو وہاں کے استادوں نے خاص کر طارق ایوبی ندوی صاحب نے مجھے اپنے روم میں بلایا اور مجھ سے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ مجھے کافی دقت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ وہ میری کم اور اپنی زیادہ سنا رہے تھے۔ میں نے انہیں کہا کہ مولانا اگر مدارس کے طلبہ بھی دنیوی تعلیم حاصل کر کے دنیا والوں اور یورپ والوں کو چیلنج کریں تو برائی کیا ہے۔ بولے کہ اب تک تم مدرسے کے طالب علم تھے اک دم یونیورسٹی گئے ہو وہاں کی اچھی اچھی سڑکیں، بولڈ ماحول لڑکیوں کا حسین ٹولہ دیکھ کر ہم کو برا کہتے ہو! میں نے کہا برا کب کہا آپ بیتی لکھی ہے اپنی سوانح حیات لکھنے کا سب کو حق ہے۔ بولے میں تمہارے ڈاکٹر صاحب کو جواب دے رہا ہوں اور دوں گا۔ میں نے کہا کہ آپ کو دو چار سال بعد خود ہی سمجھ میں آجائے گا کہ وہ غلط ہیں یا صحیح۔ اور ہر رات کے بعد صبح ہوتی ہے اس طرح مجھے زیادہ پر یشان کیا گیا کیونکہ میرے گھر میں دو مفتی ہیں۔ اور سب حافظ ہیں اللہ نے اس نازک دور سے نکال کر مجھے نئی راہ دکھادی آج میں فخر سے کہتا ہوں کہ میں نہ دنیا میں کمتر ہوں اور نہ آخرت کے علم میں کچھ کمی ہے۔

اللہ کا فضل ہے برج کورس جاری ہے پودا لگ گیا ہے پھل آنے شروع ہو گئے ہیں۔ لیکن ابھی تو شروعات ہے اثرات دور تک جائیں گے پھل بھی سب لوگ کھائیں گے کیونکہ فائدہ انشاء اللہ قوم مسلم کو ہوگا اس سے پہلے مدرسوں کے ہی طلبہ نے سائنس کی عظیم الشان خدمت نے انجام دی ہے۔ جب مسلمانوں نے روم، ویونان پر اور ایران وہندوستان کے مروجہ علوم وفنون پر تنقیدی نظر ڈالی اور نئے علمی اصول ونظریات ایجاد کئے اور نظریاتی اور فلسفیانہ مباحث کی جگہ علمی تحقیق اور تجربہ ومشاہدے پر خصوصی زور دیا تو ہمارا یہی رجحان اندلس کی یونیورسٹیوں کے ذریعہ ابھر

بیکن کو منتقل ہوا جس نے مغربی سائنس کا آغاز کیا اور اشیاء کا مشاہدہ کیا ہمارے ہی اصولوں کو اپنا کر۔ پھر انھوں نے ہمارے اکابرین کے نام تبدیل کر دئے اور ہم انگریزی سے ناواقفیت کی بنا پر جو کچھ دنیا میں چل رہا ہے مان رہے ہیں اور انگریز ہمارے اوپر راج کر رہے ہیں ایسے حالات میں برج کورس کا قیام اور مدرسوں کے طلبہ کو لے کر چلنا واقعی اچھا تجربہ ہے اور صرف انگریزی ہی نہیں کمپیوٹر و ریاضی پر بھی طلبہ کی اچھی پکڑ ہو رہی ہے گویا اڑنے کے لیے آسمان تیار ہے اور اب مدرسوں کے طلبہ مدرسوں کی حد تک محدود رہنے کے سابقہ تصور کے بجائے انگریزی میں گریجویشن پوسٹ گریجویشن اور ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کر کے اس کو اپنے Specialization کا Field بنانا چاہتے ہیں۔ ہوا کے جھونکے کی سی تیزی سے تبدیل ہونے والی اس سوچ کے لیے میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، برج کورس کا آئیڈیا پیش کرنے سے لے کر قیام آغاز تک اور اس شعبہ کے اساتذہ کے احسان کو تادم زندگی نہ بھلا سکوں گا کیونکہ (Future Planning) کیا ہوتی ہے پہلے صرف ایک احساس تھا اور وہ محدود تھا۔ لیکن اب وسیع ہے کیونکہ یہاں ایک وسیع و عریض بستی ہے جہاں مسائل کا حل ہے لوگوں کے سوالات کے جوابات ہیں۔

تاریخ کے نشیب و فراز میں الجھ کر ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ اس وقت بھی مناسب ہے وحیِ ربانی کی روشنی میں ہم اپنا سفر نئے سرے سے شروع کریں اور صالح معاشرے کی جانب گامزن ہوں۔ پروفیسر راشد شاز صاحب کی لازوال تحریروں کی روشنی میں ہم بنیادی اسلام کی طرف رواں دواں ہوں۔ ہر طرح کے تعصّبات سے اوپر اٹھ کر ہم کو حقیقی اسلام کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اور اب جب ہم برج کورس سے فارغ ہو چکے ہیں تو ہمارے ذمہ دو کام ہیں ایک تو ہمارا داخلی محاذ ہے اور ایک خارجی، آپ جس

دین کو مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں وہ عالمی ہے اور ہمیشہ اس کو رہنا ہے اس کا خطاب عالمی ہے اس کے خطاب کو ایک قوم میں اور ایک خاص طبقہ میں محدود کر دینا بہت بڑی بھول اور غلطی ہے۔ اور یہ غلطی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ جو بات عہد مکی اور عہد مدنی میں تھی وہ فراموش ہوگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کام شروع فرمایا مخالفین میں، مشرکین میں، ملحدین میں، میدانِ عمل آپ کی دعوت کا مخاطب وہ لوگ تھے جو منکر و کافر تھے بات اس سے شروع ہوئی اور تمام پیغمبروں کی بات ان سے ہی شروع ہوئی۔ پھر حلقہ بن جانے کے بعد حلقہ پر اکتفا کر لینا بس ان ہی کے بیچ میں رہنا اور ان سے آگے بڑھنا یہ انبیائے کرام کے یہاں کبھی نہیں ہوا۔ اپنی قوم کے دائرے میں بھی جب انھوں نے کام کیا تو کبھی اس میں ٹھہراؤ نہیں ہوا کہ جو مرید ہو گئے مسترشد ہو گئے تلامذہ بن گئے اب ان سے آگے نہیں بڑھنا ہے۔ اور آخری نبی کے یہاں تو اس کا جواز اور امکان تھا ہی نہیں اسی لیے جب مدینہ منورہ میں اتنا بڑا حلقہ تیار ہو گیا کہ صبح شام آپ ان کے درمیان میں گزارتے تو وقت ناکافی ہوتا۔ ضرورت اس کی کیا تھی کہ پھر نئے علاقوں میں جماعتیں اور فوجی ٹکڑیاں بھیجی جائیں اور جہادی کاروائیاں کی جائیں۔ کیا ضرورت تھی توسیع کی جب آپ کے پاس پورا شہر آ گیا ایک ریاست قائم ہو چکی اس ریاست میں تعلیم کے حلقہ بھی الگ تھے آپ کا مدرسہ بھی موجود تھا مسجدوں میں اذانیں بھی ہو رہی تھیں لیکن چونکہ جس عالمی مشن کو لے کر آپ تشریف لائے تھے وہ اس پر قناعت کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

قرآن میں دوسری طرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے

کنتم خیر امةِ اخرِ جت للناس (سورۃ ۳/۱ آیت ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو تم کو انسانوں کے لیے برپا کیا گیا ہے۔

لیکن آج ہم کو کیا ہو گیا آج ماتم کرنے پر مجبور کس نے کر دیا تمام

قومیں مسلمانوں کو ذلیل و خوار سمجھنے لگیں اور رسوائی ہمارا مقدر بن گئی کیونکہ ہم نے دینِ اصلی کو بھلا کر گروہی اور مسلکی شیوہ اپنا لیا اور اپنے اپنے عالم بنائے بس ان سے باہر کی طرف دیکھنے کو اسلام سے خارج ہونا تصور کرنے لگے۔ اس موقع پر مجھے جناب ڈاکٹر راشد شاز صاحب کی کلاس کے دوران کی بات یاد آئی جو مجھے اس وقت بری لگتی تھی اور آج میں بھی اسی نتیجہ پر ہوں کہ علماء سے اگر پوچھو گے تو ان ہی سے جن کو تم نے کل دین کا چودھری تسلیم کیا ہوا ہے۔ بلکہ خود بھی صحیح اور غلط کے درمیان تمیز پیدا کرو دوسری باتوں اور دوسروں کی باتوں کو بھی سنو اور اپنی اور قوم کی حالت کو بہتر بنانے اور قومِ مسلم کو ایک کرنے فرقوں کو بھلانے نہ کہ لڑانے کے لیے کام کرو اللہ آپ کو تب جنت دیگا۔

آج قومِ مسلم پر یلغار کے ہم خود ہی ذمہ دار ہیں۔ جو کام ہمیں دیئے گئے تھے دنیا کو ہمارے قدموں میں ڈالنے کا فیصلہ تھا کہ اگر تم راہ راست پر رہو گے تو دنیا تمہارے تلوے چاٹنے پر مجبور ہوگی اور راست سے ہٹو گے تو تم دنیا کے تلوے چاٹو گے وہی دن آ گیا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

جب سرسید نے دیکھا کہ مسلمان روبہ زوال ہیں تو انھوں نے قوم کی اصلاح اور قوم کو تعلیم یافتہ بنانے پر زور دیا اور کتابیں لکھیں۔ لیکن علماء کو اس میں کچھ ناگوار گزرا اور سرسید پر کفر کا فتویٰ لگا دیا لیکن رفتہ رفتہ بات سمجھ میں آئی تو ہزاروں علماء سرسید کے لگائے ہوئے درخت سے فیض پا رہے ہیں۔ اسی طرح جب ڈاکٹر شاز صاحب نے امت کو یکجا کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس کے لیے یونیورسٹی کو سب سے بہتر پایا کہ یہاں ہر طبقہ اور ہر مسلک کا آدمی آتا ہے تو علماء نے طالبانِ علم دینِ کو، ڈاکٹر صاحب سے دوری بنائے رکھنے کو کہا۔ وجہ بتائی کہ یہ شخص علماء کو دین سے جدا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہر شخص عقل مند و دانا ہے اپنے فیصلے میں با اختیار ہے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے اندر امت کا درد ہے محسوس کیا اور میرے جیسے چند لوگوں نے انکا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا کیونکہ اصل تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن اس میں ہمیں خیر ہی معلوم ہو رہا ہے کیونکہ برج کورس کے ذریعہ علماء جدید علوم حاصل کر کے دنیا اور دین دونوں میں کامیابی سمیٹ رہے ہیں۔ اور ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ ایک نہایت اہم بات جو برج کورس میں میں نے پائی وہ یہ

کہ اتحاد کا نعرہ ہر کوئی دیتا ہے مگر حقیقی اتحاد کی طرف کوئی نہیں آتا ڈاکٹر صاحب ہم کو حقیقی اتحاد کی طرف لے گئے کیونکہ انھوں نے ہم کو حقیقی اسلام کی تعلیم دی ۔مسلک کی نہیں اسلام کی تعلیم دی Debate جو ہوتی تھی وہ ہر موضوع پر ہوتی تھی شیعہ کے اندر پھیلی برائیوں اور اچھائیوں پر اسی طرح بریلوی دیوبندی سب پر ہوتی تھی مگر تجربہ نہایت خوش گوار ہوتا تھا تعصب کی کوئی جگہ نہیں تھی ۔مختلف مدرسوں کے مختلف مسلکوں کے اور مختلف جگہوں کے لوگ ساتھ پڑھتے تھے پروگرام بھی ہوتے تھے ۔لڑکیاں بھی ہمارے ساتھ پڑھتی تھیں ایک لڑکی کے پڑھنے سے پورا معاشرہ پڑھ جاتا ہے ایک مرد کے پڑھتے سے پڑھائی اسی تک محدود رہتی ہے تو لڑکیوں کی تعلیم پر بھی برج کورس نے کافی زور دیا۔اور خاص بات یہ تھی کہ تقریباً ایک سال تعلیم میں کوئی غلط بات کسی سے نہیں ہوئی۔یہ ڈائریکٹر صاحب کی سوچ کا نتیجہ تھا اور ان کی محنت اور کوشش کا ثمرہ تھا کہ آج نئی بلندیوں کی طرف برج کورس کے طلبہ گامزن ہیں اور میں بھی آج یہاں کی آب وہوا سے فیض پارہا ہوں اور کھلی ہوا میں سانس لے رہا ہوں ۔

آخر میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ شیخ الجامعہ صاحب اور جناب ڈاکٹر راشد شاز صاحب کی کوشش کو کامیاب کرے اور ہماری کامیابی میں برج کورس کو ذریعہ بنا تا کہ ہم دوسرے مدرسوں کے طلبہ کے لیے نظیر بن سکیں ۔اور برج کورس کے اساتذہ کو جو بھی ہم سے کام لے سکتے ہیں بس ہم حاضر ہیں ۔ برج کورس کے سپاہی کی طرح اس کے حفاظت کرنا اور کامیابی میں حصہ ڈالنا واجب ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کو تعلیم یافتہ بنانے اور امت کی خلیج کو پاٹنے کی واحد درس گاہ ہے اللہ ان تمام حضرات کو جو برج کورس میں تعاون دے رہے ہیں کسی بھی صورت سے کامیابی عطاء فرما اور اس کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطاء فرما۔

رقیہ فاطمہ

میں رقیہ فاطمہ ہوں میرا تعلق صوبہ اتر پردیش کے ضلع غازی آباد کے ایک چھوٹے سے قصبے "لونی سے ہے۔

قبل اس کے میں ''برج کورس میں میرا علمی سفر'' کا آغاز کروں ، اپنے ماضی کے کچھ تلخ حقائق کا ایک جائزہ لینا ضروری سمجھتی ہوں۔

وقت کسی کا پابند نہیں ہوتا، گزر جاتا ہے، گزر کر کبھی واپس نہیں آتا، اور نہ ہی اس کے گزرنے کا بالکل احساس ہوتا ہے۔ طفولیت کے مراحل کب اور کیوں کر طے ہوئے پتہ نہیں چلا۔ ماضی کے دریچے میں جھانکیئے تو ایسا لگتا ہے کہ ماں کا آنچل ہے اور اس کرائے کے گھر کا آنگن اور ماں کی بے حد شفقت بھری جھڑکیاں، معلوم ہوتا ہے کہ ابھی یہ سب کل کی بات ہے۔

والدین ہمیشہ اپنے بچوں کے لیے مشفق ہوتے ہیں اور ان کی بہتری کے لیے زندگی کے ہر میدان میں اسی چیز کا امتحان کرتے ہیں جو ان کے لیے بہتر ہو۔ میرے والد صاحب نے بھی ہمارے لیے یعنی میرے اور میری چھوٹی بہن کے لیے مدرسہ کی تعلیم کا انتخاب کیا۔ لیکن انھوں نے کبھی اپنی مرضی کو ہم پر تھوپنے کی کوشش نہیں کی۔ انھوں نے مشورہ دیا اور اللہ کے کرم سے ہم

نے اسے بخوشی قبول بھی کرلیا۔ زندگی میں کچھ بڑا کرنے کی خواہش ہمیشہ سے تھی۔مگراس پر حالات کی ستم ظرفی اور خاندان میں بیٹیوں کا نہ پڑھانے کا رواج۔لہذا اپنی اس خواہش ،اوراس امید کوبھی دل میں ہی دبالیا۔

لہٰذا سوچا چلوکٹ جائے گی زندگی ایسے ہی۔لیکن کچھ کرنے کی کسک ہمیشہ دل میں باقی رہی۔کمسنی میں کچھ کرنے کی خواہش کوکوئی نام بھی نہ دے پائی۔بس سوچتی تھی کچھ بڑا، کچھ نیااور کچھ اچھا کرنا ہے۔

دور منزل بھی تھی راہ دشوار بھی اور میرا دم قدم لڑکھڑا تا رہا
یاس کی آندھیاں بھی امنڈتی رہیں،آس کا بھی دیا ٹمٹماتا رہا

لہٰذا جب والد صاحب نے مدرسے میں داخلہ کی بات کی تو ہم نے اسے اپنے لیے مزید آگے بڑھنے کا موقع سمجھ کر قبول کرلیا، اور میں شکر گزار ہوں اپنے والدین کی جنھوں نے ایسے ناساز گار حالات میں ہمارا مدرسہ میں داخلہ کرایا جبکہ گزارہ بھی بڑی مشکل سے ہوتا تھا،لیکن اپنے ایسے بندوں کی مدد کے لیے اللہ ہمیشہ ساتھ ہوتا ہے،آخر کار ہم نے اس نئے ماحول میں قدم رکھا۔لیکن وہاں جاکر تو معلوم ہوا کہ یہ ایک الگ ہی دنیا ہے۔دینی مدارس کا مسلمانوں پر عظیم احسان ہے کہ وہ ان بچوں کو نہ صرف تعلیم دیتے ہیں بلکہ انھیں اعلیٰ اخلاق سے بھی آراستہ کرتے ہیں۔اور انھیں زندگی گزارنے کے ایسے اصول ونظریات سے آگاہی بخشتے ہیں جو ربانی ہدایات پر مبنی ہوتے ہیں۔اور دنیا وآخرت دونوں میں کام آنے والے ہوتے ہیں۔ یہ مدارس صرف مسلمانوں کے مذہبی تشخص اور ان کی شناخت کے محافظ نہیں بلکہ یہ ملک کو باوقار اور ذمہ دار شہری بھی فراہم کرتے ہیں۔

البتہ کچھ پہلو ایسے ہیں جن میں موجودہ ماحول کو دیکھتے ہوئے ارباب مدارس کو توجہ دینی چاہیے۔ ان میں سے ایک تو نصاب کا مسئلہ ہے جو وقفہ وقفہ سے ہمیشہ زیر بحث رہتا ہے۔ میرا مقصد دینی مدارس پر نکتہ چینی کرنا نہیں ہے کیونکہ وہاں سے

میں نے وہ حاصل کیا جو شاید کبھی حاصل نہ کر پاتی۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق نصاب میں تبدیلی کی جانی چاہیے۔

کمسنی میں مدرسے میں جانے کے سبب یہ بات میرے بھی ذہن نشین ہوگئی کہ بس اب تو آگے کچھ کرنے کے سارے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ جدید تعلیم حاصل کرنا ناممکن ہے۔ بہت سے حوصلہ مند بچے مدارس میں پڑھنے کے دوران ایسا کرتے ہیں کہ پرائیوٹ امتحان دے کر آگے بھی پڑھائی کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں لیکن اس میں بھی ہمارے لیے ایک رکاوٹ تھی وہ یہ کہ مدرسہ میں اچھا خاصا آٹھ سال کا وقت گزارا تھا۔ تو اب بڑا ہوتا ہوا دیکھ کر والدین کو اتنی فکر نہیں ہوئی بلکہ دوسرے لوگوں نے اب والدین کے ذہن میں ڈالنا شروع کر دیا کہ ''بس کتنا پڑھاؤ گے، بیٹی ذات ہے شادی کر دو''۔ لہٰذا ان کی باتیں سن کر والدین کے بھی سمجھ میں آ گیا۔ اب میرے دل میں دن رات اسی بات کی فکر لاحق رہتی کیونکہ مجھے دینی علوم کے علاوہ دنیوی علوم حاصل کرنے کی بھی تڑپ تھی۔ میں پوری طرح سے ایک مکمل شخصیت بننا چاہتی تھی اس بات سے ڈرتی تھی کہ مستقبل میں جب میرے بچے کسی مضمون سے متعلق کوئی بات دریافت کریں گے تو میں ان کو یہ جواب دے کر نہ رہ جاؤں کہ بیٹا میں نے تو کبھی اس علم کو پڑھا ہی نہیں۔ لہٰذا آخری چند سال انہیں فکر میں گزرے۔

آخر کار عالمیت کا آخری سال آ گیا اس کے بعد ہمیں اپنے مادرِ علمی کو الوداع کہنا تھا۔ اب والد صاحب کا ایک نیا فیصلہ سامنے آیا کہ آپ کی چھوٹی بہن آگے پڑھائی جاری رکھ سکے گی دو تین سال کے لیے اور آپ یعنی میں مجھے عالمیت کے بعد گھر رہنا ہے، گھر کا کام کاج سیکھنا ہے کیونکہ ہمارے معاشرے میں یہ بات بھی تو والدین کے لیے باعث شرمندگی ہوتی ہے کہ ان کی بیٹیوں کو شوہر کے گھر جا کر نہ سننا پڑے کہ یہ کام نہیں آتا اور وہ نہیں آتا۔ لہٰذا مجھے ٹریننگ کے لیے گھر روکنے کا فیصلہ کیا گیا۔

وہ کتنی ہی مبارک گھڑی تھی کہ جب امتحانات سے چند دن پہلے برج کورس کے بارے میں معلومات ہوئی تو دل میں امید کی ایک لہر دوڑ گئی کیونکہ وہ دن آ ہی گیا جس دن کا مجھے انتظار تھا اور میرے لیے یہ خبر مژدۂ جانفزا بن کر آئی، کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے فارغین مدارس کے لیے ''برج کورس'' نامی ایک کورس کا آغاز کیا ہے جس کے ذریعہ فضلاء مدارس یونیورسٹی میں داخل ہو سکتے ہیں، کہتے ہیں کہ ''جب کسی چیز کو دل سے چاہو تو پوری کائنات اسے تم سے ملانے میں لگ جاتی ہے'' بس میرے ساتھ وہی ہوا۔ میں نے والد صاحب سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا اسی امید کے ساتھ کہ:

اپنے لیے آپ جلاؤ کوئی دیا
مانا تمہارے بس میں طلوع سحر نہیں

چونکہ یہ بات میں پہلے ہی واضح کر چکی ہوں کہ ہمارے والد صاحب نے کبھی کوئی حکم ہم پر تھوپنے کی کوشش نہیں کی، اگر میرا پڑھائی کا سلسلہ رکوانے کا فیصلہ کیا بھی تو رشتہ داروں اور دوسرے لوگوں کے زور ڈالنے اور اپنے گھر کے حالات دیکھ کر۔ کیونکہ میرے والد صاحب دل کے مریض ہیں اور یہی چاہتے تھے کہ اپنے سامنے کم از کم اس فرض کی بھی ادائیگی کر دیں۔ کیونکہ بعد کے لیے ایسا کوئی سرمایہ بھی نہیں تھا کہ بے فکر ہو جاتے۔ لہٰذا اسی فکر نے انھیں اس فیصلے کے لیے مجبور کر دیا تھا۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے میرے والد محترم کے ذہن میں یہ بات ڈال دی اور انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ ''بیٹا تم بھی کرنا چاہتے ہو برج کورس''۔ مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ پاپا مجھ سے

یہ پوچھ رہے ہیں، میں نے اس بچے کی طرح جو بہت دنوں سے کسی کھلونے کا طلب گار ہولیکن اس کے حصول سے محروم ہو، اور کوئی آ کر اس سے کہے کہ بیٹا تم یہ کھلونا لینا چاہتے ہو تو جس تڑپ وخوشی سے وہ بچہ جواب دیگا میں نے بھی جواب دیا''جی پاپا'' پاپا نے کہا''ٹھیک ہے کرلو''۔ میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ کیونکہ میری تو ساری امید ہی ٹوٹ چکی تھی۔ بس ایک تڑپ باقی رہ گئی تھی اور اچانک سے والد صاحب کا اجازت دے دینا میرے لیے خدا کا اوروالد صاحب کا بہت بڑا تحفہ تھا۔

اب سکوت زندگی طوفان بن جانے کو ہے
ایسا لگتا ہے یہاں اک انقلاب آنے کو ہے

اللہ کے کرم سے برج کورس میں داخلہ ہوگیا۔ پھر سے اور ایک نیا ماحول پوری طرح سے مدرسے کی زندگی سے الگ۔ ایک نیا طریقۂ تعلیم۔ یہاں آنے پر ایک نئی خوشی، نیا اضطراب تھا۔ پہلے دن تو کلاس میں آنے سے پہلے بڑی بے چینی اور بڑا ڈر سا محسوس ہو رہا تھا۔ کیونکہ جب انسان کسی نئی چیز کی شروعات کرتا ہے تو لوگوں سے پہلے اس کے بارے میں نئی نئی باتیں پتہ چل جاتی ہیں۔ ہمیں بھی کچھ اس طرح معلوم ہوا کہ پہلے دن تعارف انگریزی میں ہوتا ہے۔ ویسے ہم انگریزی سے ناواقف نہیں تھے۔ مدرسہ میں انگریزی کا بھی ایک Subject ہوتا تھا اور انگریزی سمجھ لیتے تھے لیکن بولنے کی مشق اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ وہ تو ایک پہاڑ توڑنے کا کام لگتا تھا۔ لہٰذا کچھ جملے رٹ کر کلاس میں بھی آ گئے۔ اللہ اللہ کر کے وہ دن بھی گزر گیا۔

برج کورس ذہنی جمود کو توڑنے، اذہان کو متحرک کرنے اور احساس کمتری کو ختم کرنے کا نام ہے۔ برج کورس کے اغراض ومقاصد کو سمجھنے کے لیے علی گڑھ تحریک اور اس عہد پر نگاہ ڈالنی از حد ضروری ہے۔ جس عہد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اٹھارہویں صدی کے آغاز سے ۱۸۵۷ء تک ہندوستان میں جو سیاسی وسماجی تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان پر سرسری نگاہ

ڈالنے سے یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ وہ عہد کس قدر پامالئ اقدار، سماجی اور طبقاتی کشمکش کا تھا۔ جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کی حالت اس قدر ناگفتہ بہ تھی، جسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ اس صورت حال کے بیانِ مفصل کے لیے دہشت ناک، وحشت ناک اور عبرت ناک جیسے بھی الفاظ محدود المعنی ہیں۔ اور قدرت اظہار کا دامن تنگ ہے، یہ حالات سرسید کے حساس دل نے گہرا اثر قبول کیا، اور انھیں مہمیز کیا کہ کچھ کرگزر اجائے۔ خود سرسید کے الفاظ میں انھوں نے کہا کہ اصلاح قوم کا بیڑا اٹھایا جائے۔ لہٰذا جدید تعلیم کے غیر معمولی فوائد اور اس محرومی کے نقصانات کو محسوس کرتے ہوئے انھوں نے سائنٹفک طریقۂ کار اختیار کیا۔ ماضی کے مثبت پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے پر زور دیا، اور مسلمانوں کی ترقی کے لیے علم کو بنیادی حربہ بنایا، ان کی ذات قدیم وجدید کا سنگم تھی۔ وہ مولوی مملوک علی کے شاگردِ خاص ہونے کی وجہ سے ایک طرف ماضی کے اس علم کے نگہبان تھے جو مسلمانوں کی شناخت ہے، اور دوسری طرف وہ نئے علوم وفنون کو ہندوستانیوں میں عام کرنا چاہتے تھے جس کے لیے انھوں نے کاروباری اور روزمرہ کی زبان کو فروغ دیا۔ بہرکیف سرسید نے مسلمانان ہند کی ترقی کا جو خواب کم وبیش سوا صدی قبل دیکھا تھا، اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ''مدرستہ العلوم'' کے نام سے جو بنیاد ڈالی تھی جو بعد میں برگ وبار لاکر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شکل میں ایک تناور درخت بن چکا ہے، برج کورس اسی خواب کی تعبیر کی ایک اہم کڑی ہے۔ برج کورس کا قیام اس لیے عمل میں لایا گیا ہے تاکہ مدرسہ ویونیورسٹی کے مابین حائل خلیج کو پاٹا جاسکے عقل اور تعبیرات کے گیپ کو پُر کیا جائے، لوگوں کو قریب لایا جائے۔ حقیقت میں یہ کورس طلبۂ مدارس کے لیے ایک ذریعہ ہے جہاں افکار وخیالات کو صیقل کیا جاتا ہے۔

اب جب کہ ہم برج کورس میں زیر تعلیم ہیں اور میرا علمی کارواں ''برج کورس''، جس طرح اپنی ابتداء میں بڑی امنگ وترنگ کے ساتھ چلا تھا، آج بھی اسی طرح اپنے مقصد کی طرف رواں دواں ہے، برج

کورس میں جہاں ہم نے اپنے تمام اساتذہ کرام کی محبت وشفقت ومحنت کے نتیجے میں بہت کچھ سیکھا ہے، مثلاً انگلش زبان، سماجی علوم، ریاضی، مضمون نگاری وغیرہ، وہیں پر ہمیں ایک ایسی شخصیت سے آشنا ہونے کا موقع بھی ملا جنھوں نے ہماری فکر کو ایک نیا رخ بخشا، وہ ہمارے ڈائریکٹر صاحب ''جناب پروفیسر راشد شاز صاحب'' ہیں۔ ان کا ہم سب کی طرف ایک پرامید جھکاؤ دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ جیسا کہ وہ کہہ رہے ہوں۔

تم جگنوؤں تک آئے بڑی بات ہے مگر
اب میرے ساتھ آؤ تمہیں ماہتاب دوں

ایسا ہمیشہ سے ہوتا آرہا ہے کہ جب بھی کوئی آدمی کسی اچھے کام یا حق بات کہنے کے لیے آگے بڑھتا ہے تو اس کے ہزار مخالفین پہلے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ ہمارے ڈائریکٹر سر اور برج کورس کے ساتھ ہورہا ہے۔ اس سال بھی کچھ برج کورس مخالف سرگرمیاں رونما ہوئیں۔ لیکن اللہ کے کرم سے ان پر بڑی دانشمندی کے ساتھ قابو پالیا گیا۔ یہاں ڈائریکٹر سر کے ذریعہ بین المسالک وبین المذاہب کے نام سے ایک پختہ سوچ اور نئے عزم سے پُر ایک نیا درس حاصل کیا جو ہمیشہ سے اپنے مدرسوں میں سنتے آئے تھے اور تحریر میں بھی صرف لکھتے آئے تھے اور تقریروں میں کئی بار سن چکے تھے کہ ہمیں یہ نہیں کرنا چاہیے وہ نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن ڈاکٹر راشد سر کی باتیں سننے کے بعد معلوم ہوا کہ اب تک تو صرف یہ کتابی باتیں تھیں، ہم نے آج تک اس پر عمل پیرا ہو کر دیکھا ہی نہیں۔ اس سلسلہ میں، میں نے اپنی زندگی میں ان سے زیادہ فکرمند انسان نہیں دیکھا۔

لہٰذا ایک نئے عزم کے ساتھ اب میں اس قافلے میں اپنے سفر کی شروعات کر چکی ہوں۔ ایک بات اور واضح کرتی چلوں کہ جامعہ ہی سے میرے اندر Stage face کرنے میں خوف کا مادّہ پایا جاتا تھا۔ میری چھوٹی بہن آرزو مجھ سے ہمیشہ یہی کہتی کہ ہر سرگرمی میں شامل ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن میں کبھی ہمت ہی نہ جٹا پاتی ایک دو مرتبہ کے سوا۔ لیکن برج کورس میں آکر میں نے یہاں کے اساتذہ کو اتنا حوصلہ افزائی کرنے والا پایا کہ اس کا بھی حوصلہ کر پاتی ۔ مجھے ہمیشہ سے اس بات کا ڈر رہتا تھا کہ کہیں کچھ غلط ہو گیا تو ایسا نہ ہوجائے اور ویسا نہ ہوجائے۔ لیکن یہاں پر سبھی اساتذہ نے اس بات کی ترغیب دی کہ کوئی بھی انسان خود بخود مکمل نہیں ہوتا، جب تک وہ کوشش نہ کرے۔ اور اگر ہم آج کے ڈر کو ختم کردیں گے تو انشاء اللہ مستقبل کی رسوائی سے بچ جائیں گے۔ لہٰذا برج کورس میں ایک تقریری، قرأت اور نعتیہ مقابلہ منعقد ہوا۔ چنانچہ یہی سوچ کر میں نے مقابلہ میں حصہ لینے کی ہمت جٹائی۔ لیکن جب Stage پر پہنچی تو وہی خوف غالب آنے لگا اور آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی لیکن ہمت جٹا کر نعت پوری کی۔ اس میں مجھے کوئی پوزیشن تو حاصل نہ ہوسکی لیکن ایک تشجیعی انعام سے نوازا گیا اور ہمارے جج صاحب پرووائس چانسلر صاحب نے انعام دیتے وقت حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ ''تمھیں بھی پہلا انعام مل سکتا تھا اگر آواز تیز ہوتی تو''۔ اس دن میری چھوٹی بہن نے تقریر میں پہلا مقام اور پہلا انعام حاصل کیا تھا لیکن میں ذرہ برابر بھی افسردہ نہیں تھی کیونکہ میں نے اس سے پہلے کبھی کسی مقابلے میں شرکت ہی نہیں کی تھی سوائے تحریری مقابلوں کے۔ لہٰذا اس میں شرکت کرنے کی ہمت کرنا بھی مجھے بہت بڑی بات معلوم ہو رہی تھی اور مجھے ایک خوشی کا احساس تھا کہ کم از کم ایک ڈر کو ختم کرنے کی شروعات تو کی۔

عزم سفر ہے دل میں تو کیا ہے فکر کارواں
خود ہم سے کارواں ہے نہیں کارواں سے ہم

برج کورس میں آئے ہوئے اب تقریباً چھ ماہ مکمل ہو جائیں گے یہاں وقت اتنی سرعت سے گزرا کہ کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔اب امتحانات کی تیاری بھی زور وشور سے چل رہی ہے۔ ہر ایک اپنے مستقبل میں آگے بڑھنے کی کوشش کررہا ہے اور پھر سے ایک نئی دوڑ کی شروعات ہونے والی ہے۔محنت ایسا باغ ہے جس میں ہراس پھول کی کاشت ہوتی ہے جس کا درخت اپنے ہاتھ سے لگاتے ہیں،لہٰذا ہرایک کواس کی محنت کے مطابق پھل ملے گا''وان لیس للانسان الا ماسعی وان سعیه سوف یریٰ''۔ (انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو وہ محنت کرتا ہے اوراس کی محنت دیکھی جائے گی)۔

کبھی کبھی جب ماضی کے پنّے پلٹ کر دیکھتی ہوں جس میں اس سوچ میں کہ ہمیں مزید آگے پڑھنے کا موقع نہیں ملے گا، اس میں جکڑے ہوتے تھے۔پھر جامعہ جانے کے لیے راستہ کھل جانااور یہی سوچنا کہ شاید بس عالمیت تک ہی میرا سفرختم ہوجائیگا کہ اللہ کا کرنا کہ اس نے میرے لیے مزید راہ فراہم کی کہ میرا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اس کورس میں داخلہ ہوجانا جو مرحوم'' سرسید احمد خاں'' کے خوابوں کی تعبیر نظر آتی ہے کہ''ایک ہاتھ میں فلسفہ، دوسرے ہاتھ میں سائنس اور سر پر قرآن پاک ہو''میرے عزائم کو کو عملی جامعہ پہنانے میں ایک مثبت قدم ہے۔ یہ سب یونہی نہیں ہوا۔شاید خدا کو کچھ اور ہی منظور ہے۔

انسانیت جس کرب سے کراہ رہی ہے اسے نجات دلانے کی فکر عمر کے ساتھ ساتھ وسیع ہوتی جارہی ہے۔ اسلام نے جو حقوق دیئے تھے مسلم خواتین کے اعتبار سے اس کو معاشرہ نے چھین لیا۔مسلم خاتون کو Public Space سے بے دخل کردیا اور گھر کو ان کو محدود دائرہ کار بتا کر گھروں میں بند کردیا۔ حالانکہ عورتوں کا دائرہ کار اگر صرف گھر ہوتا تو ہماری تاریخ میں عورتوں کے جو نام ملتے ہیں وہ نہ ملتے۔اب برج کورس اس پر کام کررہا ہے کہ مسلم خواتین کی بھی ایک نئی نسل سامنے آئے جو اسی رول کو زندہ کرے جو کہ صدر اوّل کی مسلم خواتین نے کیا۔

لہٰذا میں سماجی وفلاحی کاموں حصہ بن کر سماج کی، انسانیت کی اور امتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔

ہمارے اصول وعقائد اور خیالات کیسے ہی اعلیٰ اور پاکیزہ کیوں نہ ہوں اور خواہ وہ ہمیں کیسے ہی عزیز کیوں نہ ہوں اگر زمانے کے اقتضا کے مطابق ان میں جدت اور تازگی نہیں پیدا کی جائے گی تو ایک روز بند پانی کی طرح بدبو پیدا ہوجانے کی، اوران میں سے ایسے جراثیم پیدا ہوجائیں گے جوان کی ہلاکت کا باعث ہوں گے۔لہٰذا میں یہی کہنا چاہوں گی کہ ؎

ایک نئی فکر نئی سوچ سے ناطہ رکھئے
حرف احساس سجانے کا سلیقہ رکھئے
ساتھ چلئے تو زمانے کی سیاست کے مگر
اپنی تہذیب کو ہرحال میں زندہ رکھئے

لہٰذا اپنے دین، اپنی تہذیب کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے اسلام کو ایک نئی فکر کے ساتھ دنیا کے سامنے لانا ہے جو فرقہ وارانہ تعصب سے پاک ہو۔آج امتِ مسلمہ کو ان انقلابی نوجوانوں کی ضرورت ہے جن کے حوصلہ مندانہ روشن کارنامے تاریخ کی کلائی مروڑ سکیں اور پھر اسے نئی جہت دے سکیں۔ مجھے امید ہے کہ برج کورس کے جتنے فارغین ہیں اور آئندہ جتنے فارغ ہوں گے وہ اس مقصد کو ممکن بنائیں گے اور ایک تحریک چلے گی جو قرآن وحدیث کی اور سائنس وٹکنالوجی کی حامل ایک جماعت ہوگی جس کا سہرا اس برج کورس کے سر ہوگا(انشاءاللہ)۔

زمانے کے حوادث سے کبھی ہم منہ نہ موڑیں گے
قسم ماضی کی مستقبل کو روشن کرکے چھوڑیں گے

روشنی امیر

میرا نام روشنی امیر اور میرا تعلق ایک ایسے صوبے سے ہے جس کو ہندوستان میں تعلیمی، تہذیبی اور مالی اعتبار سے بہت کمزور سمجھا جاتا ہے، یعنی صوبہ بہار سے۔ صوبہ بہار کے ویشالی ضلع سے میرا تعلق ہے۔ جو کہ ایک تاریخی جگہ کے نام سے مشہور ہے۔ والدین ہماری اچھی تربیت کے ساتھ ساتھ دیگر بہت سے بچوں کے بھی تعلیمی اور تربیتی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اسکول کے استاد ہونے کی حیثیت سے ان کو یہ فرائض انجام دینے کا موقع ملا یہ میرے لیے باعث فخر ہے۔ میرے گھر میں دینی مدرسہ کی تعلیم بہت کم تھی۔ جس کی وجہ سے تربیتی پہلو زیادہ روشن نہ تھا۔ لہٰذا والدین نے مجھ سے دینی تعلیم کو اس گھر میں پھیلانے کی شروعات کی۔ اور ایک مدرسہ جو کہ جامعۃ الصالحات کے نام سے پورے ہندوستان میں لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کا مرکز مانا جاتا ہے میرا داخلہ کروا دیا۔ جس کے باعث مجھے برج کورس میں بھی شرکت کا موقع مل گیا۔ میں نے پچھلے سال (۲۰۱۵ء) میں عالمیت مکمل کرنے کے بعد اس گوہر نایاب میں قدم رکھا۔ اور اس قافلہ کی تیسری یعنی موجودہ کڑی کا حصہ ہوں۔

برج کورس میں میرا علمی سفر

ہر نئے سفر کی شروعات پہلے قدم سے ہوتی ہے خواہ وہ سفر دراز ہو یا چند لمحات کا ہی کیوں نہ ہو۔ اور تقریباً کوئی سفر بھی بلا مقصد نہیں کیا جاتا ہے۔ اور منزل بھی بنا جدوجہد حاصل نہیں ہوتی۔ عام طور سے لوگوں کو دورانِ سفر صعوبتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر ہم سفر اچھے ہوں تو سفر بھی ناگوار نہیں ہوتا۔ اسی طرح میرا بھی ایک بہترین سفر رہا۔ اور اس سفر کو میں نے گمان سے کہیں زیادہ بہتر جانا۔

یہ صرف میرا سفر ہی نہیں بلکہ میری دیرینہ خوابوں کی تکمیل کی ایک جھلک ہے۔ جس کا قیام اگرچہ نہایت ہی جدوجہد اور صعوبتوں کا باعث رہا۔ لیکن اس کا قیام ہم جیسے سینکڑوں طالب علموں کے لیے اور امت مسلمہ کے لیے ضرور کارگر ثابت ہوگا۔

نئے سفر کی شروعات سے قبل ایسے پرانے سفر کو مدنظر رکھنا خاصا اہمیت کا حامل ہے۔ چونکہ میرے لیے سفر کے لیے زادِ راہ پرانے سفر نے ہی فراہم کی ہے۔ اس سفرِ عزیز کی شروعات جامعۃ الصالحات سے ہوئی۔ یہ خدا کا بہترین عطیہ ہے کہ مجھے مدارس سے وابستہ کیا تاکہ میں اپنا مقصدِ حیات پہنچان سکوں۔

چونکہ میری پیدائش ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جس کا تقریباً ہر فرد تعلیم یافتہ تو تھا۔ لیکن تعلیم کی اہمیت سے ذرا بھی شناسائی نہ تھی۔ لہٰذا میری والدہ نے میرا نام روشنی رکھا۔ اس امید کے ساتھ کہ میں تعلیم کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنے اہلِ خانہ میں انقلاب پیدا کرونگی اور اس تاریکی کے پردہ کو چاک کر کے انہیں روشنی کی طرف لے آؤنگی۔ اس خواہش کی تکمیل کے پیشِ نظر والدین یہ نہیں چاہتے تھے کہ میری پرورش اس گھر میں ہو جہاں میر

ی اچھی تربیت نہ ہوسکے لہٰذا انھوں نے میری تربیت کی ذمہ داری نانی جان کوسونپ دی۔اور جب میں اسکول جانے کے قابل ہوگئی تو وہیں میرا داخلہ بھی کروادیا۔

اتفاقاً چند سالوں بعد ہی نانی جان دنیائے فانی کو الوداع کہہ کر عالم جاودانی کو کوچ کر گئیں۔اس واقعہ کے بعد دوسال تک میرا تعلیمی سلسلہ میرے گاؤں سے ہی منسلک ہوگیا۔ایک دن میری امی کو ان کے ماموں جان نے جامعۃ الصالحات سے روشناس کرایا۔اور امی نے زیادہ نہ سوچتے ہوئے جلد ہی میرا داخلہ جامعۃ الصالحات میں کرانے کا ارادہ کرلیا۔اس وقت میری عمر صرف ۸/سال کی تھی۔حالانکہ مجھے خود سے اتنی دور اور اجنبی جگہ بھیجنے کا فیصلہ میری امی پر بہت شاق تھا۔اور پھر ایک بار اپنے مخالفین کو اپنے تئیں مخالفت کرنے کا موقع بھی دے رہا تھا۔لیکن انھوں نے میری تربیت کے لیے ان سب باتوں کو نظر انداز کردیا۔اور لوگوں کی دکھ دینے والی اور دل شکستہ باتوں کے باوجود بھی انھوں نے والد کی اجازت کے بعد میری روانگی کی تیاریاں شروع کردیں۔اور میرے ٹیسٹ کی تیاری کے لیے کوشاں ہوگئیں۔اور اب وہ بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہوگئیں کہ خیر وخوبی سے میرا داخلہ ہوجائے ۔کیونکہ انہیں میرے داخلہ کی امید نہیں تھی۔اور اس نا امیدی کی وجہ میری اردو زبان کی کمزوری تھی۔تمام تیاریوں کے بعد والدین میرا داخلہ کرانے کے لیے روانہ ہوگئے۔اور اللہ نے میرے والدین کی جائز تمناؤں کو قبول کرلیا۔اور میرا داخلہ خیر وخوبی کے ساتھ درجہ پنجم میں ہوگیا۔داخلہ کے وقت تو ہم سب شاداں وفرحاں تھے۔اور میں بھی اس خیال سے بہت خوش تھی کہ اب ڈانٹ نہیں پڑیگی۔لیکن جوں جوں والدین کی رخصتی کا وقت قریب آیا دل بے ساختہ آبدیدہ ہوگیا۔

بہر کیف وہ ابتدائی چند ایام تو مجھ پر بہت شاق تھے کیونکہ انسان کو قدرت نے ایسی ساخت میں پیدا کیا ہے کہ والدین کی فرقت اسی پر نہایت ناگوار گزرتی ہے۔ گردشِ ایام کے ساتھ ساتھ میں نے بھی اسے مادرِ علمی کو اپنے لیے خدا کا عظیم عطیہ سمجھ کر قبول کرلیا۔ اور مجھے اس گوہر نایاب سے بے پناہ محبت بھی ہوگئی۔ کیونکہ مجھے میرے مادرِ علمی نے وہ سب کچھ دیا جس کی بھرپائی دوسرے institution سے نہ ہو پاتی۔

جب میں نے عالمیت کی دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو تفسیرِ قرآن بھی ہمارے نصاب میں شامل تھی۔ اسی دوران سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی تفہیم القرآن کے مطالعہ کا موقع ملا۔ اور رفتہ رفتہ مجھے اس میں بڑی دلچسپی پیدا ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے مولانا مودودی کی چند اور کتابوں کا مطالعہ بھی کیا۔ اور میں ان کے نظریات سے بہت متاثر ہوگئی۔ اسی دوران میرے حاشیۂ خیال میں یہ بات گزری کہ بڑے ڈاکٹر، یا بڑی معلمات صرف اس وقت تک اپنے فرائض انجام دے کر دنیا کو فیضیاب کرتے ہیں جب تک وہ بقیدِ حیات رہتے ہیں۔ لیکن ایک عظیم مصنف اپنے تحریری پیغامات کے ذریعہ ہر دور کے لوگوں کو بیدار کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا میرے اس خیال نے مجھ میں مصنف بننے کا شوق پیدا کردیا۔ اور رفتہ رفتہ یہ شوق میرے مقصدِ حیات کی شکل اختیار کرنے لگا۔ اور بار بار مجھے یہ سوال پریشان کرتا رہا کہ کیا میں اپنے مقصد کا حصول بھی کر پاؤں گی یا نہیں۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے دینی و دنیاوی علوم دونوں جو ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں، ضروری ہیں۔ اور میں یہ سوچ کر مضطرب تھی کہ اگلے سفر کا آغاز ہوگا بھی یا نہیں۔ البتہ عالمیت مکمل ہونے سے چند ماہ قبل ہی ایک معلّمہ کے ذریعہ میری رسائی ایک ایسے برج سے ہوئی جو کہ بہت سے طلباء کو ان کے خوابوں کے ساحل تک پہنچا چکا تھا۔

وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے میں نے اس برج سے اپنے والد صاحب کو بھی آشنا کیا۔ اور اجازت طلب کی تو وہ ہاں اور نہ کی

کشمکش میں تھے۔لہٰذا انھوں نے کوئی مؤثر جواب نہ دیتے ہوئے یہ کہہ کر اس بات کو نامناسب قرار دینے کی کوشش کی کہ اگر آپ بہتر سمجھیں تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔لیکن ان کی آنکھیں اس بات کی گواہی دے رہی تھیں کہ یہ لمحہ ان پر نہایت ہی شاق ہے۔کیونکہ والدین کبھی بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی اولاد کو طنز وتشنیع کا نشانہ بنایا جائے میں ایک مدرسہ کی طالبہ تھی اور یکا یک ایک یونیورسٹی کا رخ کرنے کی خواہش لوگوں کو میرے اور میرے والدین کے خلاف کردینے والی تھی۔اور دوسری طرف میری وہ آرزو جس کی تکمیل کے لیے میں نے والد سے بزبانِ قال تو درخواست نہ کی۔لیکن بزبانِ حال سب کچھ بیان کردیا۔اور انہیں اپنے تاثرات سے یہ ضرور بتانے کی کوشش کی کہ اگر آپ راضی نہیں ہوں گے تو مجھے بہت برا محسوس ہوگا۔میری ان کوششوں میں میری والدہ نے میری بھرپور حوصلہ افزائی کی اور ہمیشہ یہ جملہ کہتیں:

When you want something all the universe conspires in helping you to achieve it.

میں اپنے والد کو بلاسوال برج کورس کی خوبیوں سے آگاہ کرتی رہی آخر کار وہ بھی رضامند ہوگئے۔والدین کی اجازت کے بعد میں نے بھی خود کو اس سفر کے لیے تیار کرلیا۔لیکن میرے اعزّاء واقرباء میں بہت سے لوگ ایسے تھے جن کو میرا یہ سفر پرخطر اور فضول نظر آرہا تھا۔اور انھوں نے مجھے اس سفر سے روکنے کی ہرممکن کوشش بھی کی۔کیونکہ انھوں نے یونیورسٹیوں کے طلباء وطالبات کے لیے ایک الگ سی رائے قائم کررکھی ہے کہ ان طلباء وطالبات کا معیارِ اخلاق بلند نہیں ہوتا۔اور انہیں تہذیب سے بھی آشنائی زیادہ نہیں ہوتی۔اور اب میں بھی اسی زمرے میں شامل ہونے کی تیاری کررہی تھی۔

بہرحال ان تمام مخالفتوں کے باوجود میں نے Form fill کر دیا اور Entrance Test کے لیے علی گڑھ آ گئی۔ یہاں آنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ مدارس کے طلباء وطالبات کی ایک بڑی تعداد اپنے مقصد کو حاصل کرنے اور اپنے سفر کو جاری رکھنے کے لیے کوشاں ہیں۔ جب میں نے Test paper دیکھا تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ شاید اب میرا خواب ادھورا رہ جائے گا۔ اور میں یہاں داخلہ لینے سے قاصر رہ جاؤں گی۔ لیکن پھر بھی میں نے کوشش جاری رکھی۔ اور جب میں امتحان گاہ سے واپس آئی تو میرے والد نے میرا غمگین چہرہ پڑھ لیا۔ لیکن مجھے اس بات کا اندازہ اس وقت تو نہ ہوسکا۔ اور والد پورے سفر مضطرب رہے۔ اور گھر جا کر انھوں نے کہہ دیا کہ وہاں موجود تمام طالب علم بہت خوشی سے واپس آئے لیکن میری دختر کا چہرہ بہت غمگین تھا۔ لہٰذا مجھے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید داخلہ نہ ہوسکے۔ اور جب یہ الفاظ میرے پردۂ گوش سے ٹکرائے تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا میں واقعی اب کچھ نہیں کر سکتی۔ اور میرا مقصدِ حیات بھی ادھورا رہ جائیگا۔ اور اب مجھے امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی۔

میں نے خدا سے بہتری طلب کی۔ مجھے یقین تھا کہ خدا کا فیصلہ جو بھی ہوگا وہی میرے حق میں بہتر ہوگا۔ لیکن نہ جانے کیوں دل بہت پریشان سا رہتا تھا۔ اور ہر وقت یہی فکر لاحق رہتی تھی کہ اگر داخلہ نہ ہوا تو میں اس فیصلہ کو قبول نہ کر پاؤں گی۔ اور اسی فکر میں میں شب و روز مایوس و پریشان رہتی۔ میری مایوسی اور خاموشی دیکھ کر امی ہمیشہ تسلی دیتیں اور کہتیں:

They conquer who believe they can

یہ سنتے ہی پھر سے امید کی ہلکی جھلک نظر آتی۔ لیکن جیسے ہی ناکامی کا خیال آتا پھر سے میں دل شکستہ ہو جاتی۔ اور ان دنوں زندگی کا ایک ہی مقصد نظر آنے لگا تھا۔ اور وہ برج کورس تھا۔ اسی کرب میں کافی دن گزر گئے تھے۔ اور میں کسی بھی حال میں ناکامی کا سامنا کرنے سے گریز کر رہی تھی۔ اور ہر لمحہ اللہ سے کامیابی کے لیے دعا گو تھی۔ اسی دوران میں نے ڈاکٹر کلام کا یہ مقولہ پڑھا۔

"Difficulties in your life don't come to you but to help you realize your hidden, potential and power, Lets difficulties know that you are too difficult".

اس کو پڑھنے کے کافی دیر بعد تک میں اس کے بارے میں سوچتی رہی اور ناکامی کو قبول کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہوا۔ ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک والد صاحب آ گئے۔ اور انھوں نے مزید میری حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ ''وہ شخص کبھی کامیاب نہیں ہوتا جس میں ناکامی کا خوف کامیابی کی چاہت سے زیادہ ہو''۔ اور یہ بھی کہا کہ تیرنے والے ہی تو ڈوبتے ہیں۔ اور ہر ناکامی کامیابی کی راہیں ہموار کرتی ہے۔ ان تشفی بخش جملوں سے کچھ دیر تک تو افاقہ رہتا۔ لیکن چند لمحات کے بعد پھر سے میری اداسی نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیتی۔ اور اب تقریباً نتائج کے اعلان کا وقت بھی آ ہی گیا تھا۔

ایک روز میں اسی سوچ میں تھی کہ اچانک والد صاحب کا فون آیا اور انھوں نے مجھے نتائج کے اعلان ہونے کی خبر دی۔ اور میری کامیابی کی مبارکباد بھی دی۔ کچھ لمحات تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں خواب میں ہوں۔ پھر میں نے اللہ کا بہت شکر یہ ادا کیا۔ لیکن ابھی ایک مرحلہ باقی تھا۔ اور شاید یہ مرحلہ زیادہ دشوار بھی تھا۔ کیونکہ میں بہت پست حوصلہ ہوں۔ اور کسی بڑے سے روبرو بات کرنا میرے لیے بہت دشوار ہوتا ہے۔ لیکن یہ مرحلہ بھی خیر وخوبی سے گزر گیا۔ اور اب میں بہت شاداں و فرحاں تھی۔ کیونکہ میں اپنے نئے سفر کی شروعات کے لیے تیار تھی۔ اور بہت بے چینی سے اس کے ابتداء کا

انتظار کررہی تھی۔ آخر کار وہ دن بھی آپہنچا اور نئے سفر کی ابتداء بھی ہوگئی۔ جب میں نے پہلے دن شرکت کی تو میں نے اپنے اندر بہت جھجھک محسوس کی۔ اور مجھے اس بات کا بھی اندازہ ہوا کہ میرے خیال سے بہت دور بھی ایک دنیا بستی ہے۔ جہاں لوگ زمین چھوڑ کر چاند پہ جا بسنے کی کوشش میں ہیں۔لیکن یہاں مجھے ایسے اساتذہ ملے جنھوں نے نہ صرف ہمیں تعلیم دیکر اپنے فرض کی ادائیگی کی بلکہ ہمارے اندر خود اعتمادی بھی پیدا کی ۔ اور ہمیں اس بات کا احساس دلایا کہ خوداعتمادی کامیاب زندگی کی شاہ کلید ہے۔ یہ زندگی کو دلچسپ، رنگین، پرعزم وحوصلہ اور متحرک فعال بنانے میں اہم ترین رول ادا کرتی ہے۔ اگر کسی فرد کے اندر خود اعتمادی کا جوہر ہوتو وہ بہت سی کمزوریوں کے باوجود اعلیٰ ترین مقامات تک پہنچ سکتا ہے۔اور واقعی یہ احساس ہوا کہ برج کورس میں داخلہ لینا ایک روشن مستقبل کے لیے راہیں ہموار کرتا ہے۔اور میرے خوابوں کی ایک حقیقی تصویر میری نظروں میں ابھر آئی۔

اس کورس میں داخلے کے بعد جو تبدیلی آئی وہ میرے لیے صد مسرت کا باعث ہے۔اس کورس میں پڑھایا جانے والا ایک فن جس کو Inter-faith and Intra-faith سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس میں میں نے اپنے عظیم مفکر اسلام کے ذریعہ اسلام کی آفاقیت کو سمجھا۔

مدرسہ کی طالبہ ہونے کے باوجود مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ امت مسلمہ آج برق رفتاری سے زوال کی طرف گامزن ہے۔مگر ہماری سردمہری ہے کہ اس کے تدارک کا خیال تک نہیں آتا۔ہم اپنے میں مگن ہیں، اپنے کو صحیح اور دوسرے کو غلط ، اپنے کو حق اور دوسرے کو باطل، اپنے مفاد کی وجہ سے منافقت کا استعمال، یہ ہماری رگ و پئے میں شامل ہے۔صرف اتنا ہی نہیں لوگ مسلکی تعصب میں اس قدر گرفتار ہو چکے ہیں کہ فرقہ سے وابستگی کو ایمان واسلام کا لازمی جزقرار دینے لگے ہیں۔

Inter-faith and Intra-faith کے موضوع پر جاری رہنے والے تقریباً ایک ماہ کے اس سلسلہ میں مختلف فرقوں سے وابستہ طلباء سے روبرو ہوکر ان کے خیالات سننے کا موقع ملا۔ اور عالم اسلام کی موجودہ صورتِ حال اور مسلمانوں کے تنزل اور انحطاط نے امت مسلمہ کی ایک فرد ہونے کی حیثیت سے مجھے اپنی ذمہ داری کا احساس دلایا۔

برج کورس کے قیام کا ایک نیا مقصد جو میرے سمجھ میں آیا ہے۔ وہ قوم کے نوجوانوں کی بیدار مغزی بھی ہے۔ اور مستقبل کے لیے ایک ایسے گروہ کی تشکیل نو جو صرف مسلمان ہو۔ جس کے لیے فرقہ سے وابستگی کوئی معنی نہ رکھتی ہو۔ کیونکہ حصہ داری افراد کے ذریعہ نہیں جماعت کے ذریعہ ملتی ہے۔ اور یہاں مختلف مدارس کے طلباء یکجا ہوکر قوم کا مستقبل سنوارنے کے لیے کوشاں ہیں ۔ مدارس سے فراغت کے بعد وہ ان فرائض کو انجام دیتے ہیں۔ لیکن کسی خاص گروہ سے وابستہ ہوکر ہی اس فریضہ کو انجام دیتے ہیں۔ لیکن یہاں اصلاح کے بعد سب بنیان مرصوص کے زمرے میں شامل ہوتے جارہے ہیں۔ جس کے ذریعہ ہم اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کر سکتے ہیں۔ جس پر صدیوں سے ہمارے اسلاف کا قبضہ رہا ہے۔

میں نے اس کورس کو دینی تعلیم اور عصری تعلیم کے درمیان خلا کو پورا کرنے کا ایک آلہ جانا تھا۔ لیکن میرے لیے یہ صرف خلا کو پُر کرنے والا برج نہیں ہے۔ بلکہ یہ برج ایسا ثابت ہوا جس کا تعلق میرے خوابوں سے بھی ہے۔ چونکہ مجھے یہاں عظیم مفکرِ اسلام اور عظیم مصنف ڈاکٹر راشد شاز اپنے استاد کی شکل میں ملے۔ اور انھوں نے لکھنے کے فن کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے اپنی سر پرستی میں Conceptual Writing کے نام سے ایک مضمون ہمارے نصاب میں شامل کردیا۔ اور فوقتاً فوقتاً عملی جائزہ لیتے رہتے ہیں یہ وہ اہم لمحات ہیں جو میرے خوابوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے اور اپنے خوابوں کو حقیقت میں تبدیل کرنے میں کوشاں ہیں۔ بحیثیت طالبہ برج کورس مجھے عالمی سطح پر منعقد ہونے والی کانفرنسیں جس کو Reconfiguring Inter-faith and Intra-faith سے موسوم کیا گیا تھا۔ اس میں حاضر ہوکر علماء کے خیالات سے بھی واقفیت ہوئی۔ اور اپنا خیال پیش کرنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔

اس مبارک چمن نے نہ صرف میری رہنمائی دنیاوی علوم کی طرف کی بلکہ دینی علوم میں تدبر و تفکر کا ذوق وجذبہ پیدا کردیا۔ اور چند مہینوں میں ہی ہمیں دنیاوی علوم کی بھی اتنی معلومات فراہم

کردی کہ مستقبل میں ہم کسی بھی میدان میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ مضمون کس شعبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ خواہ وہ سائنس کے مضامین ہی کیوں نہ ہوں۔

راشد شاز سر کی میں تاعمر ممنون و مشکور ہونگی جنھوں نے ہماری کمزوریوں کو سمجھتے ہوئے اس کورس کا آغاز کیا۔ اور ہماری روپوش صلاحیتوں کو جلا بخشی اور ہمارے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے اس عظیم چمن کا انتخاب کیا۔ جس کی فضا پر رونق اور مستقبل میں اپنی خوشبو سے پوری دنیا کو معطر کر دینے والی ثابت ہوگی۔ میں اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ یہ ابر سارے جہاں پر برسے اور پھر سے پوری دنیا کو سرسبز و شاداب اور امن و سکون کا گہوارہ بنادے۔

چونکہ برج کورس میں میرا علمی سفر ابھی جاری ہے۔ لہٰذا میرے تاثرات کا ذخیرہ بھی بہت وسیع نہیں ہے۔ لیکن اب تقریباً ہم آخری لمحات میں سرعت سے داخل ہوتے جا رہے ہیں۔ اور گذشتہ ایام بھی اتنے ہی رفتار سے گزر گئے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چند ماہ کی مختصر مدت میں بغیر مبالغہ کئی سال کے علوم کی بھرپائی ہوتی جا رہی ہے۔

ایک طرف تو دنیاوی علوم حاصل کر کے خوابوں کو پورا کرنے کی بے پناہ خوشی ہے تو دوسری طرف اپنے اہل خانہ سے بچھڑنے کا بے پناہ غم بھی ہے، جس نے مجھے اپنے خیالات کو سپرد قرطاس کرنے کا موقع عنایت کیا۔ اس کورس سے رخصتی کے بعد میں B.A. English (Hons.) میں داخلہ لینے کی خواہاں ہوں۔

تاکہ اس زبان میں الامر بالمعروف والنھی عن المنکر کے فرائض کی بھی ادائیگی کر سکوں۔ کیونکہ دنیا کیا یک بڑی آبادی جو ہماری زبان سمجھنے سے قاصر ہے، وہ انگریزی زبان پر قدرت رکھتی ہے۔ لہٰذا اس کے ذریعہ ہمیں اپنے پیغام کی رسائی ان تک کرانے کے مواقع بھی فراہم ہوں گے۔ اس زبان پر قدرت حاصل کرنے کے اور بھی بہت سے فوائد ہو سکتے ہیں۔ جس سے اب تک میری آشنائی نہیں ہے۔

اب مجھے فخر ہے کہ ایک ایسے کارواں کا حصہ ہوں جس کے ماحول نے کچھ اس طرح تربیت دی ہے کہ اوروں سے بلند نہ سہی مگر اوروں سے کم بھی نہیں ہوں۔ اور اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو مستحکم کر کے اور اپنے عزائم کو بلند کر کے احساسِ کمتری کی چادر کو اتار پھینکوں اور اپنے مقصدِ حیات کی طرف بھرپور توجہ مبذول کر کے دنیا کے لیے منارۂ نور بن جاؤں اور اپنی روشنی سے تاریکی اور ظلمت میں ڈوبے گلی کوچوں کو بھی منور کر دینے کا عزم کرتی ہوں۔ اس عزم کی حصولیابی دشوار ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔ اللہ حامی و ناصر ہو۔

ملحقات

ملحقات کا یہ حصہ برج کورس کے موجودہ طلباء کے تاثرات پر مشتمل ہے۔ چونکہ انہیں انعامی مقابلے میں شرکت کا موقع نہیں مل سکا تھا، انہیں دعوت دی گئی کہ اگر وہ بھی اس بزم میں شریک ہونا چاہیں تو کتاب پریس جانے سے پہلے اس موقع سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اب ان کی شرکت سے برج کورس کے چار سالوں کے طلباء کی مکمل نمائندگی ہوگئی ہے۔

(ادارہ)

محمد عادل خان

''تم گمراہ ہوجاؤ گے، اس کے عقائد درست نہیں، شیطان کے وسوسوں کا گھر ہے برج کورس۔'' میرے ایک عزیز دوست کے یہ جملے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے متعلق بھی یہی باتیں کہی گئی تھیں پھر بھی حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے یہ سوچ کر رسول اکرم ﷺ کی باتیں سنیں کہ ''میں ایک عقل مند انسان ہوں، میرے اندر شعور کی کمی نہیں، اچھائیوں اور برائیوں کی تمیز میرے اندر موجود ہے، اس کے باوجود بھی اگر میں ان کی باتیں نہیں سنتا اور لوگوں کی باتوں میں آکر فرار اختیار کرتا ہوں تو مجھ سے بڑا بدنصیب اس پورے جہان میں کوئی نہ ہوگا۔'' میں نے مختصراً جواب دیا۔

''تم نہیں سمجھ رہے، یہ ایک فتنہ ہے۔'' میرے رفیق نے دوبارہ عرض کیا۔

میں نے کہا ''میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ راشد شاز صاحب رسول اللہ کے اور میں طفیلؓ کے مقام پر ہیں۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دین کے متعلق میں نے بھی پڑھ رکھا ہے اور اچھائی اور برائی کی تمیز مجھے بھی آتی ہے، لہٰذا اگر میں کس شخص کی باتیں صرف اس غرض سے نہ سنوں کہ وہ مجھے گمراہ کرسکتا ہے تو مجھ سے بڑا کوئی جاہل نہ ہوگا۔''

یہ اور اس طرح کی سیکڑوں باتیں میرے کانوں سے ٹکراتی رہیں۔ اسی وقت سے جب سے میرے دوستوں کو میرے 'برج کورس' میں داخلے کے بارے مں معلوم ہوا۔ الغرض قصہ تمام ہوا اور اب میں برج کورس کا طالب علم ہوں، الحمدللہ۔ میڈیا کا ایک مشہور طریقہ ہے، پروپیگنڈوں کو حقیقت کے طور پر پیش کرنے کے لئے جس کا کافی استعمال ہوتا ہے، یعنی ایک بات کو اتنی دفعہ ریپیٹ کیا جائے کہ سامعین اسے حقیقت ماننے پر مجبور ہوجائیں۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوا۔ میرے سامنے لاتعداد مرتبہ ڈائریکٹر برج کورس کی خامیوں اور کوتاہیوں کو شمار کرایا گیا اور اتنی مرتبہ مجھ پر جملے کسے گئے کہ میرے اندر بھی مخالفت کی ایک کیفیت پیدا ہوگئی۔ ایسی کد کہ میں واقعی شمر عن ساق الجد آستینیں چڑھا کر مخالفت پر اتر آیا، میں نے سوچا کہ دیکھتا ہوں ڈائریکٹر سر کی گمراہی کی انتہا کیا ہے اور میں کب تک ثابت قدمی کے ساتھ اپنے موقف و مسلک کا دفاع کرسکتا ہوں۔

میں نے ان کی مخالفت کی اور دوسروں کو بھی مخالفت پر ابھارا، طرح طرح کے بے ہنگم سے سوالات کے ذریعہ ان کو خاموش کرانے کی کوشش کی، دوسروں کو سوالات پر ابھارا، لیکن—— ہاں لیکن، ایک مثل ہے۔ پنچھی جب تک قید میں رہتا ہے، اپنے پنجرے کو ہی حفاظت کی جگہ سمجھتا ہے اور قید کو آزادی اور آسمانوں کی سیر کو قید سے تعبیر کرتا ہے، لیکن جب اسے آزادی ملتی ہے، فطرت سے روشناس ہوتا ہے تب اس کی سمجھ میں آتا ہے، 'ابھی

عشق کے امتحاں اور بھی ہیں' اور سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ 'جہانوں کے آگے جہاں اور بھی ہیں'۔

میرے حالات نے تبدیلی کو قبول کرنا شروع کر دیا، زندگی کروٹ لینے لگی اور ذہن کے خفتہ گوشے ستاروں کی دھیمی روشنی کو خیر باد کہنے اور سورج کی روشنی میں آنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ مری سوچ ثابت سے سیارہ ہونے لگی۔ اس تبدیلی کو میں صاف صاف محسوس کرتا ہوں اور جب غور کرتا ہوں تو دو چیزوں کو اصل سبب کے طور پر دیکھتا ہوں۔ میرے اندر سوالات پہلے سے موجود تھے۔ اپنے افعال، اعمال اور بعض طریقوں پر شکوک وشبہات تو شروع سے ہی موجود تھے، لیکن زنجیر سے خود کو توڑنا اور تقلید سے خود کو آزاد کرنے کی ہمت مجھ میں نہ تھی۔ اس تقلید سے نکلنے میں، میں اگر سب سے زیادہ مددگار سمجھتا ہوں تو وہ ڈاکٹر راشد شاز کی ذات کو سمجھتا ہوں۔ ان کی باتیں، ان کے سوالات، ان کو تلاش کرنے کا جذبہ، امت کو ایک کرنے کی فکر اور دقیانوسیت سے تبری کرنا، یہ وہ باتیں ہیں جنھوں نے مجھے ایک نئی سوچ عطا کی اور امت کے لئے کچھ الگ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ حالانکہ آج بھی میں ان کی بہت سی باتوں سے اتفاق نہیں رکھتا۔ مجھے اس بات سے مطلب نہیں کہ وہ قرآن و احادیث سے متعلق کیا رائے اور کون سی فکر رکھتے ہیں، لیکن ان کی اس فکر سے میں بالکل متفق ہوں کہ امت کے بکھرنے اور اس کی تباہی و بربادی کی اصل وجوہات کو تلاش کیا جائے اور کمیوں اور کوتاہیوں کو دور کر کے خلافت کو قائم کیا جائے، امت کو ایک چین میں متحد کیا جائے، صرف یہ کہہ کر کہ ''امت کی تباہی کا ذمہ دار ہمارے اعمال ہیں'' بات کو ٹالا نہ جائے، اور ''اعمال سے مراد صرف نماز روزہ مراد نہ لیا جائے۔''

ہاں امت کی تباہی کی ذمہ داری ہمارے اعمال پر جاتی ہے، لیکن اعمال کون سے؟ اعمال یہ ہیں کہ ہم نے اتحاد کی فکر چھوڑ دی، ذاتی نیکیوں کو امت کے اعمال پر ترجیح دی، رہبانیت کو اپنا لیا اور عالمی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔ سائنس کو حرام بتا کر طاقت کے حصول کو ترک کر دیا۔ غور وفکر کو تباہ کن، فرقہ بندی کو جزو ایمان سمجھ لیا اور فرقہ واریت کے بتوں کی پوجا ہی ہماری اصل الاصل بن گئی، روایت پرستی کو دین بنا لیا اور اصل اسلام سے آنکھ موند لی۔

یہ وہ افکار ہیں جن میں استقامت برج کورس نے عطا کی۔ ان تمام باتوں کے لئے میں اس کورس کے قائم کرنے والوں اور ترقی دینے والوں کو تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں گمراہ نہیں ہوا۔ یہ میں سوچتا ہوں، لیکن جس فکر میں ترقی 'برج کورس' میں ہوئی، اسی کو اگر گمراہی کہا جاتا ہے تو ایسا سمجھنے والوں کا خدا بھلا کرے۔

ساجد علی

برج کورس کا اشتہار میں نے اخبار میں اس وقت دیکھا تھا، جب میں اپنی عالمیت کے چوتھے یا پانچویں سال میں تھا۔ اسی وقت میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایک دن میں بھی اس کورس کا طالب علم بنوں گا، کیوں کہ اس وقت میں نے اپنے مستقبل کے لئے کوئی منصوبہ نہیں بنایا تھا اور کوئی رخ متعین نہیں کیا تھا، لیکن جیسے جیسے میں اپنی عالمیت کے آخری سالوں میں آتا گیا میں نے مستقبل کے بارے میں سوچنا شروع کردیا۔ تو میں نے اپنی نظر اپنے سینئر ساتھیوں پر دوڑائی کہ مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد وہ کیا کرتے ہیں، تو مجھے معلوم ہوا کہ ان میں سے کچھ مدرسہ کی تعلیم پر ہی اکتفا کر کے کسی مدرسہ میں درس وتدریس یا پھر کسی مسجد میں امام بن جاتے ہیں اور کچھ یونیورسٹی کا رخ کرتے ہیں اور عربک یا تھیالوجی سے بی اے کرتے ہیں یا پھر ٹرانسلیشن کا ایک دو سالہ کورس کر کے اچھے معاش کی تلاش کرتے ہیں تو میں اپنے سینئرس کی ان دونوں قسموں سے مطمئن نہیں تھا۔ کیونکہ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میری زندگی کا جو مقصد ہے وہ صرف مدرسہ کی تعلیم سے یا تھیالوجی وغیرہ سے بی اے کرنے سے مکمل نہیں ہوسکتا۔ مجھے اپنے اندر تعلیمی اعتبار سے کچھ کمی محسوس ہوتی تھی جو ان دونوں راستوں سے پوری نہیں ہوسکتی تھی۔

تو اس وقت میرا خیال اس برج کورس کی طرف گیا جس کا اشتہار میں نے چند سال قبل دیکھا تھا اور اس وقت مجھے لگا کہ

میری زندگی کا جو مقصد اور مستقبل میں جو ارادہ ہے اس میں یہ کورس میرا معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ تو میں نے اپنے ان تمام باتوں کو مدنظر رکھ کر اس کورس کا رخ کیا اور الحمدللہ اس میں میرا داخلہ بھی ہوگیا۔

برج کورس میں داخلہ ہوجانے کے بعد میں نے یہاں کلاسیز جوائن کیں اور نئے نئے اساتذہ کرام سے پڑھنے کا موقع ملا اور ہمارے ڈائرکٹر پروفیسر راشد شاز صاحب کی بھی کلاس میں شرکت کرنے کا اور ان کے لکچرز سننے کا موقع ملا، جن کے بارے میں ہمیں بہت کچھ بتایا گیا تھا کہ وہ مدارس کے طالب علموں کی دوسری طرح ذہن سازی کرتے ہیں اور ان کے برج کورس قائم کرنے کا مقصد کچھ اور ہے، تو برج کورس میں میرے تقریباً پانچ چھ ماہ گزر چکے ہیں، جن میں میں نے ان کی بہت کلاسیز اٹینڈ کیں اور ان کی باتیں سنیں اور ان سب سے میرا جو تجربہ ہے وہ یہ کہ جناب راشد شاز صاحب اکثر ہم سے ان اہم موضوعات اور ایشوز پر بحث کرتے ہیں اور ہمیں بہت سی ایسی باتوں سے واقف کراتے ہیں جن کا عقیدہ یا ایمان وغیرہ سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ البتہ ہاں ان کے اپنے کچھ خیالات الگ ہیں، لیکن کبھی انھوں نے نہ اس بات پر زور دیا اور نہ کوشش کی کہ ہم ان کے خیالات کو زبردستی تسلیم کریں یا مانیں۔

یہاں آنے کے بعد سب سے پہلے ہماری انگریزی زبان مضبوط کرنے پر زور دیا جاتا ہے اور اس کے لئے نصاب میں Language in Use کے چار حصے رکھے گئے ہیں، تو شروع میں جب اس کا پہلا حصہ پڑھایا جارہا تھا اس وقت بہت بے چینی ہوتی تھی کہ یہ بہت بنیادی انگریزی ہے اور اتنا تو پہلے سے مجھے آتا ہے، جس کی ہم نے ایک بار سر سے شکایت بھی کی کہ ہمیں کچھ اور اعلیٰ معیار کی کتابیں پڑھایئے، تو سر نے ہمیں اطمینان دلایا کہ اگر آپ اس کے چاروں حصوں میں اچھی طرح محنت کرلیتے ہیں تو آپ کی انگریزی میں بہت Improvement آسکتا ہے۔ آج میں اس کتاب کے تقریباً تین حصے پڑھ چکا ہوں اور سر نے جو کہا تھا اس سے کافی حد تک مطمئن ہوں۔ Winter Vacation کے بعد اب دیگر مضامین بھی شروع ہو چکے ہیں، جیسے Economics، Geography، Math، Social Science، Political Science، History اور کمپیوٹر وغیرہ۔ تو ان سب مضامین کو پڑھنے کے بعد میں اپنے اندر بہت فائدہ محسوس کررہا ہوں اور مجھے لگ رہا ہے کہ اب ان علوم سے واقف ہونے کے بعد اپنی بہت ساری پریشانیوں کو حل کرسکتا ہوں۔

مجھے اب وہ دن یاد آتے ہیں جب میں نے English Speaking کے لئے لکھنؤ میں ایک کوچنگ سینٹر جوائن کیا تھا جہاں اکثر و بیشتر اسکول، کالج یا یونیورسٹی وغیرہ سے لڑکے آتے تھے اور وہاں Conversation Class یا G.D. میں ہمیں جو Topic ملتے تھے ان میں سے اکثر Politics یا Current affairs وغیرہ سے متعلق ہوتے تھے، جس پر وہ سب طالب علم آسانی سے بات کرلیتے تھے اور اپنے خیالات کا اظہار کرپاتے تھے، لیکن مجھے ان سب Topics پر بولنے میں بہت پریشانی ہوتی تھی اور میں اپنی بات نہیں رکھ پاتا تھا۔ لیکن اب یہاں یہ سب Subjects پڑھنے کے بعد میرے اندر اتنا اعتماد آگیا ہے، اگر اب میرے سامنے اس طرح کے مباحثے چھیڑ دیئے جائیں تو میں آسانی سے ماڈرن لوگوں کے درمیان بول سکتا ہوں اور اپنے خیالات کا اظہار کرسکتا ہوں، جو کہ میرے لئے بہت بڑی چیز ہے جو مجھے یہاں آکر حاصل ہوئی ہے۔

برج کورس نے ہمیں اس قابل بنادیا ہے کہ ہم کچھ سوچ سکتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے مدارس میں جو علوم حاصل کئے ہیں ان سے ہمیں کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ نہیں، بلکہ وہ تو اصل سرمایہ ہیں اور ہماری دنیا و آخرت کے لئے توشہ ہے، لیکن چونکہ زمانہ ایسا آچکا ہے اور سائنس وغیرہ اتنی تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں کہ ہمارا جو اصل مقصد ہے اپنے دین کو عام کرنا اور اس پر ہونے والے غلط اعتراضات کا جواب دینا تو ان سب کے لئے ہمیں ان عصری علوم سے بھی واقف ہونا بہت ہی ضروری ہے، جس میں یہ ایک سالہ برج کورس کافی مدد کرتا ہے۔

اصلاح الدین

برج کورس میں میرا علمی سفر زندگی کا ایک خوش آئند قدم ہے۔اس سے پہلے جب میں مدرسہ میں زیر تعلیم تھا تو اس کورس اور اس کے ڈائریکٹر کے بارے میں ایک بڑی بحث سنی تھی۔ ہر جگہ یہی چیز موضوع بحث بنی ہوئی تھی کہ یہ کورس فارغین مدارس پر ایک کاری ضرب لگاتا ہے اور لڑکے بہت جلد اس کورس کے ڈائرکٹر سے متاثر ہوجاتے ہیں، لیکن جب میں نے یہاں قدم رکھا اور تعلیم حاصل کی، اسی کے ساتھ ساتھ وقت بھی بہت جلد گزرتا گیا، مگر میں نے اس تھوڑے عرصے کے اندر وہ چیزیں حاصل کیں جو شاید ہی کوئی اور کورس فراہم کرے۔ تعلیم کی ترقی کے ساتھ تحرک فکر، فکر کی بلندی، ماضی کی بازیافت، مسلم امہ صحیح ڈگر پر کیسے آئے؟ اور ہمارے مدارس کے موجودہ تعلیمی نظام میں ثنویت کا سدباب کیسے ہو۔اس طرح کی اور بہت ساری چیزیں حاصل کیں، ان ساری چیزوں پر میں نے یہاں آکر غور وفکر کیا اور اپنے عزائم کو بلند کیا۔

برج کورس ایک انقلابی قدم ہے جو ایسے افراد کو تیار کرتا ہے جو بیک وقت شرعی اور عصری دونوں علوم میں ماہرانہ صلاحیت رکھتے ہوں اور کیوں نہ یہ اس کا انقلابی قدم ہو جبکہ اغیار نے اپنے ہراول دستے میدان میں اتار دیے ہوں اور اگر میں کہہ دوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اغیار نے اپنے پنجہ استبداد کو بہت پہلے گاڑ دیا ہے اور مسلم امہ ایک تھکی ہوئی ہاری ہوئی اور گروہوں میں بٹ کر چین و سکون بھی نہ ہوتے ہوئے چین کی نیند سو رہی ہے۔ ایسے وقت میں اگر کوئی نئی فکر اور تحرک فکر اور امت کی شیرازہ بندی کے اتصال کا کام کرتا ہے تو اس کو اگر دین سے خارج کر دیا جائے اور اس کو مذہب کے نام پر وصمۂ داغ تسلیم کر لیا جائے یہ تو ایک ظالمانہ بات ہوگی۔ میں نے بارہا اکثر افراد سے ملاقات کی، انھوں نے مجھ سے پوچھا تعلیم کہاں چل رہی ہے؟ میں نے کہا: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ برج کورس میں۔ انھوں نے کہا: نعوذ باللہ، تم تو ایمان سے خارج ہوگئے تو میں نے کہا: کیا آپ کے پاس ایمان سے نکالنے والی کوئی مشین ہے۔ خیر وہ بہت زیادہ غضبناک ہوگئے۔ بہت بحث وتکرار کے بعد میں نے اخیر میں یہ کہا کہ پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر غور کریں اور صوفیت کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو غلط راہ پر گامزن نہ کریں۔ یہ واقعہ ابھی چند ایام پہلے ہوا۔

ایک اور واقعہ کا ذکر کردوں۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہمیرے کچھ دوستوں یا مولوی حضرات میں مدارس کے موجودہ تعلیمی نظام کے بارے میں گفتگو ہوئی تو میں نے ان سے کہا: ارے بھائی مجھے ماضی کی تاریخ یاد آتی ہے اور مسجد قرطبہ اندلس کا نظام یاد آتا ہے جس کی بنیاد عبدالرحمٰن اوّل المعروف بالداخل نے ڈالی تھی، کیا دور تھا وہ جبکہ ہم مسلمان تحقیق واکتشاف میں عروج پر تھے۔ آج ہم سب سے پیچھے ہیں اور پستی وانحطاط کے غار میں جا چکے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ مدارس کا موجودہ تعلیمی نظام ہے اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ ہم کو ثنویت اور دوئی کو

موجودہ وقت میں ختم کر دینا چاہئے، کیونکہ اغیار نے ہماری عروج و بلندی پر قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ اسی وقت ہوگا جب ہم اس میں عملی طور پر تیار ہوں گے۔ تو میرے پاس بیٹھے میرے کئی ساتھیوں نے کہا: ارے کیا بات ہے، تین مہینہ میں ڈاکٹر شاز صاحب سے متاثر ہوگیا ہے۔ ارے آگے کچھ خطرناک عزائم ہیں کیا؟ تو میں نے کہا: ہاں پورے عالم میں ایک عظیم کردار ادا کروں گا۔ یہ سوچ مجھے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ برج کورس سے ملی ہے۔ پہلے بھی عزائم بلند تھے لیکن محدود تھے، یہ میرا Future پلان ہے تو انھوں نے پھر کہا: تم تو مدارس کی برائی بیان کر رہے ہو۔ میں نے کہا نہیں میں برائی بیان نہیں کر رہا ہوں۔ میں صحیح بات کر رہا ہوں تو ان سب نے کہا تو ندوی کی جگہ راشدی یا شازی لگالو، تم اسی زمرہ میں شامل ہوگئے ہو۔ میں نے سوال کیا کہ آپ کی نظر میں ہمارے ڈائریکٹر صاحب کیا ہیں؟ انھوں نے کہا: وہ یہود پرست ہیں اور شیعیت کے حاملین میں سے ہیں۔ میں نے کہا ہم سب مسلم ہیں، اسلام نہ دیوبندی نہ ندوی، نہ شیعہ نہ سنی۔ اسلام تو ایک شفاف صاف و پاکیزہ مذہب ہے۔ وہ ہر زمانہ ہوا اور پانی کی طرح یکساں ہے اور لوگوں کو سیدھی راہ پر گامزن کرنے والا ہے۔ نہ اس میں حنفیت، نہ شافعیت نہ اور کسی ایک فرقہ کا تصور ہے، تم لوگ اپنی سوچ کو حرکت دو اور سوچو، خوب غور وخوض کرو اور مدارس سے ثنویت اور دوئی کے تصور کا سد باب کرو اور اسلام کو اس کی حقیقی تصویر میں پیش کرو۔

مجھے برج کورس نے بہت کچھ دیا ہے، اس میں رہ کر میں نے اپنی زندگی کا ایک نیا باب کھولا ہے، جو اس سے پہلے ممکن ہی نہیں مشکل بھی تھا۔ میرا خیال یہ ہے کہ اکثر علما حضرات مخالفین کی جماعت میں سے ہیں ان میں سے بہت سے حضرات نے مجھ سے بات کی اور میٹنگ میں بھی بلایا تو میں نے ان سے کہا میرا ہدف یہی ہے جو بالکل واضح ہے۔ میں عصری علوم کو ساتھ لے کر دین اور دنیا دونوں میں ترقی کرنا اور امت مسلمہ کے مستقبل میں ایک عظیم کردار ادا کرنا ہے، جو برج کورس کا بھی مقصد ہے اور ہدف ہے اور مختلف مذاہب کو ساتھ لے کر اسلام اور وحی ربانی کی حقیقی تصویر پیش کرنا اور تعالوا الی کلمۃ سواء الخ کا حق ادا کرنا ہے، کیونکہ اس کی سب سے بڑی ذمہ داری ہم لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو دونوں میدان کے سرخیل ہوں اور یہ صرف تمام گروہوں کو ختم کر کے ہوسکتا ہے، صرف مسلمان مان کر تنقید وطعنہ زنی سے ہٹ کر۔

اور میرا یہ خیال ہے کہ ہمارے برج کورس کے اگر چند افراد اس فکر کو لے کر تیار ہوگئے تو یہ آواز برج کورس سے اٹھے گی اور یہ ایک نئی دستک اور عظیم انقلابی قدم ہوگا، ان شاء اللہ۔

عبد الاحد

قبل اس سے کہ میں اپنے احساسات اور اپنے تجربات کا ذکر کروں، ابتدا ہی میں مناسب سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کروں کہ اس نے اس ناچیز کو اپنے دین کی اس عظیم دولت سے نوازا، وللہ الحمد علی ذالک۔

میرے والدین کے فیصلے کے مطابق مجھے ''مدرسہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل'' کرناٹک میں اس عظیم دین کی دولت کو سمجھنے کے لئے منتخب کیا گیا اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ والدین کا یہ فیصلہ بہت ہی کارگر ثابت ہوا۔ الحمدللہ میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں عالمیت مکمل کر کے عصری تعلیم کے حصول کی طرف متوجہ ہوا اور درجہ دس یعنی 10th کا امتحان دے کر پھر 11th میں ایڈمیشن لے لیا لیکن ابھی عصری تعلیم کے حصول کے لئے متوجہ ہوا ہی تھا کہ میرے والد صاحب نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ان کا لخت جگر عالمیت کے بعد فضیلت کے کورس کو بھی مکمل کرے، لہٰذا انھوں نے مجھے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں فضیلت کو مکمل کرنے کے لئے بھیج دیا۔ میں سچ کہوں تو برا نہیں ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی پھر دینی تعلیم کے حصول کے لئے دارالعلوم پہنچا اور کیا ذکر کروں کہ بڑی مشکل سے ان دو سالوں کو پورا کیا۔ ہمارے یہاں کرناٹک میں ماحول ایسا بن گیا تھا اور لوگ یہ سمجھتے تھے کہ جو عالمیت اور فضیلت مکمل کرتا ہے تو پھر اس کو عصری تعلیم کے حصول کے لئے کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ نہیں لینا چاہیے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ لڑکا مدرسہ میں دس دس پندرہ پندرہ سال تعلیم حاصل کرتا ہے پھر بھی کالج یا یونیورسٹی میں جا کر مکمل طور پر تبدیل ہو جاتا ہے اور کہتے تھے کہ دین کو بیچ دیتا ہے۔ کچھ ایسی ہی ذہنیت کے افراد ہمارے رشتہ دار بھی تھے، جن کی وجہ سے مجھے اس عصری تعلیم کے حصول کے لئے یہاں آنا ایک عظیم مصیبت بن گئی تھی۔ میں اس پر اب بھی اور ہمیشہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کروں گا کہ اس نے مجھے دینی تعلیم کے حصول کے لئے منتخب کرنے کے بعد عصری تعلیم کے حصول کی طرف متوجہ کیا اور اس عظیم یونیورسٹی میں میرا داخلہ آسانی سے کروا دیا۔

میں نے مدرسہ میں پندرہ سال گزارے اور میں نے یہ محسوس کیا کہ خود مدرس اور بڑے بڑے اساتذۂ کرام اولاد کو دینی تعلیم کے لئے مدارس میں ایڈمیشن نہ کروا کر ان کو بڑے بڑے اسکولوں اور کالجوں میں بھیجتے ہیں اور دوسروں کو گھر گھر آ کر کہتے ہیں کہ مدرسہ کے لئے بچے چاہئے تو آپ لوگ مدرسوں میں اپنے بچوں کا داخلہ کروا دیں۔ میں نے دو عظیم مدارس میں تعلیم حاصل کی دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور میں نے اس چیز کو وہاں پر پایا اور خود مشاہدہ کیا کہ جتنے بھی بڑے اساتذۂ کرام ہیں ان کے سبھی لڑکے اسکولوں اور کالجوں میں پڑھتے ہیں اور ندوہ میں میں نے دیکھا کہ بڑے بڑے مفتی صاحبان کے لڑکے 'کانوینٹ' اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

میں نے کل تین مدارس میں تعلیم حاصل کی اور میں قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایک استاد نے بھی مجھے دینی تعلیم کے حصول کے بعد عصری تعلیم کے حصول کے لئے متوجہ نہیں کیا بلکہ میں آگے بڑھ کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کسی استاد نے مجھے عصری تعلیم کے حصول کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں یہ اعلان لگتا تھا کہ جو مدرسہ میں پڑھتے ہوئے اگلے سال کسی یونیورسٹی یا کالج میں جانے کی خواہش یا ارادہ رکھتے ہوں تو ان کو یہاں سے خارج کردیا جائے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک مسلمان جس طرح سے ایک مسلمان کے خلاف سازشیں کرتا ہے اور بغاوت کرتا ہے اسی طرح مدرسین آپس میں ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف غلط پروپیگنڈہ پھیلاتے ہیں۔ میں جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ ایمان ویقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ ندوہ کے اساتذہ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کو گالی دیتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں۔ میں نے دو سال گزارے اور بہت ساری چیزوں کا مشاہدہ کیا، جو میں بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ البتہ میں یہاں پر مدرسہ کی برائی نہیں بیان کررہا ہوں بلکہ حقیقت کو بیان کرنے کی کوشش کررہا ہوں، اس لئے کہ حقیقت تو زیادہ دیر تک چھپ بھی نہیں سکتی۔ واللہ میرا یہاں لکھنے کا مقصد مدرسہ کی برائی کرنا نہیں ہے بلکہ میں اپنے احساسات اور حقیقت حال کو بیان کررہا ہوں جو میں نے مدرسہ میں پایا اور جس کا مجھے احساس ہوا۔

البتہ اب جب میں نے دینی تعلیم کے حصول سے فراغت حاصل کی تو عصری تعلیم کے حصول کے لئے کمربستہ ہوا اور عزم مصمّم کرلیا کہ اب مجھے کسی چیز کی وجہ سے پیچھے نہیں ہٹنا ہے اور مسلسل جدوجہد کرکے عصری تعلیم کو بھی مکمل کرنا ہے۔ جب میں نے یہ عزم کرلیا تو میرے والد صاحب بھی راضی ہوگئے۔ لہٰذا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم کے دوران ہی میں نے اپنے والد صاحب کے کہنے کے مطابق علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایڈمیشن ٹیسٹ کے لئے تیاری شروع کردی اور درجہ گیارہ کا ٹیسٹ دینے

کے لئے تیار ہو گیا اور پھر میں نے ماہ فروری میں انٹرینس ٹیسٹ کا فارم بھی بھر دیا۔لیکن میری قسمت کا حال یہ تھا کہ جس دن ٹیسٹ تھا اسی دن دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بھی حجۃ اللہ البالغہ کا سالانہ امتحان تھا۔ میں بہت پریشان ہو گیا اور سوچنے لگا کہ کیا کیا جائے تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر پھر ادا کرنا چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کو فرشتے کی شکل میں میرے پاس بھیجا اور وہ خود میرے پاس آکر کہنے لگا کہ کیا بات ہے؟ کیوں ٹینشن میں نظر آرہے ہو؟ کوئی پریشانی ہے تو بتادو، میں انشاءاللہ حل کرنے کی کوشش کروں گا۔تو میں نے اپنا پورا قصہ ان کو سنادیا۔ انھوں نے غور وخوض کے بعد مجھے مشورہ دیا کہ لکھنؤ سے علی گڑھ امتحان کے لئے تم جاسکتے ہو پانچ چھ گھنٹے میں لیکن تمھیں کچھ پیسہ خرچ کرنا پڑے گا تو میں راضی ہو گیا۔ انھوں نے مجھ سے دس ہزار روپے لے کر میرے لئے فلائٹ ٹکٹ بک کروادی۔ لکھنؤ سے دہلی اور پھر دہلی سے علی گڑھ ٹیکسی سے، تو اس دن جبکہ دارالعلوم ندوہ میں میرا امتحان تھا اور علی گڑھ میں بھی گیارہویں کا ٹیسٹ ہونا تھا تو میں اللہ اللہ کہتے فلائٹ سے یہاں پہنچ گیا۔ یوں ندوہ کا بھی امتحان دے دیا اور یہاں کا بھی امتحان دے دیا۔ اور میں نے علی گڑھ کے ٹیسٹ میں 100 سوالوں میں سے 55 کے جواب صحیح دیے، لیکن عمر کی وجہ سے داخلہ نہیں لے سکتا تھا، کیونکہ میری عمر 20 سال تھی اور گیارہویں کے داخلہ کے لئے زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال کا ہونا شرط ہے۔ بالآخر کسی نے مجھے بتادیا کہ اب تمہارا داخلہ نہیں ہوسکتا پھر میں مایوس ہو گیا البتہ میں نے جب دس ہزار روپے خرچ کر کے یہاں کا امتحان دیا تھا یوں یک گونہ مجھے خوشی بھی تھی اور ایک طرح سے مایوسی کا بھی شکار تھا۔ بالآخر میں ندوہ واپس چلا گیا۔ ایک دن میں موبائل کرنسی ڈلوانے کے لئے موبائل کی دکان پر کھڑا تھا کہ ایک بندہ برج کورس کے داخلہ کا فارم زیراکس کروانے کے لئے دکان پر آیا ہوا تھا تو میں نے اس سے پوچھا کہ بھائی یہ برج کورس کیا ہے اور کتنے سال کا کورس ہے اور اس کے لئے کیا چیزیں ضروری ہیں؟ اس بھائی سے تفصیل

سے بات کرنے کے بعد میں نے بھی برج کورس کا فارم بھر دیا۔ اور ایک بات تعجب کی یہ ہے کہ جن صاحب کی وجہ سے مجھے برج کورس کے بارے میں پتہ چلا تھا بعد میں انھی صاحب نے دوسرے اساتذۂ کرام اور دیگر لوگوں کے بہکاوے میں آکر بالآخر برج کورس کا امتحان نہیں دیا، حالانکہ انھوں نے فارم بھر دیا تھا، پھر غلط فہمی کے شکار ہو کر برج کورس نہ کرنے کا ارادہ کیا۔ البتہ جب میں نے فارم بھر کر یہاں کا Written ٹیسٹ پاس کر لیا تو انٹرویو میں بھی مجھے کامیابی مل گئی۔ میں خصوصاً پروفیسر ڈاکٹر راشد شاز صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اس بندۂ ناچیز کو اس کورس کو کرنے کے لئے منتخب کیا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ میرے ساتھ اور میرے ساتھی بھی میرے ساتھ دارالعلوم ندوہ سے تشریف لائے تھے، لیکن وہ انٹرویو میں پاس نہ ہو سکے۔

اب میں کچھ باتیں اور احساسات بیان کرنا چاہتا ہوں جس کو میں نے یہاں آنے کے بعد محسوس کیا، وہ یہ کہ سب سے پہلی بات صاف صاف کہنا چاہتا ہوں کہ میرا ذہن الحمد للہ یہاں آنے کے بعد کھل گیا اور میں دنیا کو دیکھنے کے قابل ہو گیا۔ پھر میں نے تفکیری عمل کو بھی جاری کر دیا اور میں خاص طور سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ جب میں مدرسہ میں پڑھتا تھا تو صرف قرآن وحدیث کو جانتا تھا، باقی کسی چیز کو نہیں جانتا تھا البتہ یہاں آنے کے بعد بہت ساری چیزیں سیکھنے کو ملیں، جس پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس یونیورسٹی میں ایک الگ تہذیب سیکھنے کو ملی جو میں نے پندرہ سال مدرسہ میں رہ کر نہیں سیکھی اور مجھے اس طرح کی چیزیں مدرسین میں دیکھنے کو نہیں ملی۔ دوسری چیز الحمد للہ بہت سارے علوم جن کو ہم نہیں جانتے تھے، اب ان علوم میں بھی مہارت حاصل کرنے کا موقع ملا اور الحمد للہ ہر مضمون میں نے دل سے پڑھا اور بہت کچھ سمجھا اور ایک بات جو کہ بیان کرنا میرے

لئے بہت ضروری ہے وہ یہ کہ میں جب مدرسے میں پڑھتا تھا تو ذرہ برابر بھی میں انگریزی نہیں جانتا تھا اور بالکل ناواقف تھا۔ یہاں آنے کے بعد الحمدللہ میں نے انگریزی کے گرامر کو بھی صحیح کرلیا اور اس بات سے خوش ہوں کہ انگریزی میں بات کرنے پر قادر ہوگیا ہوں، صرف چھ سات مہینے گزارنے کے بعد۔ اس کی وجہ میرے حساب سے یہ ہے کہ میں نے 29 اگست سے 4 فروری تک کوئی دن کوئی گھنٹہ نہیں چھوڑا اور نہ کسی پیریڈ میں لاپروائی کا ثبوت دیا بلکہ میں نے اس کو دل سے لیا اور الحمدللہ میں نے بہت کچھ انگریزی اور حساب کو بھی سیکھا جس کا احسان میں زندگی بھر یاد رکھوں گا اور میں انشاءاللہ اور محنت کر کے اس میں مکمل طور سے مہارت حاصل کر کے ایک دن اسکول اور کالج کے پڑھنے والے طلباء سے بھی آگے نکل جاؤں گا۔ یہ امید ہے میری اور انشاءاللہ میں اپنی اس بات پر قائم بھی رہوں گا۔

یہاں تک پہنچنے کے لئے مجھے جن مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کو میں مختصراً ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ میرے والد صاحب کے علاوہ سبھی حضرات نے مجھے عصری تعلیم کے حصول سے منع کیا اور ظاہری بات ہے جب رشتہ دار منع کرتے ہیں تو پھر والد صاحب کا بھی کان بھرتے ہیں تو سبھی رشتے داروں نے مجھے روکنے کے ساتھ ساتھ حتی الامکان میرے والد صاحب کے کان بھرنے کی کوشش کی اور مجھے بہت پریشان کیا۔ یہ صرف میرے یہاں کے ماحول اور عام لوگوں کی ذہنیت کی وجہ سے ہوا، جس کو میں کبھی بھول نہیں سکتا۔

مثال کے طور پر جب میں علی گڑھ کے لئے آرہا تھا تو میرے چچا صاحب نے مجھے اپنے گھر بلا کر کہا کہ تم کیا کرنے جارہے ہو؟ میں نے کہا میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جارہا ہوں عصری تعلیم کے حصول کے لئے تو انھوں نے میرے والد صاحب سے بات کر کے مجھے روکنے کی کوشش کی اور مجھے سمجھا بجھا کر کہنے لگے کہ برج کورس کرنے کی تمھیں قطعاً اجازت نہیں ہے اور پھر ڈائرکٹر پروفیسر راشد شاز صاحب کی برائیوں کو گناتے ہوئے ان کو کافر اور ملحد کہہ کر میرے ذہن کو خراب کرنے کی کوشش کی اور پھر مجھ سے کہا کہ مت جاؤ اور یہیں گھر ہی میں رہو۔ البتہ میں نے چچا سے کہا کہ دیکھئے میں اپنی ذہنیت خراب یا تبدیل کرنے کے لئے نہیں جارہا ہوں، بس میں عصری تعلیم کے حصول کے لیے جارہا ہوں اور کسی کی ذہنیت کی وجہ سے یا خراب ذہنیت کی وجہ سے میں پیچھے ہٹنے والا نہیں ہوں۔ آپ کا کام سمجھانے بجھانے کا تھا، آپ نے سمجھایا، لیکن مجھے جانا ہے میں یہاں رک نہیں سکتا۔ بالآخر میں ٹرین میں بیٹھ کر یہاں پہنچ گیا اور داخلہ لے کر الحمدللہ ترقی کے منازل طے کر رہا ہوں اور وہ سب برائیاں اور سب غلط فہمیاں جو میں نے سنی تھیں وہ یہاں نہیں پائیں، میں اپنے سچے دل کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ مارکس کے حصول کے لئے یا مضمون کو کتاب میں چھپوانے کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں۔

اب میں کچھ چیزیں یہاں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کو اپنا مقصد بنایا اور ان چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے حصول کے لئے اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوں اور آگے آنے والی نسلوں کو بھی اور میرے دوست احباب کو بھی اس چیز کی دعوت دوں گا جس کی وجہ سے شاید ان کو فائدہ ہو اور وہ آگے بڑھ کر اپنا مستقبل سنواریں۔ انشاءاللہ میں اپنے دوست احباب کو ان چیزوں کو بتا کر اور ان کو اپنے مقصد کی طرف راغب کروں گا اور ہمیشہ ان کی حتی الامکان مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔

انسان اکثر کوئی نیا کام کرنے سے ہچکچاتا ہے، کیونکہ اس

نے اس سے قبل وہ کام نہیں کیا ہوتا ہے۔ ہر کام کو انسان زندگی میں کبھی نہ کبھی پہلی مرتبہ کرتا ہے، اس لئے انسان کو کوئی بھی کام کرنے سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ دوسری بات جب کسی کام کا آغاز کرتا ہے انسان یا تو کوئی نئی چیز سیکھنا چاہتا ہے تو ابتدا میں وہ کام بہت مشکل نظر آتا ہے، لیکن جب وہ اس کام کو انجام دے لیتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ یہ کام کتنا آسان تھا، تب اسے افسوس ہوتا ہے کہ اس نے اس کام کو کرنے میں اتنی دیر کیوں لگا دی۔ کچھ لوگوں کے مقاصد تو ہوتے ہیں، لیکن وہ سوچتے ہیں کہ پہلے یہ کام کر لیں اور پھر یہ کریں گے اور کام میں اس طرح الجھ جاتے ہیں کہ اپنے مقصد کا حصول بھول جاتے ہیں اور جب یاد آتا ہے تو بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے تو پھر وہ افسوس کرتے رہ جاتے ہیں۔

اور ایک بات یہ ہے کہ انسان کی توجہ مشکلات کے بجائے ہر لمحہ اپنی منزل پر رہنی چاہئے۔ انسان کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے فضول وقت ضائع کرنا نہیں چاہئے۔ ایک بات یہ ہے کہ جس طرح صحرا میں سفر کرنے والے قافلے کسی رکاوٹ کو عبور کرنے کے لئے وقتی طور پر اپنا راستہ تبدیل کر لیتے ہیں، لیکن اس رکاوٹ کو عبور کرنے کے بعد دوبارہ قافلے کا رخ اپنی منزل کی طرف ہو جاتا ہے، بالکل اسی طرح اگر انسان وقتی طور پر کسی مشکل کی وجہ سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے تو ناامید ہونے کے بجائے اسے چاہئے کہ مشکل پر قابو پانے کے بعد دوبارہ نئے عزم کے ساتھ اپنی منزل کی طرف سفر کا آغاز کرے۔

یہ چند چیزیں تھیں جو میں نے یہاں آ کر سیکھیں اور ان شاء اللہ ان کو یاد بھی رکھوں گا۔

عمر شمس

جب میں طالب دین وعلوم نبوت تھا تو اپنی تعلیم اور اپنی عمر کی عقل کی بنیاد پر جس قدر بھی ممکن ہوتا اس دنیا کو دیکھتا تھا اور سمجھتا تھا اور پھر ایک طالب علم کی حیثیت سے ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا۔ وہاں پر ندوی سوچ وفکر پروان چڑھی اور جب وہاں تھا تو اپنی قوم کی خدمت کرنے کے لئے سوچتا تھا اور اس سلسلے میں کافی فکر مند بھی رہتا تھا۔

لیکن جب میں نے برج کورس میں داخلہ لیا اور میری تعلیم دن بہ دن آگے بڑھتی گئی تو ایک اور سوچ بھی پروان چڑھی جو اس فکر سے زیادہ الگ تو نہیں تھی، لیکن اپنی قوم کو آگے بڑھانے کا جو جذبہ تھا اس میں اور اضافہ ہوا کہ کس طرح اپنی قوم کو اور کن چیزوں میں آگے بڑھایا جائے، ہم کس طرح اپنی اصل حالت پر لوٹ سکتے ہیں۔ اس دنیا پر ہمارے کیا احسان ہیں، ہم نے اس دنیا کو کیا کیا دیا ہے، ہماری ناکامی کیسے ہوئی؟ ہمیں کس طرح آگے بڑھنا ہے؟ یہ چیزیں وہ ہیں جو ہم اپنی کوتاہی کے سبب مدرسہ میں پڑھنے سے رہ گئے تھے، یہاں آکر پڑھنے کا موقع ملا۔

برج کورس میں ہم نے یہ جانا کہ ہم سیاسی طور پر اتنے کمزور کیوں ہیں؟ ہم نے یہ بھی جانا کہ اٹھارویں صدی سے پہلے ہماری حیثیت کتنی اہم تھی۔ اس سے پہلے ہم زمین تو زمین سمندروں پر بھی ہماری حکومت تھی۔ ہماری تہذیب کتنی اہم تھی، پوری کی پوری سائنس ہمارے لوگوں کی تھی۔ پھر ہم نے پڑھنا چھوڑا، قرآن سے

ہم نے سائنس کو الگ کیا اور دماغ کا استعمال کرنا ترک کردیا تو یہ ساری چیزیں ہم سے چھن گئیں۔

برج کورس میں ہمیں ہر چیز کی آزادی ملی۔ کھلے الفاظ میں سوال کرنے کا موقع ملا جو کہ ہمارے مدارس میں نہیں ہے، حالانکہ پہلے تھا۔ برج کورس میں آگے بڑھنے کا موقع ملا۔ یہاں ہمارے لئے آگے بڑھنے کے لئے بہت کچھ ہے۔

VICTORIA GATE
MUHAMMADAN ANGLO ORIENTAL COLLEGE
ALIGARH

فہیم اختر

میرا تعلق ایک ایسے علاقے سے ہے جہاں مسلم اکثریت تو ہے لیکن یہ اکثریت تعلیم خاص کر جدید تعلیم سے نا آشنا اور ناواقف ہے۔ ایام بلوغت میں گاؤں کے پرائمری اسکول سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد والدین کی خواہشات کے مطابق ایک مدرسے میں داخلہ لیا۔ مدرسے کی زندگی، احوال وحالات سے رفتہ رفتہ واقفیت ہوئی۔ چند سال گزارنے کے بعد یہ شعور پیدا ہوا کہ علم کا حصول کیا ہے۔ اس کے فوائد سے روشنائی ہوئی۔

بظاہر میں مدرسے کی تعلیم کے حصول میں گامزن تھا، لیکن ہر وقت ماڈرن تعلیم کے حصول کی فکر بھی تھی۔ سچ کہوں تو میری زندگی ان ایام میں ایک ہی ڈھرے پر قائم تھی، نہ کوئی طرز فکر، نہ کوئی جدید لائحۂ عمل، نہ مستقبل کی کوئی حقیقی بازیافت، جدید تعلیم کی خواہش رونما تھی لیکن اس کے حصول کی کوئی ممکن صورت نظر نہ آتی تھی۔ بہر حال عالمیت کے بعد والدین کی رضامندی کے ساتھ اعلیٰ اور جدید تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ اپنے ایک مخلص استاذ کے مشورے سے میں نے سب سے پہلے دہلی کا سفر کیا۔ الحمدللہ، نہایت مشقت کے بعد دہلی کی ایک بڑی یونیورسٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز (Islamic Studies) میں داخلہ لیا۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ شعبہ اسلامک اسٹڈیز میں داخلہ لینے کی کسی قسم کی کوئی خواہش نہ تھی بلکہ ایک مجبوری تھی کیوں کہ میں اپنی سند کے ذریعے دیگر پروفیشنل کورس میں اپلائی نہیں کرسکتا تھا۔

رفتہ رفتہ جامعہ کا علمی سفر آگے بڑھا۔ مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری رہتی تھی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کا شوق بھی تھا اور من موافق (According to will) کورس نہ ملنے کا ملال بھی۔ ایک عجیب سی اجنبیت رہتی تھی، کچھ اچھا نہ لگتا تھا۔ دراصل مجھے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ایک ایسے ادارے کی ضرورت تھی جہاں تعلیم کی بہترین سہولیات مہیا ہوں، جہاں میرے خوابوں کی تکمیل کا طریقہ سکھایا جائے، جہاں کسی کے درمیان کوئی امتیاز نہ ہو اور جہاں سوچنا اور تفکیر کا طریقہ بتایا جائے اور مجھے یہ ذرائع وہاں میسر نہ تھے۔

پھر مجھے برج کورس سے شناسائی ہوئی، برج کورس کے متعلق تمام تر معلومات حاصل کرنے کے بعد مجھے یہ شعور پیدا ہوا کہ آیا مجھے میری منزل مل گئی ہے کہ برج کورس میں داخلے کے بعد میں اپنی زندگی کی ترقی کے ان منازل تک رسائی حاصل کرسکتا ہوں، جہاں دراصل میں پہنچنا چاہتا ہوں۔ اس کورس کے ذریعے میں اپنی خواہش کے مطابق جدید تعلیم حاصل کرسکتا ہوں اور اپنی زندگی کو بہتر بنا سکتا ہوں۔ چنانچہ برج کورس میں داخلے کی امید اور جدید تعلیم کے حصول کے عزم کے ساتھ میں نے آخر کار جامعہ ملیہ اسلامیہ چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ چوں کہ جامعہ میں نہایت

مشقت سے داخلہ ملا تھا اس لئے میرے والدین اور اعزا و اقربا فوری طور پر ناراض و ناخوش ہوئے۔ حقیقی مشکل اس وقت ہوئی جب برج کورس میں داخلہ کی بات آئی تو میرے والد صاحب کے کچھ قریبی علماء جو برج کورس کے متعلق غلط فہمی اور لاعلمی کا شکار ہیں، انھوں نے میرے والد کو برج کورس میں داخلے سے منع کیا اور (نعوذ باللہ) میرے ایمان و اخلاص کے ضائع ہونے کا خدشہ ظاہر کیا۔ نہایت شش و پنج کے بعد برج کورس میں میرا داخلہ ہوا۔ برج کورس میں آنے کے بعد ایک اپنائیت سی محسوس ہوئی۔ برج کورس میں وہ تمام تر سہولیات اور آسانیاں دستیاب تھیں جو دراصل جدید تعلیم کے حصول کے لئے ضروری تھیں۔ میں ہمیشہ عظیم شخصیات، سیاسی رہنماؤں اور تاجروں سے متاثر ہوتا تھا، برج کورس میں چند گزارنے کے بعد میرے اندر یہ شعور پیدا ہوا کہ کیوں نہ میں خود ان ہستیوں جیسا بنوں اور لوگ خود مجھ سے متاثر ہوں۔ برج کورس نے مجھے خوابوں کی تکمیل کا صحیح راستہ دکھایا اور عزم واستقلال سے مالا مال کیا۔

چند مہینے گزارنے کے بعد میرے اندر سب سے بڑی تبدیلی یہ آئی کہ مجھے انگریزی زبان سمجھنے اور بولنے کا شعور پیدا ہوا۔ میں اس سے قبل انگریزی زبان نہ تو سمجھ سکتا تھا نہ بول سکتا تھا لیکن الحمدللہ اس کورس میں آنے کے بعد یہاں سہولیات اور اساتذہ کی مدد سے انگریزی زبان میں بہت حد تک کامیاب ہوں۔ اب میں سمجھ بھی سکتا ہوں اور بول بھی سکتا ہوں۔

حقیقی معنوں میں برج کورس نے مجھے ایک نئی زندگی عطا کی۔ ایک جدید پلیٹ فارم مہیا کرایا۔ ہمارے اندر سوچنے، سمجھنے اور صحیح میں انتخاب کا طریقہ اور سلیقہ پیدا کیا۔ زندگی کو بہترین طریقہ کے سمت گامزن کرنے، اپنے مستقبل کو بہتر بنانے، اختلاف و انتشار ختم کرنے، باہمی اتحاد و مفاہمت کو پروان چڑھنے، آپسی مواخاۃ قائم کرنے، امت کی حفاظت کرنے اور جدید علوم کے حصول کا جذبہ، حوصلہ اور شعور پیدا کیا۔ اتنا ہی نہیں، اس کورس نے مجھے بیدار کیا کہ میں محنت اور لگن سے اس ملک کی دیگر بڑی سروسز اور عظیم عہدوں پر فائز ہو سکتا ہوں۔ اس کورس نے وہ تمام تر سہولیات مہیا کرائیں اور ہمیں ایک جذبے سے سرشار کیا جس سے ہم بآسانی ان تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

میں یہاں آنے سے پہلے خاص کر انٹرنیشنل ایفیئرس، ہندوستان کے سیاسی حالات اور مسلمانوں کی تعلیمی، سیاسی، معاشی پسماندگی سے واقف نہیں تھا۔ یہاں آکر اساتذہ اور خاص کر پروفیسر راشد شاز صاحب کی مدد اور ان کی حوصلہ افزا تقاریر سے ان معاملات اور افیئرس کو سمجھنے اور پرکھنے کی سمجھ بوجھ اور شعور پیدا ہوا۔ غرض یہ کہ اس کورس نے فکر، تدبر اور تفکر کا جذبہ اور شعور پیدا کیا۔

محمد ثوبان شاہ جہاں پوری

جب میں نے دارالعلوم دیوبند سے عالمیت کا آخری سال (دورۂ حدیث) مکمل کیا اور اس اثنا میں اسی کشمکش میں مسلسل رہا کہ آئندہ سال میں کیا کروں؟ کیونکہ برج کورس کے متعلق کچھ نہ کچھ تو واقفیت رکھتا تھا، مگر اس کورس کے متعلق افواہوں نے مجھے بھی پس وپیش میں ڈال رکھا تھا۔ بالآخر کافی تدبر وتفکر کے بعد میں نے برج کورس کا ٹیسٹ دینے کی ٹھان لی اور بفضل اللہ میرا برج کورس میں انتخاب ہوگیا۔ جب میں یہاں انٹرویو دینے کی غرض سے آیا تو میرے والد صاحب کے ایک قریبی عزیز دوست جو کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ میں پروفیسر ہیں، ان سے ملاقات کے لئے میں گیا۔ جب میں نے ان کو اس بات سے باخبر کیا کہ میں برج کورس میں داخلہ کے لئے انٹرویو دینے آیا ہوں تو ان کے چہرے کی رنگت ہی بدل گئی اور کچھ دیر سکوت اختیار کرنے کے بعد ناک سکوڑ کر بولے کہ اور کوئی کورس نہیں ملا آپ کو؟ یہ بات سن کر میں حیران وششدر رہ گیا۔ میں نے سوال کیا آخر کیوں؟ تو ان صاحب نے بات کو گول مول کردیا۔ اس وقت مجھے ایک نئی چیز کا علم ہوا کہ میں تو یہی سمجھتا تھا اس کورس پر باہر ہی کے لوگ منہ بنائے بیٹھے ہیں اور اس کی مخالفت کرتے ہیں مگر ان پروفیسر صاحب کے رویہ میں کس قدر

مخالفت بھری ہے اس سے اندازہ ہوا کہ ''برج کورس'' خارجی مخالفت کے ساتھ ساتھ داخلی مخالفت سے بھی دوچار ہو رہا ہے۔ ان تمام مخالفت کے باوجود میرا دل بس اس بات کی کہیں نہ کہیں گواہی دے رہا تھا کہ جو بھی چیز سبقت کرنا چاہتی ہے اسے روندنے والوں کی تعداد اتنی ہی ہوتی، لہٰذا میں انٹرویو میں آیا اور میرا سلیکشن ہوگیا۔

''برج کورس'' میں آنے کے بعد آہستہ آہستہ یہاں کے ماحول اور یہاں کے اساتذہ سے استفادہ کرتے ہوئے تقریباً پانچ ماہ ہوگئے ہیں۔ اس عرصہ میں میں نے 'برج کورس' میں بہت ساری معلومات حاصل کیں۔ یہاں کے اساتذۂ کرام مدارس کے طلبا کے لئے جی جان سے محنت کررہے ہیں۔ ان کی بھرپور یہی کوشش رہتی ہے کہ مدارس کے طلبا جس طرح دین کے ماہرین ہیں، اسی طرح جدید تعلیم میں بھی نوع انسانی کے ساتھ قدم بہ قدم شانہ بہ شانہ ملا کر چلیں۔ میں بغیر کسی مبالغہ کے تہہ دل سے اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ ڈائریکٹر صاحب کی جدوجہد اور مدارس کے طلبا کو ہر مقام میں آگے دیکھنے کی ان کی بے پایاں طلب کی بنا پر ہی برج کورس کی بنیاد پڑی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ برج کورس کی رات دوگنی دن چوگنی ترقی کرنے کا سبب صرف اور یہی ہے۔ یہاں آنے کے بعد علم ہوا کہ آخر جدید تعلیم کس قدر اہمیت کی حامل ہے۔ مدارس میں ہم نے وہ باتیں پڑھیں کہ ہمیں دینی زندگی کس طرح گزارنی چاہئے، مگر یہاں آکر ہمیں دنیا میں رہنے اور زندگی گزارنے کے اصول کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں کیا حالات چل رہے ہیں، اس سے بھی واقف کرایا گیا۔ پہلے عادت یہ تھی کہ جو سمجھ میں نہیں آتا تھا اس کو بعد کے اوپر موقوف کر کے آگے بڑھ جاتے تھے، اب عالم یہ ہے کہ ہر چیز کو اچھی طرح سے تدبر و تفکر کر کے سوچتے ہیں۔ ''برج کورس'' میں سب سے زیادہ قابل تعریف بات یہ ہے کہ جس طرح یہاں کے اساتذہ کا تعلیمی معیار اعلیٰ درجہ کا ہے، اسی طرح ان کا اخلاقی معیار بھی اعلیٰ درجے کا ہے۔ یہاں آنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری چکی قدرت کی چکی سے مَس کرگئی ہے۔ بس اب انشاء اللہ آگے کا ہر راستہ آسان ہوگا۔

نعمان اختر

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دنیا میں ہر کوئی یہ چاہتا ہے کہ وہ اونچے سے اونچے اور اعلیٰ مقام پر پہنچے، اسی طرح میرا بھی خواب تھا کہ زندگی میں ایسے مقام پر پہنچا جائے کہ جہاں سے زندگی کو گزارنے کی سہولیات فراوانی سے مل سکیں۔ اسی غرض سے میں نے مدرسہ سے فراغت کے بعد برج کورس میں داخلہ لیا۔ یوں تو برج کورس کی مخالفت اکثر مدارس والے کرتے ہیں اوران کی حتی الامکان کوشش یہی رہتی ہے کہ ان کے یہاں کا کوئی بھی طالب علم اس کورس میں نہ جائے، جبکہ انگریزی اور دنیوی تعلیم کی اور بھی درسگاہیں ہیں، جو برج کورس کے برابر تو نہیں البتہ انگریزی اور کمپیوٹر پڑھا کر دنیاوی تعلیم سے آگاہ کرا رہے ہیں، جیسے 'مرکز المعارف'، حق فاؤنڈیشن وغیرہ، ان سب میں تعلیم حاصل کرنے سے تو منع نہیں کیا جاتا البتہ برج کورس سے ان دقیانوسی عالموں کو نہ جانے کیا پریشانی ہے۔

چنانچہ داخلہ کی کارروائی کے بعد پڑھائی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہاں میرے لئے ہر چیز نئی تھی۔ اساتذہ، ساتھی، تعلیمی درس گاہ، ہم درس و ہم رفیق ان سب کے بیچ میں جس میں نا تجربہ کار تھا وہ تھی مخلوط تعلیم، کیونکہ بعض کلاسیز یہاں پر مخلوط ہوتی تھیں۔ بچپن میں تو میں اس مرحلہ سے گزرا تھا لیکن اس وقت ناشعوری تھی اور دوسری چیز جس سے بچپن کے ایام میں بھی گزر نہیں ہوا تھا وہ تھا خواتین ٹیچروں سے تعلم۔ یہ دونوں چیزیں میرے لئے بالکل نئی تھیں۔ دوسرے کی نفسیات کو سمجھنے کا موقع ملا، اگرچہ ایسے ماحول میں رہنا میرے لئے مشکل تھا، لیکن میں نے اپنے آپ سے سمجھوتہ کیا اور اس ماحول کو انسانی نفسیات کو سمجھنے کا بہترین موقع جانا اور یوں اپنے شب و روز گزارنے لگا۔

گنگا جمنی تہذیب کا سنگم:

ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ یوں تو مختلف گروہوں، جماعتوں اور فرقوں کی تقریروں اور دعوتوں میں اکثر جانا ہوتا تھا اور اتحاد و اتفاق کی خوب لمبی چوڑی تقریریں سنی تھیں، لیکن عملی زندگی میں اس سے بالکل مختلف تھا۔ برج کورس میں یہ سنگم بغیر دعوتوں اور تقریر کے دیکھنے کو ملے۔ بریلوی، اہل حدیث، دیوبندی، ندوی، قاسمی اپنے آپ کو کہنے والے اور اسٹیج پر ایک دوسرے کو نیچا دیکھنے اور دوسرے کو ذلیل کرنے والے یہاں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے اور کھاتے پیتے نظر آئے۔ ایک روم میں رہنا، ایک لائبریری اور ایک کلاس میں پڑھنا، یہ سب روزانہ کا معمول بن گیا۔ ڈائریکٹر صاحب کی تقریروں نے ہر ایک طالب علم پر ایک اثر چھوڑا۔ ایک ساتھ رہ کر قریب سے جاننے کے بعد معلوم ہوا کہ

یہ سب عداوت ودوریاں غلط فہمیوں کی بنیاد پر ہیں اور عدم ملاقات کی وجہ سے یہ سب خلفشار ہو رہا ہے۔ کچھ مہینہ گزرنے کے بعد یہ پتہ چلا کہ ہم اس اختلاف اور فساد کے بغیر بھی زندگی گزار سکتے ہیں۔ محض چند مہینوں میں یہ گمان ہونے لگا کہ سالہا سال ہماری قوم کے رہبروں نے ہم کو بیوقوف ہی بنایا۔

ہمارے روح رواں:

ان سب کے بیچ بلکہ ان سب باتوں پر سوچنے پر مجبور کرنے والا ایک شخص تھا، وہ تھے ہمارے ڈائریکٹر صاحب، جن سے کبھی ہفتہ اور کبھی روزانہ ملنے کا موقع ملتا، جنھوں نے مغرب کے اکثر ممالک کا مشاہدہ ونظارہ خود کیا تھا۔ طلباء میں علمی جدوجہد کو پیدا کر کے اور ان میں بجھی ہوئی چنگاری کو روشن کرنا ان کی فطرت میں تھا، طلبہ کے ذہن میں شکوک وشبہات والے سوال کر کے ان کے ذہن کو سوچنے پر مجبور کرنا اور باتوں کو کھلے دل سے قبول کرنا اور دوسروں سے متفق ہونا اس کورس کا سب سے پہلا مقصد ہے۔ ان چار یا پانچ مہینوں کو گزارنے کے بعد یہ پتہ چلا کہ مسلمانوں کے زوال کی اصل وجہ کیا تھی اور ہر لڑکے کے بارے میں تو نہیں کہہ سکتے بلکہ اکثر لڑکوں کے ذہن سوچنے پر مجبور ہو گئے اور دنیا کے سامنے اس حقیقت کو پیش کرنے کی ان کے دل میں خواہش اور امنگ ظاہر ہوئی۔

یہی وجہ ہے کہ پہلے جب میں عالمیت کے دور میں تھا تو ایک مولانا بڑے قابل آدمی تھے، وہ امارت شرعیہ پٹنہ سے آئے تھے چندہ کے لئے۔ تو پہلے میں سوچتا تھا کہ ان کے جیسا بنوں، لیکن جب برج کورس میں کچھ دن گزرے تو سوچنے کا انداز بدلا اور اب میں سوچتا ہوں کہ میں دنیا میں بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کروں۔ لوگوں کا قائد بنوں اور اپنی قیادت کا لوہا منواؤں اور یہی خصوصیت ہے برج کورس کی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور خاص طور پر ہمارے ڈائریکٹر راشد شاز صاحب کی، جن کی وجہ سے یہ سب ہو پایا۔

اشتیاق احمد ربانی

اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے انسانوں کو عطا کیا جانے والا عظیم تحفہ ''عقل، فہم اور دانش مندی'' ہے، جس کی شریعت مطہرہ میں بڑی اہمیت ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس عقل نہ ہو اور وہ اس عظیم نعمت سے محروم ہو تو وہ شریعت میں مرفوع القلم ہوتا ہے۔ لیکن جس کسی کو خدا تعالیٰ نے اس نعمت عظمیٰ سے نوازا ہے تو اس پر بہت بڑی ذمہ داری بھی عائد کی ہے کہ وہ خود بھی اپنے ''فہم اور عقل'' کا استعمال کرتے ہوئے سیدھی راہ پر چلے اور دوسروں کو بھی سیدھی راہ دکھائے۔

جب اس حقیر خاک پائے اسلاف نے اپنے قلم کو جنبش دینا ضروری سمجھا تو اس وقت میرے بعض احباب، بڑی ہمدردی اور محبت کے ساتھ عرض گزار ہوئے کہ آپ اپنی تحریر میں جناب ڈاکٹر راشد شاز صاحب کو مشق ستم بنائیں، کیوں کہ اس وقت انھو ں نے پوری ملت اسلامیہ میں اپنی ''زہر آلود تحریروں'' سے فتنہ پھیلا رکھا ہے اور خاص طور پر ہمارے مدارس کے طلبہ کے لئے برج کورس کا ایک پلیٹ فارم کھول کر ملت کے شیرازہ کو بکھیرنے اور میر جعفر اور میر صادق امت میں پیدا کرنے کا کام کر رہے ہیں، لہٰذا آپ کی تحریر بہت عمدہ اور سلجھی ہوئی ہوتی ہے اور آپ کسی بھی موضوع کو ہر زاویے سے دیکھے اور پرکھے بغیر آگے نہیں بڑھتے ہیں، لہٰذا ہمت کریں اور ''فتنۂ شازیہ'' کی حقیقت کو اجاگر کریں۔

یہ ناچیز بھی محض اس خیال سے کہ آخر کب تک ہم اور ہمارے ادارے اس ذہنی کشمکش میں مبتلا رہیں گے، کیوں نہ اس کی تہہ تک پہنچا جائے اور حقیقت حال سے اپنے اکابرین کو مطلع کیا جائے (کیوں کہ پروفیسر راشد شاز صاحب کے نام کو ایسا بنا کر میرا سامنے پیش کیا جاتا رہا جیسے وہ بہت بڑے جادوگر ہوں اور ہم مدرسے کے طلبہ کی جوں ہی ان سے ملاقات ہوئی کہ ہم بس نعوذ باللہ گمراہ ہو گئے۔)

لیکن خود اپنے آپ میں میرے لئے یہ قدم اٹھانا بہت بڑا چیلنج تھا، کیوں کہ مجھے بھی اپنے ایمان سے بے انتہا محبت اور اس کے فوت ہوجانے کا ڈر اور خوف تھا۔ تب ہی میرے ایک دوست نے میری ہمت بڑھائی اور کہا کہ کیا آپ کو جنگ احزاب کا واقعہ یاد نہیں ہے؟ جس میں ایک صحابی حضور ﷺ سے اجازت لے کر دشمن کے خیمے میں جا کر وہ بات بولنے کے درپے ہوتے ہیں جس سے انھیں لگے کہ اب یہ شخص ہمارا آدمی ہو گیا ہے! لہٰذا آپ جائیے اور ان کو یعنی جناب راشد شاز صاحب کو جہنم کی آگ سے بچائیے، کیوں کہ وہ بھی شروع شروع میں بہت پکے اور سچے مسلمان رہے

ہیں تو پھر آخر کیا وجہ در آئیں کہ اب وہ اسلام مخالف ہو گئے ہیں، لہٰذا آپ ان سے ملئے اور اپنی پڑھائی کو جاری رکھئے۔ خدا تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا۔

نتیجتاً میرے حوصلوں کو پر لگا اور مجھے جناب راشد شاز صاحب کو بہت باریک بینی سے دیکھنے اور ان کو جانچنے کا موقع ملا۔ نتیجہ وہی در آمد ہوا جس کا استعمال ہر کوئی صاحب عقل سخت اور انتہائی پر آشوب دور میں اور دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہوئے ہونے کی حالت میں کرتا ہے۔ یقیناً ڈاکٹر شاز کی تحریریں ہماری بہت ساری چیزوں سے میل نہیں کھاتی ہیں اور یقیناً وہ اور ان کے ذریعہ استعمال کئے گئے جملے مدارس اور علماء کے حوالے سے بہت سخت ہیں، لیکن ایک صاحب عقل وفہم جب ان جملوں کو سیاق و سباق سے جوڑ کر دیکھتا ہے تو پروفیسر راشد شاز صاحب مفکر اور مدبر کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

مثلاً ان کا یہ جملہ ''ہمارے اکابرین ذہنی اور فکری ارتداد کے شکار ہیں''!

یہ جملہ بظاہر بہت سخت دکھائی دے رہا ہے، لیکن اس جملے کو جس حوالے اور زاویے سے کہا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کا کہنا ہے ہم ان سیاسی پارٹیوں کو اپنا خدا کیوں مانیں، ان کو ووٹ کیوں دیں، ان کو اپنا لیڈر کیوں مانیں، چاہے وہ کانگریس اور ملائم سنگھ ہی کیوں نہ ہو، یہ ہمارے ہمدرد کبھی نہیں ہو سکتے، لہٰذا جو ان کی حمایت کرے اور ان کی اندرونی چال کو اپنی سادہ مزاجی کی وجہ سے نہیں سمجھ پا رہے وہ ایک طرح سے فکری بگاڑ میں مبتلا ہیں۔

بہر حال جب ہم ان کی تحریروں کو غور سے پڑھیں تو ہمیں اندرونِ خانہ چل رہی چال بازی اور اسلام مخالف پروپیگنڈے کا پتہ دے جاتا ہے، لہٰذا ہمیں جناب راشد شاز صاحب سے دور ہو کر نہیں بلکہ قریب ہو کر 'بلاخوف و تامل' امت مسلمہ کی شیرازہ بندی اور اپنی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے قدم سے قدم ملا کر چلنا چاہئے اور اپنے اذہان وقلوب سے وہ تمام شکوک وشبہات نکال دینے چاہییں جو دینی ماحول اور مدارس کی فضا میں ''نافہمی'' کی بنیاد پر جناب راشد شاز کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔

کیوں کہ انسان کی پکڑ ''نیت'' کے بگاڑ کے اوپر ہوتی ہے اور محترم ڈاکٹر راشد شاز صاحب ''نیت'' کے اعتبار سے جہاں تک اس طالب علم نے جاننے کی کوشش کی وہ یہی ہے کہ وہ ''نیت'' کے اعتبار سے پکے، سچے مسلمان ہیں، البتہ کچھ چیزوں میں حالات کے اعتبار سے انسان دوسرا رخ اختیار کر لیتا ہے اور یہی کچھ انھوں نے بھی کیا ہے۔ جیسے افغان مجاہدین کی ایک جماعت جسے ہم ''طالبان'' کے نام سے جانتے ہیں وہ اپنے لحاظ سے جہاد کر رہے ہیں، لیکن آج تک 2001 کے بعد سے کسی نے بھی کھل کر یہ نہیں لکھا کہ وہ دہشت گرد نہیں ہیں! کیوں؟ اس لئے کہ حالات کچھ ایسے ہی ہیں کہ اغماض سے کام لیا جانا زیادہ بہتر ہے۔ ایسا ہی کچھ حال ہمارے محترم ڈاکٹر راشد شاز صاحب کا بھی ہے!!!

محمد نثار احمد

برج کورس میں تین چار مہینے گزارنے کے بعد میرا جو تجربہ ہوا وہ بیان کروں گا اور اس کے ساتھ ساتھ ''برج کورس'' کے بارے میں جن لوگوں کی باتوں کو سنتا تھا اس کو ذکر کرنا چاہوں گا۔

سب سے پہلے برج کورس کے متعلق جو میں نے سنا اور رائے لینے کے لئے کچھ لوگوں کے پاس گیا اور انھوں نے بھی کچھ نہ کچھ سنایا، ان تمام باتوں کو میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ایک دوست جب میں ان کے پاس گیا تو ان کی تمام کوشش یہ رہی کہ میں برج کورس میں داخلہ نہ لوں اور انھوں نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ وہاں کے جو ڈائریکٹر ہیں وہ راشد شاز صاحب ہیں، انھوں نے طالب علموں کے عقیدوں کو خراب کرنے کے لئے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں اور مسلسل لکھ رہے ہیں اور وہ مختلف پروگرام وغیرہ کراتے رہتے ہیں اور جو لوگ ان کی باتوں کو مانتے ہیں ان کو پروگرام میں شرکت کرنے دیتے ہیں ورنہ نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال میں نے سنا اور ان کو صرف اتنا بتایا کہ ہم مسلمانوں میں یہ بات عام ہے، اگر صرف وہ کسی سے کچھ سن لیں، کوئی بات چاہے وہ جھوٹی ہو یا سچی ہو اس کی تحقیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور اسی پر آمنا و صدقنا کہتے ہیں۔ مجھے نہیں پتہ کہ آپ نے ان کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کی یا نہیں۔ میں نے ان کو بتایا کہ بالفرض اگر یہ تمام باتیں ہوں گی، تو صحیح باتوں کو لے لیا جائے گا اور جو غلط ہوگا ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور ہم تو اپنی پڑھائی کے لئے جا رہے ہیں، اس کورس کو پڑھنے کے لئے جا رہے ہیں جس کو ہم نہیں جانتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال میں نے یہاں داخلہ لیا اور پڑھنا شروع کر دیا۔

چار پانچ مہینے کا تجربہ یہ ہے کہ جو باتیں میں نے برج کورس کے خلاف سنی تھیں، اس کو بالکل ان کے برعکس پایا اور خاص طور سے جناب راشد شاز صاحب کو، اگر یہ بات کہی جائے کہ وہ ملت اسلامیہ اور خاص طور سے ان طالب علموں کے درد کو سمجھتے ہیں جو اپنے اپنے مدرسہ فکر میں پڑھ کر کچھ کر نہیں پاتے، جیسا کہ کسی مدرسہ کا مولوی نہیں سمجھتا۔ ان کو میں مبارکباد پیش کرنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے اور وائس چانسلر صاحب نے برج کورس قائم کر کے ایک انقلابی کام کیا۔

ایک بات اور میں بتا دوں کہ میرا ایک ساتھی کہا کرتا تھا کہ یونیورسٹی میں ٹیچر طالب علم کو کچھ نہیں سمجھتے، لیکن یہاں جتنے بھی ٹیچر آئے، سب نے بہت ہی نرمی سے پڑھانے کی کوشش کی اور ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ یہ بچے یہاں سے کچھ سیکھ کر جائیں اور بن کر نکلیں۔ میں نے مدرسہ میں بھی یہ چیز نہیں دیکھی۔

میں اپنے آپ کو یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں نے بہت ساری چیزیں سیکھیں۔ مثال کے طور پر مدرسہ میں بھی انگلش پڑھتا تھا اور تمام چیزیں ذہن میں رہتی تھیں، لیکن ایک پیراگراف بھی لکھنا مشکل ہو جاتا تھا،لیکن یہاں آنے کے بعد وہ تمام مضمون پڑھنے کو ملے اور خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ چار پانچ مہینے میں کتنا کچھ سیکھنے کو ملا۔ اور یہ بھی بہت ہی شدت کے ساتھ احساس ہو رہا ہے کہ جو مضامین ہمارے مدارس میں ہونے چاہئے تھے اور جن پر آج سے پہلے مسلمانوں ہی نے کام کیا تھا وہی ہمارے مدارس میں موجود نہیں۔ مدرسہ نے ان چیزوں کو ماڈرن ایجوکیشن کا نام دے کر اپنے نصاب سے دور کر دیا ہے اور ہم کو شرم بھی نہیں آتی کہ جب ان کا نام (مسلمان سائنس دانوں کا) آتا ہے تو فخر سے کہتے ہیں کہ مسلمانوں ہی نے یہ ایجاد کیا۔ تو میں اہل مدرسہ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا انھوں نے بغیر پڑھے یہ سب ایجاد کیا تھا۔ کیا انھوں نے بھی ان علوم کو ماڈرن ایجوکیشن کا نام دے کر ان کو اپنے درس میں شامل نہیں کیا تھا اور مدرسوں میں نہیں پڑھایا تھا۔ جب میں سوچتا ہوں تو بہت ہی افسوس ہوتا ہے۔

بہر کیف 'برج کورس' کا کھولنا ایک انقلابی کام ہے اور جو بھی اس کے خلاف کچھ کہتے ہیں ان کو سوچنا چاہئے اور غور کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سوچ وفکر والا بنائے۔ صحیح کو صحیح، غلط کو غلط کہنے والا بنائے، آمین۔

محمد فرمان

جب سے میں نے ہوش سنبھالا تو اس وقت سے میری خواہش تھی کہ میں دنیا کے اندر کوئی ایسا کام کر جاؤں جو مجھے زندہ رکھنے کے لئے کافی ہو، لیکن چونکہ زمانہ بہت ہی نازک ہے اور دور جدید میں علوم عصریہ کا حصول بھی بہت ضروری ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں ''اس زمانہ میں علوم عصریہ کا حصول ضرورت نہیں مجبوری ہے۔'' اور مجبوری انسان کو ناممکن شئے کو ممکن بنانے پر قادر کر دیتی ہے تو اب ہمارے لئے یہ ممکن ہی نہیں آسان ہے۔ چنانچہ جب میں حیران اور پریشان تھا تو میری نگاہیں اس ایک روشن چراغ پر پڑیں جو علوم دینیہ اور علوم عصریہ کے درمیان پیدا شدہ خلا کو دور کر رہا ہے، جس کو برج کورس کے نام سے جانا جا رہا ہے۔

الحمدللہ، برج کورس میں داخلہ لینے کے بعد میں نے یہاں ایک اچھی کیفیت محسوس کی۔ دراصل جب میں مدرسہ کے سال ہفتم میں تھا تو میرا ارادہ ادب اور افتاء کرنے کا تھا۔ دنیا کے متعلق کوئی علم نہیں تھا، بس ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دنیا بہت چھوٹی ہے، مگر جب سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اندر برج کورس میں علمی سفر شروع کیا ہے تو دنیا کی وسعت معلوم ہونے لگی اور معلوم ہوا کہ دنیا کن میدانوں میں آگے بڑھ رہی ہے اور ہم ہر میدان میں پس ماندگی و تنزلی کا شکار ہیں۔ اور یہ معلومات مجھے تب حاصل ہوئیں جب میں نے اپنے اس علمی ادارہ ''برج کورس'' میں مختلف علوم و

فنون کا مطالعہ شروع کیا۔ مجھے اپنا وہ خواب یاد آتا ہے جو میں نے ہوش سنبھالنے کے وقت دیکھا تھا اور یہ خواب میں نے اس لئے دیکھا تھا کہ جب میں کسی اچھے عہدہ پر کسی نا اہل کو دیکھتا تھا تو مجھے دل کے اندر نفرت ہوتی تھی کہ میری اس قوم کو کیا ہوگیا۔ برج کورس نے میرے اس درد میں حقیقتاً اور بھی اضافہ کر دیا، کیونکہ یہاں دورانِ حصولِ علوم عصر یہ دنیا کی گہرائیوں کا علم ہوتا ہے تو دل میں ایک عجیب سا درد پیدا ہوتا ہے کہ ہم کہاں تھے اور کہاں پہنچ گئے۔

ہاں برج کورس میں ایک چیز اور محسوس ہوتی ہے کہ یہاں داخلہ سے قبل میں بہت شدت پسند تھا اور دوسرے مسلم فرقوں کو عجیب نگاہ سے دیکھتا تھا۔ میں دل کی گہرائی سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ تلوار تو باقی ہے مگر دھار کند ہوگئی یعنی میری وہ شدت ابھی باقی ہے مگر اب ان چھ مہینوں میں وہ شدت اور سختی کم ہوگئی۔

دوسری چیز برج کورس میں یہ محسوس کی کہ اس میں داخلہ سے قبل جو میرے دلی جذبات تھے اور جو خواہش تھی ناممکن نظر آتی تھی، مثلاً اگر میں کسی اونچے عہدے والے انسان کو دیکھتا تو میں دل میں یہ محسوس کرتا کہ دنیا انھیں کے لئے بنی ہے اور میں بہت ہی احساس کمتری کا شکار ہو جاتا تھا، لیکن اب برج کورس میں آنے کے بعد اور دنیا کا تھوڑا سا ماحول سمجھنے کے بعد میں اس تنگ ذہنی سے بالکل آزاد ہوگیا ہوں اور سوچتا ہوں کہ انشاء اللہ مستقبل میں ان جیسے لوگوں کی رہنمائی کروں گا۔ یقیناً یہاں آنے کے بعد دنیا کے وہ خواب جو ناممکن نظر آتے تھے ان کو ممکن بنانے میں برج کورس ایک اہم رول ادا کر رہا ہے اور کرتا رہے گا، انشاء اللہ العزیز۔

نہال احمد

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ میں اپنی علمی پیاس علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ برج کورس میں بجھا رہا ہوں۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ یہ یونیورسٹی تعلیم وتربیت میں انقلاب لانے اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں ایک بلند و بالا مقام رکھتی ہے۔ اس یونیورسٹی کے مختلف ڈپارٹمنٹ ہیں۔ میں اس وقت برج کورس میں علمی سفر طے کررہا ہوں۔ برج کورس کیا ہے؟ اس کا وجود کیوں ہوا؟ یہ سب لوگوں پر عیاں ہے۔

مجھے وہ لمحے اچھے طریقے سے یاد آتے ہیں کہ جب میں نے گزشتہ سال دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی میں اپنی عالمیت کی تعلیم مکمل کی۔ میں جب تک مدرسہ کے اطراف میں تھا، مجھے یہی لگتا تھا کہ اس دنیا میں زندگی گزارنا بہت آسان ہے۔ کامیاب زندگی گزارنے کے لئے عالمیت اور فضیلت میرے لئے بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ میں مدرسہ سے عالمیت کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اپنے گھر واپس ہوگیا۔ اس وقت مجھے یہی لگتا تھا کہ میرا گاؤں جو کہ ضلع کشی نگر یوپی میں ہے، اس کے اطراف میں بہت مدارس ہیں، کسی بھی مدرسے میں مجھے گورنمنٹ نوکری مل جائے گی، لیکن میرے ساتھ اس کے خلاف ہوا۔ میں نے چار یا پانچ مدرسوں کا چکر لگایا۔ جگہ تو تھی ان کے پاس لیکن ہائے افسوس! مدرسے کے منیجر اور صدر، انھوں نے مجھ سے تیرہ لاکھ روپے کا ڈیمانڈ کیا۔ میں نے کہا میں غریب گھر کا ہوں، میں آپ لوگوں کو کچھ رقم تقریباً دو لاکھ تک دے سکتا ہوں، لیکن انھوں نے مژدۂ غم مجھے سنایا کہ ایک جگہ کے لئے ان کو اٹھارہ لاکھ روپے مل چکے ہیں۔ میں افسردہ خاطر ہوا، اب میرے پاس ایک ہی راستہ تھا جو میرے ذہن میں آرہا تھا کہ میں کسی مسجد میں امامت کروں یا کسی گاؤں کے مکتب میں قاعدہ بغدادی پڑھاؤں۔

میں اُس وقت بہت متفکر تھا کہ اللہ کا فضل ہوا، مجھے اپنے دوست کے دوست کے ذریعے برج کورس جو دینی مدارس کے طلبہ کے لئے قائم کیا گیا ہے، خبر ملی۔ مجھے بہت خوشی ہوئی، جس کو میں بیان نہیں کرسکتا۔ میں نے اس کورس کا اس وقت عزم مصمم کرلیا کہ یہ میرے لئے نہایت ضروری ہے کہ میں اس کورس میں داخلہ لے لوں۔ یہ میرے لئے اچھا آپشن تھا کہ مدرسے کی نوکری کے لئے 20 لاکھ دینے سے بہتر یہ ہے کہ میں اعلی تعلیم حاصل کرکے اور عالمی ڈگری حاصل کرکے اچھی نوکری حاصل کروں۔

اللہ کا کرم اور میری محنت رنگ لائی کہ میں برج کورس کا طالب علم ہوگیا، لیکن میرا بیک گراؤنڈ جو بہت ہی کمزور تھا، انگلش اور دوسرے مضامین میں جو کہ اس فیکلٹی میں پڑھائے جاتے ہیں، کیونکہ میرا بیک گراؤنڈ مدرسہ تھا اور مدرسے میں زیادہ فوکس

قرآن، حدیث (دینی تعلیم) پر ہوتا ہے، لہٰذا میں نے برج کورس میں بہت محنت کی اور مجھے رہنمائی ملتی گئی۔

مجھے برج کورس میں آئے ہوئے تقریباً پانچ مہینے ہوگئے ہیں۔ میں نے اس کورس میں آکر بہت کچھ حاصل کیا جس کو میں بیان نہیں کرسکتا۔ میں اس وقت اپنے آپ میں محسوس کررہا ہوں کہ کوئی سبجیکٹ یا لینگویج ہو خواہ وہ Economics ہو یا English، مدارس کے طلبہ کے لئے مشکل نہیں ہے، بس انھیں گائیڈینس کی ضرورت ہے، راستہ دکھانے کی ضرورت ہے۔ میرے اندر اس وقت اتنی لیاقت ہوچکی ہے کہ انگریزی میں اچھا آرٹیکل لکھ سکتا ہوں اور کسی بھی English Passege کو میں سمجھ سکتا ہوں۔

اس کورس میں اتحاد ملت کا بھی پیغام دیا جاتا ہے۔ اس میں ایک سبجیکٹ Intra-faith ہے جس سے میں بے حد متاثر ہوں۔ آج جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے، اس کے ذریعے اُن کمیوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔ Intra-faith میں یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں کلمہ شہادت پڑھنے والا ہے یا اللہ پر ایمان رکھنے والا ہے وہ ہمارا بھائی ہے ہم مسلمان ہیں۔ یہ فرقہ بندی جو ہمارے اندر ہے اس سے اسلام کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔

میرے اندر اس کی وجہ سے بہت تبدیلی آئی ہے۔ میرا ارادہ اور منشا یہ ہے کہ میں ایک اچھا پروفیسر بنوں۔ مجھے لگتا ہے میں انشاء للہ مستقبل میں اچھا استاد بنوں گا۔ بی اے کے لئے انگلش لٹریچر میں نے منتخب کیا ہے۔ یہ لیاقت اور صلاحیت اور Thinking جو میرے اندر آئی ہے وہ سب برج کورس کی وجہ سے ہے۔ اللہ اس کو سلامت رکھے، آمین۔

عبدالرقیب انصاری

جب میں فضیلت سال آخر میں تھا تو ہمارے درمیان یہ بحث اکثر جاری وساری رہتی تھی کہ آخر ہم فضیلت کرنے کے بعد کیا کریں گے تو سب نے اپنی اپنی رائے دی لیکن میں نے کہا: میں علی گڑھ جاؤں گا انشاء اللہ، تو ہمارے دوستوں نے سوال کیا کہ علی گڑھ کس کورس میں جاؤ گے؟ تو میں نے کہا: برج کورس۔ تو لوگ جھجھک گئے اور کہا کہ تم ایسے کورس میں جارہے ہو جہاں گمراہ کیا جاتا ہے، جہاں سے عقیدہ خراب ہوتا ہے اور ان لوگوں نے جاکر استادوں سے کہا تو ہمارے ایک استاد نے کہا کہ وہاں جانا بہتر نہیں ہوگا تو میں نے کہا کیوں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ عقیدہ خراب کرانا ہے تو چلے جاؤ۔ تو بہت سارے لوگوں نے بھی مجھے منع کیا تو میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ میرا عقیدہ اتنا کمزور نہیں ہے کہ خراب ہوجائے اور بیکار ہوجائے۔ پھر چھٹی کے بعد جب میں یہاں داخلہ ٹیسٹ کے لئے پہنچا تو میرے کچھ دوستوں نے بھی منع کیا، لیکن میں نے یہ عزم مصمم کرلیا تھا کہ مجھے برج کورس میں پڑھنا ہے۔ اصل میں میرا برج کورس میں آنے کا مقصد یہ تھا کہ میں انگلش سیکھوں اور انگریزی اس لئے سیکھنا چاہتا تھا، کیوں کہ شروع سے ہی مجھے دعوت وتبلیغ میں بہت دلچسپی تھی، لیکن میں نے سوچا کہ اگر میں کسی کو دین کی دعوت دے رہا ہوں اور وہ صرف انگلش جانتا ہے تو میں اس تک دین کی بات نہیں پہنچا پاؤں گا، اس لئے میں نے برج کورس کو چنا۔

جب میرا داخلہ برج کورس میں ہوگیا اور میں نے انگریزی کی پہلی کلاس کی تو ایسا لگ رہا تھا کہ کیا چیز بتائی جارہی ہے۔ سب میرے سر کے اوپر سے جارہا تھا، لیکن کافی محنت کے بعد اور ٹیچروں کی محنت کے بعد میں انگلش سمجھنا شروع کردیا اور پھر کلاس میں Interest بھی آنے لگا۔ برج کورس ایک ایسا کورس ہے جس میں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ تم مستقبل میں کیا کرسکتے ہو۔ برج کورس ایک ایسا کورس ہے جس میں دنیا سے نااہل اور ناواقفیت رکھنے والے کو اہل بنایا جاتا ہے۔

جب میرا داخلہ برج کورس میں ہوا تو میں یہ نہیں جانتا تھا کہ Maths، Political Science، Geography، Sociology، Economics کیا ہوتی ہے، لیکن ابھی تک میں نے برج کورس میں تقریباً پانچ مہینہ گزارا اور میرے اندر ان پانچ مہینوں میں کافی کچھ تبدیلیاں آئیں اور میں نے Political Science اور Economics کے ذریعہ ہندوستان کے حالات کو پرکھا اور جو ابھی نوٹ بندی کا سلسلہ چل رہا تھا اس سے ہندوستانی Economy بحران میں آئی تو اگر میں Economics کے

بارے میں نہیں جانتا تو میں بھی ایک جاہل کے مانند ہوتا اور میری حالت بھی وہی ہوتی جو ایک رکشہ چلانے والے یا کھیت میں کام کرنے والے مزدور کی ہوتی ہے۔ اسے کیا معلوم کہ ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے اور کیا حالت ہوگئی۔ اس حساب سے برج کورس ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ایسا علم تلاش کرو، سیکھو جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچاؤ اور خود اپنا اچھا برا کیا ہے، اس کو جان سکو۔

عصر حاضر میں مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ اگر کوئی دیوبندی مسلک کا آدمی ہے اور وہ نماز پڑھنے کے لیےکسی بریلوی کی مسجد میں جاتا ہے تو اس سے مسجد کو دھلوایا جاتا ہے اور اس کو مارا بھی جاتا ہے، لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان اور فضل ہے کہ برج کورس میں کئی مسلک کے لوگ رہتے ہیں، ساتھ نماز پڑھتے ہیں، ساتھ ہی کھانے جاتے ہیں۔ الحمد للہ کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ مسلکی تعلق کی بنا پر ایک دوسرے سے مار پیٹ کریں۔ الحمد للہ۔

برج کورس علم کے لحاظ سے ایسا کورس ہے جس میں تمام علوم مثلاً انگلش، اکنامکس وغیرہ سے واقفیت کرادی جاتی اور اس میں جو بیسک ہوتی ہے اس کو بھی پڑھا دیا جاتا ہے تاکہ آگے بی اے وغیرہ میں پریشانی نہ ہو، جو پریشانی ان طلبہ کو ہوتی ہے جو مدرسے سے آکر ڈائریکٹ بی اے میں داخلہ لیتے ہیں۔ برج کورس ایک ایسا علمی سفر ہے جو آپ کو بہت سارے علوم کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ علم ایک ایسی چیز ہے جس سے آپ بلند مقام پر فائز ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ برج کورس کو قائم ودائم رکھے، آمین۔

محمد عدنان

برج کورس دراصل مدارس اسلامیہ کے ہونہار وذہین وفطین اور مجتہد طلباء کے لئے صرف ایک پل ہی نہیں بلکہ ان کو ان کے مقاصد و اغراض سے واقف کرانے اور اس کے لئے تیار کرنے کا بہت ہی اہم ذریعہ ہے۔ یہ ایک ایسا قلعہ ہے جس کی تعمیر میں خالی اینٹ اور گارہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کی اساس زہد وتقویٰ اور ایک نئے انقلاب پر رکھی گئی ہے۔ برج کورس کے طلباء کے ہاتھ میں جہاں سائنسی علوم کا خزانہ اور عصری علوم کا جام دیا جاتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان کے کندھوں کو مضبوط بھی کیا جاتا ہے اور ان کندھوں کو طاقتور بنانے کے بعد ان پر ملت اسلامیہ کو جوڑنے اور متحد کرنے کی ذمہ داری بھی رکھی جاتی ہے اور پورے ایک برس میں اس کے لئے بہت ہی اچھے طریقے سے اور مخلصانہ انداز سے تیار بھی کیا جاتا ہے، تاکہ اگلے برسوں میں کچھ ایسے رجالِ کار تیار ہوں جو امت مسلمہ کا مستقبل بن کر ظلمت کدوں میں شب و روز چاند سورج کی طرح چمکیں اور اس کے بعد امت مسلمہ میں چراغ سے چراغ جلیں۔ پھر ہمارے حال سے ایک اور ترقی یافتہ مستقبل تیار ہو جائے جو مسلمانوں کو ہر میدان اور ہر ماحول میں سرفراز وسربلند رکھے اور پورے عالم پر اسلام کی فتح یابی ہو اور یہی عظیم مقصد ہے اس قلعہ کا، اسی لئے اس برج کورس کی دیکھنے میں چھوٹی سی عمارت کو اگر وسعت قلبی اور فکری اقدامات وجذبات کی بنی ہوئی اینٹوں سے تعمیر شدہ عمارت کو ایوانِ باطل کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے

والے اسلامی قلعہ کا نام دیا جائے تو کچھ کم نہیں ہے۔ میرا اپنے تجربات کی روشنی میں ماننا ہے کہ یہ اپنے اس مقصد میں بخوبی کامیابی کی سیڑھیوں پر سبک رفتار سے گامزن ہے اور ملت اسلامیہ کو بہت فائدہ بھی پہنچارہا ہے اوران شاءاللہ گامزن رہے گا۔

میں اپنے پیارے عزیز مدارس اسلامیہ کے نونہالوں سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس کورس میں داخلہ لیں علوم میں دسترس حاصلکریں اور اپنے فکری دائروں کومزید آگے بڑھائیں۔

جب میں نے برج کورس میں داخلہ لیا تو اس وقت میرا مقصد صرف اور صرف عصری علوم سے آشنائی تھی، لیکن یہ عظیم کورس میری زندگی کا اہم حصہ بن گیا اور میرے دل نے بے ساختہ کہا کہ میری زندگی کا اہم موڑ برج کورس کی بازیافت ہے۔ یہاں آنے کا میرا مقصد صرف اور صرف عصری علوم وفنون سے آشنائی تھی، لیکن اس کورس نے مجھے اس سے تو آشنا کرایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مجھے ایک عظیم فکر بھی دی اور مستقبل میں کچھ کرنے کے لئے میرے لئے کافی راہیں ہموار بھی کیں۔

اوراب لگ رہا ہے کہ برج کورس میرے دیرینہ خواب کی تعبیر بن کر سامنے آیا ہے۔اس کے متعلق باہر جومخالفانہ پروپیگنڈہ میں نے سنا تھا اوراندر آکر اس کو صحیح سے جانا تو مجھ کو وہ سب خرافات اور بے بنیادالزامات لگے، جن کو میں نے یہاں کسی بھی طرح نہیں پایا، اس لئے جوعلما نما لوگ اس کی مخالفت کرر ہے ہیں ان پر یہ شعر صادق آتا ہے:

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

ابواسامہ

میرا تعلق صوبہ بہار کے اک ایسے علاقے سے ہے جہاں ایک مسلک کے ماننے والے دوسرے مسلک والوں کو برا بھلا کہتے ہیں، حتیٰ کہ ان کو کافر بھی سمجھتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں مجھے عجیب سی لگتی تھیں، لیکن جب میں نے ایک مدرسے میں داخلہ لیا اور وہاں میرے کمرے کا ساتھی غیر مقلد تھا۔ ابتدا میں تو کچھ بحث ہوا کرتی تھی مگر کچھ دنوں کے بعد سارا اختلاف ختم ہوگیا، کیونکہ اس نے ایک بات کہی تھی ''تمہارے اعمال تمہارے ساتھ میرے اعمال میرے ساتھ، تو تم خدا بن کر مجھ سے بحث کیوں کرتے ہو۔'' اس کی یہ باتیں کچھ اچھی لگیں اور اس غیر مقلد کے تئیں میرا رویہ بالکل بدل گیا۔ اور میرا دھیان پڑھائی کی طرف ہوگیا۔ اسی دوران میرے ہاتھ ایک کتاب لگی ''مسلمانوں کے سائنسی کارنامے'' جب میں نے اس کتاب کے اندر مسلمان سائنس دانوں کو پڑھا تو مجھے لگا کہ میں بھی ان میں سے ایک ہوسکتا ہوں تو میں نے اس سلسلے میں اپنے استاد سے مشورہ لیا تو انھوں نے کہا کہ مدرسے میں رہ کر یہ چیزیں ممکن نہیں تو میں نے جواب دیا آخر مسلم سائنس داں کہاں پیدا ہوتے تھے۔ وہ بھی تو ایک مدرسہ تھا، آخر وہ مدرسہ کہاں چلا گیا۔ اس وقت مجھے یہ شعر یاد آیا:

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

اس دن سے میرے دماغ میں یہ سوال آنے لگا، آخر مدرسے میں سائنسی تعلیم کیوں نہیں؟ جبکہ آج ہر جگہ سائنس کا دور ہے، اس لئے میں نے مدرسے میں رہ کر ہی سائنس کے اوپر کچھ کتابیں پڑھیں مگر وہ کتابیں اونٹ کے منہ میں زیرہ کے مانند تھیں، اس لئے مجھے ہر وقت یہ فکر رہتی تھی کہ مدارس میں یہ تقریریں ہوتی ہیں کہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم بھی ہو، مگر یہ الفاظ تک ہی محدود رہتا ہے۔ کچھ لوگ اس کے لئے کمربستہ بھی ہوتے ہیں مگر وسائل کی کمی کی وجہ سے ان کا یہ خواب پورا نہیں ہو پاتا ہے۔

میرا خواب یہ تھا کہ مدرسے سے پڑھنے کے بعد سائنسی علوم کو پڑھوں گا اور اس کے لئے میرے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا کہ کسی کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ لیا جائے، مگر میرے ساتھ پریشانی یہ تھی کہ میں مدرسے کی بنیاد پر صرف عربی یا اردو میں داخلہ لے سکتا تھا جو کہ میں پہلے سے جانتا ہوں، لہٰذا یہ راستہ میرے ہدف کے لئے ناکافی تھا، لیکن کسی مفکر کا قول یاد آیا کہ ''انسان جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ساری دنیا اس کی مدد میں لگ جاتی ہے۔'' اس لئے میں اپنے ہدف کو حاصل کرنے کے

لئے ہر کام کر سکتا تھا، مگر میری کمزوری یہ تھی کہ میں مدرسے کے بیس پر اپنے ہدف کو حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ میں اسی فکر میں تھا کہ میرے کسی دوست اور پھر میرے ایک استاد نے برج کورس کے بارے میں بتلایا، لیکن چند لوگوں نے مجھے اس کے نقصانات کی ایک لمبی فہرست شمار کروائی، خاص طور پر ڈائریکٹر صاحب کے بارے میں۔ تو میرا جواب ان کے لئے یہ تھا خرابی برج کورس میں نہیں، اور پھر میرے پاس ایک بڑا موقع تھا کہ مختلف مدارس سے آنے والے مختلف مسلک کے ماننے والوں سے ملاقات ہوگی اور ان کے بارے میں جاننے کا موقع ملے گا، مگر اس کے ساتھ مجھے اپنی کامیابی کی جھلک بھی دکھائی دے رہی تھی، کیونکہ اسلام کا پیغام صرف دین کمانا نہیں بلکہ دنیا بھی کمانا ہے، مگر جائز طریقے سے، کیونکہ قرآن کہتا ہے ''واذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض... الخ۔''

اور ان سب سے ہٹ کر مجھے وہ دور دکھائی دے رہا تھا جس میں ساری دنیا پر ہماری بادشاہت تھی اور وہ بادشاہت علم کی وجہ سے تھی، لہٰذا اگر ہم نے پھر علم حاصل کی تو وہ بادشاہت لوٹ سکتی ہے اور وہ علم صرف دینی علم نہیں بلکہ دنیوی علم بھی تھا۔ لہٰذا میں نے برج کورس میں داخلہ لیا اور جب میں برج کورس سے فارغ ہونے جا رہا ہوں اس کے متعلق میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں:

(۱) یہاں پر مختلف مسلک کے لوگوں کے رہنے کے باوجود کوئی اختلاف نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب علم آتا ہے تو اختلاف خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

(۲) لوگوں کا جو نظریہ برج کورس کے بارے میں ہے وہ سراسر غلط ہے اور میں ایسے لوگوں سے سخت نفرت کرتا ہوں جو بغیر جانے بوجھے دوسروں کی زبانی سن کر کچھ بولتے ہیں۔

(۳) جو لوگ ڈائریکٹر صاحب کو غلط آدمی مانتے ہیں وہ لوگ خود غلط ہیں۔ ہاں چند مسائل ہیں جن میں ڈاکٹر شاز کا موقف مجھے غلط لگتا ہے اور یہ بات تو ان کی فکر کی ہے جو ان کے ساتھ ہے۔ مگر مسلمانوں کے تعلق سے ان کا جو نظریہ ہے اس کی میں جتنی بھی تعریف کروں بہت ہی کم ہے اور اس سلسلے میں وہ جو کام کر رہے ہیں ان کی خدمت قابل ستائش ہے۔ جب میں مسلمانوں کے تئیں ان کے غم و افسوس کو دیکھتا ہوں تو مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے اور دل سے یہ صدا نکلتی ہے اے کاش مسلمانوں کے بارے میں سوچنے والے دو چار ذہن اور پیدا ہوں، لیکن پھر سوال ہوتا ہے آخر یہ دو چار نوجوان مدرسے سے پڑھنے والے کیوں نہ ہوں۔

جب برج کورس میں آنے سے پہلے سائنسی علوم کو پڑھنے کا خواب ایسا ہی تھا جیسا کہ کوئی شخص دن میں کھلی آنکھ خواب دیکھ رہا ہو۔ یہاں پر دو چار ماہ گزارنے تک میرا ہدف صرف انگریزی کو پڑھنا تھا مگر جب یہاں سوشل سائنس اور آرٹ کے مضامین نصاب درس ہوئے اور ان کی افادیت کو پڑھا تو سارے مضامین اچھے لگے۔ آج کل ساری دنیا کی طاقتیں ہمارے خلاف اٹھ کھڑی ہیں، لیکن ہم مسلمان الگ ہیں، جبکہ ہمارا سب کچھ ایک ہے۔ اسی وحدت امت کو از سر نو بنانے کے لئے برج کورس کا قیام عمل میں آیا اور اس نے مختلف مسلک کے ماننے والوں کو ایک صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

برج کورس کے اندر مسلمانوں کی وحدت کی ایک چھوٹی سی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے جو آئندہ برسوں میں پوری دنیا دیکھے گی۔ ''جو ابر یہاں سے اٹھے گا وہ سارے جہاں پر برسے گا۔''

محمد اسلم

برج کورس کے سلسلے میں، میں نے اس وقت سنا جب مدرسے میں زیرِ تعلیم تھا۔ تکمیل عالمیت کا آخری سال تھا۔ میرا اکثر وقت اسی فکر میں گزرتا تھا کہ آئندہ سال تکمیل عالمیت کے بعد میں کیا کروں گا؟ کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ گھر سے برابر یہ دباؤ رہتا تھا کہ تمھیں آگے تعلیم جاری رکھنی ہے، مدرسے میں نہیں بلکہ کسی ایسے ادارہ میں جس میں شرعی علوم کے بجائے نئے زمانے کے علوم بھی پڑھائے جاتے ہوں۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ مجھے یہی سمجھ میں نہیں آتا تھا، مجھے کرنا کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ جب مقصد پتا چل جاتا تو راستہ کچھ نہ کچھ نظر آ ہی جاتا ہے، لیکن مدرسے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں نے اپنے سینئرس سے معلوم کیا تو انھوں نے کچھ مشورے دیئے لیکن دل کو سکون نہیں ملتا تھا، کیونکہ ان کا کوئی واضح مستقبل نہیں تھا۔

میرا یہ عزم تو تھا کہ مجھے آگے پڑھنا ہے لیکن کہاں پڑھنا ہے وہاں تک کیسے پہنچوں گا، اس کا علم نہیں تھا۔ اسی دوران میرے ایک جاننے والے نے یہ بتایا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے فارغین مدارس کے لئے ایک کورس قائم کیا ہے، جس میں وہ طلبہ جو مین اسٹریم میں آنا چاہتے ہیں، ان کی مدد کی جائے اور ان کے لئے ایک بہترین راستہ نکالا جائے۔ یہ سننے کے کچھ دن بعد برج کے ایک طالب علم سے میری ملاقات ہوئی اور میں نے اس کورس کے متعلق ان سے پوری جانکاری لی۔ اس کے بعد میں نے ارادہ کرلیا کہ مجھے یہ کورس کرنا ہے، اس کی فراہم کردہ معلومات سے ہی میں نے برج کورس کا انتخاب کیا۔ میرے ایک چچازاد بھائی ہیں جو اس وقت لکھنؤ یونیورسٹی میں ایل ایل بی کررہے ہیں۔ میں ان سے گھر پر ملا تو انھوں نے پوچھا کہ آئندہ سال کا کیا ارادہ ہے؟ تو میں نے انھیں بتایا کہ میں برج کورس کرنے جارہا ہوں، جس سے مجھے میرے مستقبل کو آسان کرنے میں مدد ملے گی تو انھوں نے کہا کہ تم ایک سال برباد کرنے جارہے ہو، تمہارا اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ بہرحال میں نے ان سے زیادہ بحث نہیں کی اور میں نے جو ارادہ کیا تھا، اس کو پورا کیا اور میں نے برج کورس میں ایڈمیشن لے لیا۔

میں نے برج کورس میں چار پانچ مہینے گزارے اور یہاں کے ماحول کو دیکھا۔ میں یقینی طور سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ برج کورس نے میری زندگی کی راہ ہموار کردی۔ جتنے شکوک وشبہات تھے سب دور ہوگئے اور ایک واضح راستہ آج میں اپنے سامنے دیکھتا ہوں۔ میں چار پانچ مہینے کے تجربے کے بعد یہ کہہ سکتا ہوں کہ برج کورس صرف کچھ مضامین کو پڑھا کر مین اسٹریم میں بھیجنے کا نام نہیں ہے بلکہ برج کورس کی جو سب سے اہم بات ہے وہ یہ کہ یہاں ایک سوچ ملتی ہے۔ کچھ کرگزرنے کی طاقت ملتی ہے،

ہمارے ذہنوں کو اسلامی سوچ کے مطابق کچھ کر دکھانے کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ میں نے برج کورس کو، اس کے متعلق جو عوام میں یا علماء کے حلقوں میں جو باتیں سنیں، ان سے کہیں زیادہ وسیع اور مفید پایا۔ یہاں مختلف مکاتب فکر کے طلبہ ایک ساتھ مل جل کر رہتے ہیں، ایک دوسرے کے متعلق شکوک وشبہات کو دور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ برج کورس نے امت کو جس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی، اس کو پورا کیا ہے۔ اگر میں صرف اپنی بات کروں تو بلا مبالغہ برج کورس نے میری زندگی کی راہ ہموار کر دی اور مجھے دوسروں کے کاندھا سے کاندھا ملا کر چلنے کی طاقت دی۔

جہاں تک علمی ترقی کا مسئلہ ہے تو میں برج کورس آنے کے بعد انگلش لکھ سکتا ہوں، بول سکتا ہوں، صرف انگلش ہی نہیں بلکہ وہ تمام ہی مضامین جو آج اہمیت کے حامل ہیں، ان کے متعلق پوری معلومات رکھتا ہوں، جیسے پولیٹیکل سائنس، ریاضی، سوشیالوجی، اکنامکس وغیرہ، چنانچہ یہ علوم پڑھ کر ایسا لگا کہ علمی دنیا از حد نظر وسیع ہے اور یہ علوم ایسے ہیں کہ اگر کوئی ان کو نہ جانے تو میں اسے جاہل سمجھوں گا، کیوں کہ اسلام کا مقصد لوگوں کو مسجدوں، خانقاہوں سے جوڑنا نہیں تھا بلکہ انسانی سماج میں جو کچھ چل رہا ہے اس کی اصلاح کرنی تھی اور سماج کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک سماج کو سمجھا نہ جائے۔ سماج میں رہنے والے لوگوں کے مسائل نہ سمجھے جائیں، اس لئے مسلمانوں کی جو کوششیں مختلف میدانوں میں ہو رہی ہیں وہ اسی لئے جمود کا شکار ہیں یا وہ جلد ہی ناکام ہو جاتی ہیں، کیونکہ کسی سسٹم کی اصلاح اس کو سمجھے بغیر نہیں کی جا سکتی ہے اور سماج کو سمجھنے کے لئے ان علوم کا جاننا ضروری ہے۔

آخر میں بس اتنا ہی کہنا چاہوں گا کہ برج کورس فارغین مدارس کے لئے انتہائی مفید ہے۔ اگر یہ قائم رہا تو جلد ہی امت کی عظمت رفتہ کی بحالی یقینی ہو جائے گی اور اتحاد امت کی راہ آسان ہو جائے گی۔ مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کیا بیان کروں۔ ایک ایک پہلو ایک ایک مقالے کا متقاضی ہے۔ بس برج کورس کے مؤسسین کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں اور دعائے خیر کرتا ہوں۔

توصیف احمد

میں برج کورس کے اندر آیا تو دیکھتا ہوں کہ یہاں پر گنگا جمنی جیسی تہذیب ہے۔ یہاں پر تمام مسالک کے لوگ موجود ہیں اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ برج کورس کے اندر Intra-faith جیسا ایک بڑا پلیٹ فارم ہے، جہاں پر ہر مدرسہ فکر کے وابستگان آکر اپنے خیالات کو پیش کرتے ہیں اور استاد جناب راشد شاز جیسا عظیم مفکر جس نے ایک بڑی کوشش کی جس کی کوششوں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا اور جو کام امت کے اندر آج سے 60 سال پہلا ہونا چاہیے تھا ا، انھوں نے وہ کام کیا کہ کس طرح سے مسلمانوں کو جو مسلمان قرآن کے مطابق ہیں، جس کو قرآن نے کہا: یاایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ یعنی جو دین ابراہیمی ہے جس میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں، ان مسلمانوں کو کس طرح سے اختلافات سے بچا کر اختلاف کو رکھتے ہوئے کس طرح سے ایک ساتھ لے کر چلا جائے، کس طرح سے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا رہنا کیا جائے۔ ایک ساتھ نماز پڑھی جائے۔ ایک دوسرے کے ساتھ نماز پڑھنے کو سب صحیح سمجھیں۔ اس اسلام کی صحیح دعوت راشد شاز جیسے عظیم مفکر برج کورس کے ذریعہ عوام تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ برج کورس کے اندر شروع شروع میں جب راشد شاز صاحب کوئی اختلافی عنوان پر بحث چھیڑتے تو تمام طالب علم جو مدارس میں مسلکی اعتبار سے سوچتے تھے فوراً اختلاف کرتے تھے اور ایک طرح سے شور ہونے لگتا، لیکن جب کچھ روز گزرنے کے بعد یہی مدارس کے لڑکے یہ ماننے پر آمادہ ہوئے کہ ہمیں مسلکی اختلافات سے بلند ہو کر سوچنا چاہئے۔ جو اختلافات مدارس میں تھے کہ حنفی مسلک کا ماننے والا اہل حدیث سے اختلاف کرتا اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر اچھل پڑتا، لیکن میں نے اس برج کورس کے اندر دیکھا کہ الحمدللہ سب لوگ اختلاف کے رہتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، ایک دوسرے کو حق گردانتے ہیں۔

غرض مدارس کے اندر جو ایک طالب علم کی سوچ صرف نماز، مصلیٰ اور مدارس اور تقریر وتحریر میں ایک دوسرے کے خلاف مقرر کو تیار کرنا اور ان سے مناظرہ کرنا ہوتی ہے وہ سوچ برج

کورس کے اندر آنے کے بعد ختم ہوجاتی ہے اور وہی طالب علم جو مدارس میں رہ کر ان سبھی کے بارے میں سوچتا تھا وہی طالب علم اب یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ کیوں نہ ہم جدید علم میں ماہر ہوجائیں، کیوں نہ ہم دنیا میں طاقت ور بنیں، کیوں نہ ہم امریکہ کی طاقت کو ختم کردینے والا بنیں۔ کیوں نہ ہم سائنس، ٹیکنالوجی جو کل تک ہماری ایک وراثت تھی جس کو ہم نے کھودیا، کیوں نہ اس وراثت کو دوبارہ حاصل کریں۔

یہاں پر آکے جب میں نے یہ دیکھا کہ کتنے مخلص استاد ہیں جو ہر وقت طالب علم کے اندر کچھ نہ کچھ دینے کے لئے بے قرار رہتے ہیں اور ہر وقت کوشش کرتے رہتے ہیں اور طالب علموں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے تیار کرتے ہیں۔ یہ چیز مجھے بہت اچھی لگی کہ ایک مدرسہ کا طالب علم پولیٹکل سائنس اور Economic کے ساتھ ساتھ انگلش سیکھے اور یہاں آکر میں نے اپنے استاد جناب محبّ الحق صاحب کو فرماتے یہ سنا کہ مسلمان آخر اتنے پسماندہ کیوں؟ کیوں وہ اتنے پیچھے چلے گئے، جبکہ یہ خلیفہ بن کر آئے ہیں، دنیا پر اصل حکومت مسلمانوں کی ہونی چاہئے۔ ایک مسلمان محکوم کیوں؟ اور جو مدارس میں رہ کر طالب علم کے اندر یہ سوچ پیدا کی گئی کہ آج مسلمان کیوں ستایا اور مارا جارہا ہے اور مسلمان کیوں عباسی خلافت کے خاتمہ کے بعد زوال کا شکار ہوا اور ہندوستان میں انگریزوں کو کامیابی کیوں ہوئی؟

مدارس میں اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ مسلمان آج سچا پکا نہیں رہا۔ قرآن کو بھول گیا ہے۔ نبی کی تعلیمات کو بھولنے لگا ہے، لیکن یہاں پر آکر جب جناب محبّ الحق نے بتایا کہ اصل وجہ مسلمانوں کے ہارنے کی یہ نہیں ہے کہ بلکہ مسلمانوں کا جدید ٹیکنالوجی کا نہ استعمال کرنا تھا۔

غرض برج کورس ایک ایسا پلیٹ فارم ہے، اگر میں مبالغہ نہ کروں تو یہ سچ ہے کہ ہندوستان سے لے کر پاکستان، ایران، خلیج مما لک تک سبھی مما لک میں ایک برج کورس قائم کیا جائے اور پوری دنیا میں راشد شاز جیسا مفکر ہونا چاہئے، جو لوگوں کو یہ بتا سکے کہ اختلاف کو کس طرح دور کیا جائے اور مسلمانوں کو جدید تعلیمات سے آراستہ کیا جائے۔ جس دن یہ کوشش پیدا ہوگئی اس روز خدا کی قسم ہندوستان ہی نہیں بلکہ امریکہ تک ایک مسلمان حکومت کرے گا۔ ایک مسلمان جدید ایٹمی طاقتوں کا مالک ہوگا اور مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد ہوگا۔

آخر میں میری یہی دعا ہے کہ جس طرح سے برج کورس کے اندر طالب علموں کو ایک ساتھ مل کر رہنے کی اور مختلف مدارس اور مسالک کے ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی باتوں کو سننے اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھانے اور نماز پڑھنے کی توفیق ملی ہے اگر دنیا میں ہر جگہ ہوگئی تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اسی طرح امید ہے کہ برج کورس کی کوشش کامیاب ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر راشد شاز کی کوششوں کو قبول فرمائیں، آمین۔

محمد منفعت

ندوۃ العلماء کی سالانہ چھٹی پر میرے پاس دو تین طالب علم آئے، انھوں نے کچھ کاغذات دیئے اور بتایا کہ برج کورس میں مت جانا، کیونکہ اس کا جو ڈائرکٹر ہے وہ حدیث کا منکر ہے تو میں نے ان کو پڑھا نہیں بلکہ اس بات پر منحصر کر دیا کہ سنی سنائی ہوئی بات غلط بھی ہوسکتی ہے یا انسان کا اپنا نظریہ بھی ہوسکتا ہے۔ بہر حال سال گزر گیا، میں گھر آ گیا۔ میں نے والد صاحب سے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ انھوں نے مجھ سے کہا بیٹا! اگر علی گڑھ میں داخلہ ہوجائے جہاں جی چاہے پڑھنا تیرے لئے خوب موقع ہے۔

انھیں ایام میں علی گڑھ آ گیا۔ جنرل ڈبے میں پوری رات کھڑے ہوکر گزاری لیکن میرے ذہن میں ایک بات گردش کر رہی تھی کہ عسر کے بعد یسر ہے (آسانی ہے)۔ بالآخر میں نے پیپر دیا اور جیسے میں پیپر دینے کے بعد باہر نکلا، میرے دوست نے جو کہ ابھی برج کورس میں تھے، محمد اخلد انھوں نے معلوم کیا کیسا گیا پیپر، میں نے خوشی کے ساتھ جواب دیا۔ میرا نمبر آ گیا مجھے یقین ہو چکا تھا۔ بہر حال سارے مسائل کو حل کرتے ہوئے میرا برج کورس میں داخل ہو ہی گیا، جس کی خوشی میں میرے ایک دوست نے چار ہزار روپے شیروانی کے لئے ہدیہ دیے۔

میری ماں نے میرے لئے کیسے پیسوں کا انتظام کیا وہ نا قابل بیان ہے، جس میں صرف میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میری امی جان نے میرے داخلہ کے لئے گھر کا اناج بیچ ڈالا، پھر مجھے یہاں بھیجا کیونکہ اس وقت میرے والد گھر پر نہیں تھے اور اتفاق سے پیسے ادھار بھی نہیں ملے لیکن میری اماں جان کے دل میں خوشی تھی جس کی وجہ سے یہ کام کرنا ان کے لئے دشوار نہ گزرا۔ ان کو اپنے ایک بیٹے کی لائف بنانی تھی، اپنا حق ادا کرنا تھا۔

جیسے ہی تعلیم شروع ہوئی اور مشفق اساتذۂ کرام نے اپنی شفقتیں نچھاور کرنا شروع کیں، خدا کی قسم دل میں خیال آیا کہ اگر میں نے ان کی محنت کی پروانہ کی تو میں برباد ہو جاؤں گا۔ برج کورس کے ماحول نے میرے دل کے وہ تمام اشکالات وسوالات اور وہ تمام وسوسے دور کر دیے جو گھر کیے ہوئے تھے اور نتیجہ یہ نکلا کہ اب تک میں جو کچھ سوچتا تھا اب اس سے کہیں بالاتر ہو کر سوچنا شروع کیا اور میں نے ٹھان لی کہ میں کسی کی غلامی نہیں کروں گا، بلکہ میں خود قابل بنوں گا، لوگ میرے ساتھ چلیں اور ترقی کریں، کیونکہ ہمارے اندر تعلیم وترقی بہت کم ہے، صحیح رہبری نہ ہونے کی وجہ سے۔ برج کورس نے میرے لئے وہ تمام راستے کھول دیئے جس پر چل کر میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہوں۔ اب میرا ماننا

ہے کہ جو برج کورس کے تعلق سے جو باتیں سننے میں آ رہی تھیں وہ غلط ہیں۔ کیونکہ جو انسان کچھ کرتا ہے تو اس کے برے اعمال کا بدلہ اسی کو دیا جاتا ہے، نہ ہم کو تو ہمیں کسی کی ٹوہ میں نہ پڑنا چاہئے جس کی وجہ سے امت میں اختلافات برپا ہوں اور امت دیوبندی اور بریلوی میں تقسیم ہو کر رہ جائے، کیونکہ یہ اسلام کا پیغام نہیں ہے بلکہ پہلے مل کر کسی بھی معاملہ کی تحقیق کر لیں۔ میں اپنے بارے میں لکھتا ہوں کہ برج کورس میں آنے کے بعد میرے اندر وہ چیزیں آئیں جس کی معاشرہ کو بے حد ضرورت ہے، جیسے کہ دوسروں کو برداشت کرنا، ان کی باتیں سننا، آپس میں میل جول رکھنا، اختلافات کی دنیا ختم کرنا۔

ایک بات یہ ہے کہ انسان کو کسی نہ کسی سے کوئی سبق حاصل ہوتا ہے تو مجھے بھی برج کورس میں آنے کے بعد جو سبق حاصل ہوا استاذ محترم ڈائرکٹر پروفیسر راشد شاز صاحب سے وہ برداشت کا مادہ اللہ نے انھیں جو برداشت کرنے کی صلاحیت دی ہے خدا مجھے بھی دے۔ (آمین) اگر مسلمانوں کے اندر برداشت کا مادہ آجائے تو یقیناً آدھی لڑائی ختم ہو جائے۔ برج کورس نے میری سوچ کو اتنا بڑھا دیا کہ پہلے میں سوچتا تھا مجھے فلاں ڈگری حاصل کرنی ہے لیکن اب میں نے سوچا ہے کہ مجھے اپنی زندگی میں کچھ بن کر دنیا کے لئے کچھ کرنا ہے، کیونکہ کچھ بننا اپنے تک محدود ہو سکتا ہے، لیکن کچھ کرنا یہ دوسروں کے لئے بھی فائدہ مند ہے۔

سلیم الٰہی

سرسیّد کے چمن میں ایک چھوٹا سا گلستاں جس کی تعمیر بانی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے رحلت فرمانے کے بعد وائس چانسلر ضمیر الدین شاہ کے توسط سے ہوئی۔ اس گلستاں کو خصوصاً طلبہٗ مدارس کے لئے سجایا گیا تا کہ وہ عصری تعلیم کے میدان میں آ کر اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کر سکیں۔ بحمد للہ راقم بھی اسی گلستان کا ایک پود اہے۔ یہاں آنے کے بعد اخوت، بھائی چارگی جو یہاں دیکھنے کو ملی اور دیگر فرقوں کے لوگوں کا آ کر یہاں ایک ہی روم میں رہنا سہنا اور ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول کرنے کا تجربہ ہوا۔ یہ وہی طلبہ ہوتے ہیں جو دوسرے مدارس میں جب ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے، سرسید کے اس گلستاں میں آنے کے بعد بفضل اللہ یہ تمام نفرت وعداوت وکدورت جو قلوب کے اندر ہوتی ہے وہ یہاں دکھائی نہیں دیتی۔

راقم نے برج کورس میں جب تین ماہ گزارے تو وہ ماحول جو مجھے دوسروں اداروں سے ملا تھا، وہ تربیت جو نفرتوں اور عداتوں سے گھری ہوئی تھی اور دلوں کے اندر ایک نفرت کا مادّہ جو امت کے اکابر اور ذمہ دار کہے جانے والے ان حضرات کی زبان مبارک سے سنتا تھا، اس کو جھٹکا لگا۔ اس سے قبل جس ادارہ میں زیر تعلیم تھا۔ اگر کوئی معلوم کرتا بھائی بریلوی کون ہے یعنی مسلمان یا بدعتی یا پھر غیر مقلد حضرات کے بارے میں اسی طرح مسلمانوں کا

ایک مشہور فرقہ جو مسلمانوں کے یہاں بہت ہی مبغوض ہے، جس کو شیعہ نام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ان ہی میں سے بعض لوگ اس کو کفر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

جب راقم نے ایک وقت گزرنے کے بعد ایک بار اپنی تقریر میں بڑے ہی سوچ وچار کے بعد ان حضرات کو مسلمان کہا، پھر کیا کہنے ہر طرف شعلہ ہی شعلہ ہر طرف غصہ آنکھوں سے پھوٹتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اور وہ لوگ جو اب تک میرے چھوٹے سمجھے جاتے تھے اور زندگی کے ہر موڑ پر میرا ساتھ دیتے نظر آتے تھے، وہ بھی میرے اعداء میں شمار ہونے لگے۔ بس ہر طرف خطرات کے بادل منڈلاتے نظر آتے تھے، جو بظاہر ایک ٹریننگ تھی۔ یہ سب کچھ صرف ایک جملہ کی وجہ سے رونما ہوا، شیعہ مسلمان ہیں کبھی سوچنے لگتا کہ کیا میں راہ سے ہٹ تو نہیں گیا ہے جو رفقاء مدارس مجھ پر فتویٰ زنی کرتے نظر آرہے ہیں اور جب شب میں لیٹنے کے لئے بستر پر جاتا تو دماغ سے مخاطب ہو کر کہتا، کیا میں غلط ہوں، کیا میں نے اپنی زبان سے الفاظ قبیح نکالے ہیں جو دوسری زبان میں کہہ لیجئے، میں نے اپنے آپ کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہے۔ کیا

میں خدا کا نافرمان ہوں، مگر اندر سے آواز آئی، اگر آپ اپنے آپ کو صرف صراط مستقیم پر گامزن مانتے اور سمجھتے ہیں کہ راہ حق پر ہم ہی چل رہے ہیں۔ تو پھر دوسرے حضرات جو نبی کے نام لیوا ہیں ان کو کیا مانیں؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس نے میری ہمت کو اتنی طاقت دی جیسے ماہی کو آب مل گیا ہو۔ میں اس وقت ایسا محسوس کرتا تھا جیسے گلاب کا پھول کانٹوں کے درمیان تنہا ہو۔ نا معلوم کس طرف سے کوئی خار چبھ جائے اور اس کی پیاری پنکھڑی کو خراب کر دے، مگر دل بار بار کہتا حق وہ پودا ہوتا ہے جو باطل سے کبھی دبا نہیں بلکہ مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔ ایک ایسا سوال جو برابر مجھے پریشان کرتا تھا وہ تھا اگر اپنے آپ کو صرف حق پر چلنے والا مانیں تو کیا بریلوی غیر مقلد اسی طرح شیعہ وغیرہ کیا کوئی ان تمام کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنا چاہئے؟

اس کے بعد اور بھی کافی بڑے بڑے تجربات ہوئے ان میں سے پہلا تجربہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے درمیان جو آپسی اختلاف ہے، اس کو کس طرح دفع کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اس قلیل عرصہ میں دیگر مضامین سے روشناس کرانا جاری رہا مثلاً معاشیات، سماجیات اور سیاسیات جیسے دلچسپ مضمون سے طلبہ مدارس کو روشناسی ہوئی۔ اور جہاں تک تربیت کا مسئلہ ہے تو لڑکیوں کے سلسلہ میں جناب ڈاکٹر فاطمہ کوثر صاحبہ بڑے ہی اچھے انداز میں ان کی تربیت کرتی نظر آتی ہیں۔ اور دیگر اساتذہ میں خصوصاً محبّ الحق صاحب اللہ ان کو جزائے خیر دے، ان کا ایک جملہ میرے کانوں میں آج تک گونجتا ہے۔ جب انھوں نے درس کے درمیان بولا تھا اور دوسری طرف ان کے فکر مندانہ کلمات ہماری ہمتوں کو آگے بڑھاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں:

''بچو! عمرانیات پڑھو تا کہ جو کہتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کو پامال کیا ان کے جواب دے سکو۔''

اور دوسری جانب ماریسن کورٹ کی طرف سے صبح کے وقت چشمہ لگائے ہوئے گاڑی پر سوار یہ کون آئے ہیں۔ اوہ یہ تو عارف صاحب ہیں جو ہمیں معاشیات پڑھاتے ہیں۔ وہ ایک باپ کی طرح ہماری تعلیمی میدان میں دیکھ بھال کرتے ہیں۔ جیسے ہی ظہر کی نماز کے بعد کلاس آتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ لائبریری میں ایک خاتون بیٹھی ہیں۔ آگے چلنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو سماجیات کی ماہر آصفہ کریمی ہیں جو بڑی ہی شفقت کے ساتھ ہمیں تعلیم دیتی ہیں۔

چلئے دوسرا گھنٹہ بھی پڑھ لیتے ہیں۔ ارے بھائی یہ کون ہیں، لگتا ہے یہ تو ریحان صاحب ہیں۔ ریاضی کے ماسٹر، جن کی زبان سے بار بار یہ کلمات نکلتے ہیں ''ارے بھائی سمجھ میں نہ آئے دوبارہ پوچھ لینا۔''

لیجئے پڑھتے پڑھاتے عصر ہوگئی۔ چلئے جغرافیہ کی کلاس کرتے ہیں۔ داخل ہونے کے بعد دیکھتا ہوں سفید سوئیٹر میں ملبوس اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان یہ تو شہاب الدین صاحب ہیں جو بچوں کو ہنساتے ہوئے علم جغرافیہ کو ان کے اندر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا ایک جملہ میں ذرا بتادوں ''ہاں بھئی کچھ سمجھے۔''

اوہ یار تھک گیا، چلو آخری کلاس بھی کر لیتے ہیں۔ دیکھتا ہوں، برج کورس میں آگے قدم بڑھاتے ہوئے ارے یہ گیلری میں کون داخل ہو رہے ہیں، جن کے سر پر ٹوپ بھی ہے۔ ارے یہ تو لگتا ہے سعید انور صاحب تاریخ داں ہیں۔

یہ تمام اساتذہ جس محنت کے ساتھ پڑھاتے ہیں وہ قابل مبارکباد ہے۔ اللہ ہر ایک کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

ناقۂ سیار من آہوے تاتار من
درہم و دینار من اندک و بسیار من
دولت بیدار من
تیزترک گام زن منزل ما دور نیست

THE BRIDGE COURSE
for Graduates of Deeni Madaris